حدیثِ خوف
سمیع اللہ ملک

حدیثِ خوف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور بے پناہ رحم کرنے والے ہیں

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میوؤں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنادو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

(البقرہ:155۔156)

انتساب

کرونا وائرس جیسی آزمائش میں مبتلا اور اس

وبا سے اپنے ربِّ کریم کے حضور حاضر

ہونے والی تمام انسانیت کے نام

اُس زخمِ جاں کے نام، جواب تک نہیں بھرا
اُس زندہ دل کے نام، جواب تک نہیں مرا

اُن اہلِ دل کے نام، جو راہوں کی دُھول ہیں
اُن حوصلوں کے نام، جنہیں دُکھ قبول ہیں

اُس زندگی کے نام، گزارا نہیں جِسے
اُس قرضِ فن کے نام، اُتارا نہیں جِسے

اُن دوستوں کے نام، جو گوشہ نشین ہیں
اُن بے حِسوں کے نام، جو بارِ زمین ہیں

اُن بے دلوں کے نام، جو ہر دم ملول ہیں
اُن بے بسوں کے نام، جو گملوں کے پھول ہیں

اُس شعلہ رُخ کے نام، روشن ہے جس سے رات
ہے ضُوفشاں اندھیرے میں، ہر نقطۂ کتاب

اُس حسنِ باکمال کی رعنائیوں کے نام
اور اپنے ذہن و قلب کی تنہائیوں کے نام

فہرست

سیریل	عنوان	تاریخ اشاعت	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	بروز جمعرات یکم شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ ۲۶ مارچ 2020ء	9
1	چین کی خفیہ ایجنسی کی رپورٹ	بروز ہفتہ 3 شعبان المعظم 1441ھ 28 مارچ 2020ء	14
2	خدائی فوج	بروز سوموار 5 شعبان المعظم 1441ھ 30 مارچ 2020ء	16
3	کورونا کی طاقت	بروز بدھ 7 شعبان المعظم 1441ھ یکم اپریل 2020ء	18
4	عذاب یا امتحان	بروز بدھ 7 شعبان المعظم 1441ھ یکم اپریل 2020ء	21
5	نئے عمرانی معاہدے	بروز سوموار 12 شعبان المعظم 1441ھ 6/اپریل 2020ء	23
6	روٹھے رب کو منانے کا طریقہ: توبتہ النصوح	بروز منگل 13 شعبان المعظم 1441ھ 7/اپریل 2020ء	25
7	بددعا	بروز جمعرات 15 شعبان المعظم 1441ھ 9/اپریل 2020ء	29
8	قیامت سے پہلے قیامت	بروز ہفتہ 17 شعبان المعظم 1441ھ 11/اپریل 2020ء	32
9	یوراپنڈ نہی سُتّا	بروز منگل 27 شعبان المعظم 1441ھ 21/اپریل 2020ء	36
10	کیا امریکا ٹوٹنے جارہا ہے؟	بروز اتوار 3 رمضان الکریم 1441ھ 26/اپریل 2020ء	39
11	اگلی عالمی طاقت کون؟	بروز منگل 5 رمضان الکریم 1441ھ 28/اپریل 2020ء	43
12	کورونا سے بچاؤ ..... مکمل لاک ڈاؤن	بروز بدھ 6 رمضان الکریم 1441ھ 29/اپریل 2020ء	46
13	کورونا اور سرمایہ داری نظام	بروز سوموار 11 رمضان الکریم 1441ھ 4 مئی 2020ء	50
14	کورونا..... نئی دنیا کا قیام	بروز بدھ 13 رمضان الکریم 1441ھ 6 مئی 2020ء	52
15	کورونا کے سماجی ونفسیاتی اثرات	بروز جمعۃ المبارک 15 رمضان الکریم 1441ھ 8 مئی 2020ء	56
16	کورونا.....ایک بھیانک سازش	بروز سوموار 18 رمضان الکریم 1441ھ 11 مئی 2020ء	58
17	کورونا۔۔۔ مکافاتِ عمل	بروز منگل 19 رمضان الکریم 1441ھ 12 مئی 2020ء	60
18	کورونا وائرس کے ذمہ دار۔۔پناہ گزیں یا سیاح	بروز اتوار 24 رمضان الکریم 1441ھ 17 مئی 2020ء	64
19	کورونا.....امریکا اور یورپی یونین میں تجارتی فاصلہ؟	بروز بدھ 4 شوال المکرم 1441ھ 27 مئی 2020ء	69
20	کورونا.....تائیوان میں ناکام کیوں؟	بروز جمعرات 5 شوّال المعظم 1441ھ 28 مئی 2020ء	72
21	کورونا.....بین الاقوامی تحقیقات کا مطالبہ	بروز ہفتہ 7 شوّال المعظم 1441ھ 30 مئی 2020ء	74
22	نیٹو کا مستقبل اور کرونا	بروز سوموار 9 شوّال المعظم 1441ھ یکم جون 2020ء	77
23	کورونا.....بیروزگاری ایک چیلنج	بروز منگل 10 شوّال المعظم 1441ھ 2 جون 2020ء	81
24	ہوش کے ناخن	بروز جمعۃ المبارک 13 شوّال المعظم 1441ھ 5 جون 2020ء	84
25	کورونا.....چین بھارت تناؤ	بروز جمعرات 19 شوّال المعظم 1441ھ 11 جون 2020ء	88

26	کورونا.....گڈ گورننس کی ضرورت	بروز جمعۃ المبارک 20 شوّال المعظم 1441ھ 12 جون 2020ء	90
27	"حقیقت" کی کورونا کے ہاتھوں ہلاکت کی حقیقت	بروز بروز اتوار 22 شوّال المعظم 1441ھ 14 جون 2020ء	93
28	کورونا کا مثبت پہلو	بروز اتوار 29 شوّال المعظم 1441ھ 21 جون 2020ء	96
29	دنیا کا خاتمہ	بروز ہفتہ 20 ذوالقعد 1441ھ 11 جولائی 2020ء	99
30	کورونا کا نسل انسانی پر اثرات	بروز جمعۃ المبارک 26 ذوالقعد 1441ھ 17 جولائی 2020ء	101
31	أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ	بروز ہفتہ 4 ذوالحج 1441ھ 25 جولائی 2020ء	105
32	مرنا ہے تو گیلان جایئے	بروز جمعۃ المبارک 9 محرم الحرام 1442ھ 28/اگست 2020ء	114
33	امریکی عالمی قیادت خطرے میں؟	بروز جمعرات 22 محرم الحرام 1442ھ 10 ستمبر 2020ء	118
34	کورونا میں کرنے کے کام	بروز جمعۃ المبارک 19 ربیع الآخر 1442ھ 4 دسمبر 2020ء	121
35	انسانیت اور دنیا میں بڑا فرق ہے	بروز سوموار 17 رجب المرجب 1442ھ یکم مارچ 2021ء	124
36	عالمی دفاعی اخراجات اور کرونا	بروز جمعرات 8 شوّال المعظم 1442ھ 20 مئی 2021ء	129
37	جمہوریت اور کرونا	بروز جمعۃ المبارک 16 شوّال المعظم 1442ھ 28 مئی 2021ء	131
38	مودی کا بھانڈہ پھوٹا بیچ بازار	بروز اتوار 25 شوّال المعظم 1442ھ 6 جون 2021ء	135
39	بھارتی کرونا کا ذمہ دار کون؟	بروز منگل 27 شوّال المعظم 1442ھ 8 جون 2021ء	139
40	کیا امریکا شرمندہ ہے؟	بروز ہفتہ 16 ذوالقعد 1442ھ 26 جون 2021ء	143
41	افغان جنگ اور امریکا	بروز جمعرات 21 ذوالقعد 1442ھ یکم جولائی 2021ء	145

پیشِ لفظ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَـٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ(یونس:104-105)

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ لوگو اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔ بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرلیتا ہے اور مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں ہوں۔ اور یہ کہ (اے محمد (ﷺ) سب سے) یکسو ہو کر دین (اسلام) کی پیروی کئے جاؤ۔ اور مشرکوں میں ہر گز نہ ہونا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ(المائدہ:51)

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہو گا بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کرونا وائرس ساری دنیا میں پھیل چکا ہے. کاروبارِ حیات بند ہو چکا. تجارت، تعلیم، مذہبی اجتماعات، سیاحت غرض تمام شعبہ ہائے زندگی انجماد کی حالت میں چلے گئے ہیں. پوری دنیا کی سات ارب آبادی شدید ذہنی دباؤ، خوف وہراس میں مبتلا ہے۔ بیماری کی نہ تو علامات واضح ہیں نہ ہی وجوہات. بیماری کا یقینی ٹیسٹ بھی تاحال ممکن نہیں. کم ترقی یافتہ ممالک تو دور، ترقی یافتہ ممالک بھی اس وائرس سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس ساری صورتحال کے تناظر میں یقیناً یہ سوال بہت اہم ہے کہ کیا یہ کرونا وائرس واقعی ایک وبا ہے یا بائیو ٹیررازم کا حصہ ہے؟ یہ طاعون جیسی بیماری قدرتی طور پر پیدا ہوئی ہے یا یہ حیاتیاتی جنگ کا ایک حصہ ہے۔؟ یہ ایک سانحہ ہے یا باقاعدہ منظم سازش؟

پہلے بھی متعدد بار عرض کر چکا ہوں کہ سازشی تھیوریز پر کام کرنا آسان نہیں اور دوسرا میری رائے سے آپ کا اتفاق ضروری نہیں، تاہم اپنی گزارشات آپ کے سامنے ضرور رکھنا چاہوں گا۔ میرے نزدیک موجودہ وبا کرونا وائرس ایک مکمل پلان کے تحت دنیا بھر میں پھیلائی گئی ہے. جس کے پیچھے عالمی ٹی (1776) کا ہاتھ ہے. ایلومیناٹی اور فری میسن وغیرہ کی تفصیلات کسی اور وقت، مگر مختصراً یہ بتاتا چلوں کہ یہ عالمی خفیہ شیطانی خفیہ شیطانی تنظیم الومینا تنظیم ہے. اس کو چند انتہائی طاقتور خاندان "روتھ چائلڈ" اور "راک فیلر" اور برطانوی "شاہی خاندان خزارین" پس پردہ رہ کر چلا رہے ہیں یہ لوگ کسی مذہب کے پیروکار نہیں بلکہ براہِ راست شیطان کے پجاری ہیں اور اُسی کی ہدایات پہ چلتے ہیں. کچھ لوگ بظاہر یہودی ہیں اور کچھ عیسائی. اس تنظیم کا سب سے اہم مقصد یہودیوں اور یہود نواز و مذہب بیزار عیسائیوں کی مدد سے دجال کی آمد اور اسکی مطلق العنان حکمرانی کی راہ ہموار کرنا ہے. اس بنیادی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے انہوں نے "نیو ورلڈ آرڈر" کے نام سے ایک منصوبہ بنایا ہے. یہ ایک انتہائی شاطرانہ شیطانی منصوبہ ہے جس کے بہت سے حصے اور بہت سے اقدامات ہیں اور یہ کثیر جہتی منصوبہ ہے اور اس پورے منصوبے کا لب لباب "کرس" یہ ہے:

one world governmentکا دنیا میں قیام

one world religionکا دنیا میں نفاذ

one world currency کا دنیا میں نفاذ،
اور آخر میں "ون ورلڈ لیڈر "یعنی کرائسٹ دجال کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرانے پر ساری دنیا کا اتفاق:
ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے پلان کو مزید چھوٹے پلانز میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سب سے خطرناک پلان دنیا کی آبادی کو سات ارب سے کم کر کے ایک ارب یا پچاس کروڑ تک لانا ہے. اور یہی وہ منصوبہ ہے جس کا براہِ راست تعلق کرونا وائرس وبا سے ہے۔

دنیا کی آبادی کو کم کرنے کے شیطانی منصوبہ سازوں کے نزدیک متعدد فوائد ہیں. ایک یہ کہ کم آبادی کو کنٹرول اور قابو کرنا نسبتاً زیادہ آسان ہو گا اور بعد ازاں چپ انسٹال کر کے ان کے ردِّ عمل کو مانیٹر کرنا زیادہ آبادی کی بنسبت بہت آسان اور سستا ہو گا. دوسرا یہ کہ زیادہ آبادی کو مذہب سے دور رکھنے کیلئے نفسیاتی طور پر تیار کرنا مشکل ہے نسبتاً کم آبادی کے. نیز کم آبادی پر اپنا کلچر مسلط کرنا بھی زیادہ آبادی کی نسبت آسان عمل ہے. تیسری بات یہ کہ کم آبادی کی صورت میں روئے زمین پر اپنا استحکام اور غلبہ میں اضافہ ہو جائے گا۔ چوتھی بات یہ کہ قدرتی وسائل پر دباؤ کم ہو جائے گا جو حکمران طبقہ کے لئے بہتر ہو گا۔

پانچواں فائدہ یہ ہو گا کہ جینیاتی طور پر انجینئرڈ (موروثی اور لاعلاج) بیماریوں سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے گا جو ان کی نظر میں سوسائٹی و ملکی خزانے پر بوجھ ہیں یا جن کی محنت و مزدوری کرنے صلاحیت بہت کم ہے۔ اس انداز سے انہیں جوان طاقتور "لیبر فورس" لمبے عرصے تک میسر رہا کرے گی جس کو میں استعمال کر سکیں گے، (اس نکتہ پہ مزید تحقیق کیلئے
Transhumanism کے عنوان پر یوٹیوب پر چند اہم ویڈیوز موجود ہیں۔

دنیا کی آبادی کم کرنے کیلئے مختلف طریقے استعمال کیے جائیں گے جن میں علاقائی اور عالمی جنگیں، فاسٹ فوڈ اور کیمیکل زدہ "پیکڈ "خوراک اور مشروبات کا استعمال عام کرنا، ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل کمپنیوں کے ذریعے شدید مگر خاموش "سائڈ افیکٹ "والی ادویات کا خصوصی استعمال عام ہو گا۔ "جینیاتی طور پر انجنیئرڈ وائرس "اور بیماریوں کا عالمی و علاقائی پھیلاؤ. گلوبل وارمنگ کے ذریعے قحط سالی، سیلاب برپا کرنا، پینے کے پانی اور اجناس کی کمی پیدا کرنا وغیرہ۔ کرنا وغیرہ۔

یہ تو رہی الومیناٹی کی پلاننگ، اب آتے ہیں کرونا وائرس کی طرف. میرے نزدیک اس وائرس کا وبا کی طرح پوری دنیا میں پھیلاؤ اسی شیطانی پلان اور نیو ورلڈ آرڈر کا حصہ ہے. اس سے قبل یہی خطرناک ترین انسان دشمن "روٹا وائرس، سارس وائرس، ڈینگی ایچ آئی وی، ہانٹا، ایبولا وائرس اور اینتھراوائرس کا کامیاب تجربہ کیا جا چکا ہے. وبا کے آغاز پہ ہی انٹرنیشنل میڈیا کا اس کو بھرپور کوریج دینا، شہ سرخیوں میں لگانا، تمام عالمی لیڈروں کا اس پہ بات کرنا شروع کر دینا، لوگوں کو ڈرایا اور ہراساں کیا جانا، فوراً لاک ڈاؤن، کرفیو کی باتیں کرنا، یہ سب وہی "ایس او پی "ہیں جو پراپیگنڈہ کیلئے افغانستان اور عراق حملے کے وقت استعمال کیا گیا. بیماری پھیلانے کے ساتھ ساتھ اس عالمی لیول کے پراپیگنڈہ اور میڈیا کے ذریعے "ہراساں "کرنے کے پیچھے بھی ایک اہم مقصد کار فرما تھا اور وہ مقصد تھا لوگوں کے دماغ اور روّیے کو کنٹرول کرنا جو کہ اومیناٹی کے اہم ترین ہتھیاروں میں سے ہے۔ کرونا وائرس وبا کا پھیلاؤ محض ایک مشق ہے ایک تجربہ ہے۔ اصل جنگ ابھی آگے ہے۔

موجودہ وبا کا پھیلایا جانا اور اس کے حوالے سے شدید ترین اور شاطرانہ میڈیا کمپین ایک اہم تجربہ ہے جس سے مستقبل کی مزید پلاننگ کی جانی مقصود ہے. موجودہ وبا شاید 2-3 سال میں کنٹرول کر لی جائے اور اس بار اموات بھی مجموعی طور پہ کم رہیں مگر مستقبل میں یہ تجربہ منصوبہ سازوں کو مزید بہتر اور خطرناک پلاننگ کرنے کی صلاحیت دے دے گا. الومیناٹی نے اس وائرس کے پھیلاؤ سے انتہائی اہم نتائج حاصل کر لیے ہیں اور باقی نتائج وقت کے ساتھ سامنے آجائیں گے، تاہم انکا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے. نتائج یہ ہیں:

پہلی بات یہ کہ لوگ "بائیولاجیکل وارفیئر" کے بارے میں بالکل لاعلم نکلے ہیں اور ابھی تک اس "بائیو ٹیرر ازم" کو ایک قدرتی وباہی سمجھ رہے ہیں جو کہ ان کیلئے ایک مثبت نتائج ہیں۔ دنیا کو لاک ڈاؤن کرنے کا ایک کامیاب تجربہ کر لیا گیا اور اس لاک ڈاؤن کے نتیجہ میں لوگوں حکومتوں آزاد میڈیا اور مذہبی رہنماؤں کے ردِّ عمل کو نوٹ کر لیا گیا اور اب اس لاک ڈاؤن کے اثرات جانچے جائیں گے اور پلان کی خامیوں کو دور کر کے آئندہ مزید بہتر پلان بنایا جائے گا۔

اس تجربہ کے ذریعے قرنطینہ یا "کوارنٹائن" کا تصور ایک ہی جھٹکے میں پوری دنیا کے لوگوں تک پہنچا دیا گیا ہے اور انہیں شدید ذہنی مفلوج کر کے سمجھا دیا گیا ہے کہ جب کسی کو بیمار قرار دے کر "کوارنٹائن" کرنے کا حکم صادر ہو گا تو اس پہ احتجاج نہیں کرنا، چاہے وہ شخص جسمانی بیمار ہو یا ذہنی بیمار، یوں عزیز سے عزیز تر رشتے کو بھی "کوارنٹائن" ہوتے دیکھ کر احتجاج نہ کرنے کی ہمیں تربیت دے دی گئی ہے. چنانچہ کل جب ہمارے مذہبی پیشواؤں کو، سیاسی سوجھ رکھنے والے رہنماؤں کو ذہنی بیمار قرار دے کر "کوارنٹائن" کیا جائے گا تو ہم نہ صرف خاموش رہیں گے بلکہ خوش ہوں گے۔ ہمارے کسی عزیز کو شیطانی منصوبوں کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھ کر جب اسے خود ساختہ وائرس کا شکار بنا کر ہم سے دور کرنے یا وائرس کے بہانے قتل کر دیے جانے کی بات ہو گی تو ہم کرونا وائرس ٹریننگ اینڈ پروگرامنگ کی بدولت قطعاً احتجاج نہیں کر پائیں گے. (میری باتوں پہ کچھ دوستوں کو ہنسی آرہی ہو گی مگر انتظار کیجئے ایسا چند سالوں چند دہائیوں میں ہونے والا ہے)۔

ایک نتیجہ یہ بھی حاصل ہوا ہے کہ دنیا بھر کی ترقی یافتہ میڈیکل سائنس ابھی الومیناٹی کے ماتحت کام کرنے والی میڈیکل "بائیو انجینئرنگ لیبارٹریز" سے بہت پیچھے ہے اور ایسے وائرس کی کئی ماہ سے مسلسل تباہی کے باوجود کوئی لیب اسکا توڑ نہیں بنا سکی، جو کہ شیطانی منصوبہ سازوں کیلئے بہت خوش آئند ہے سب سے اہم نتیجہ یہ ہے کہ دنیا اب انہی چند فارماسیوٹیکل کمپنیوں کی جانب دیکھ رہی ہے جو ان شیطانی تنظیموں کے کنٹرول میں ہیں. دنیا بے بسی کے عالم میں ہے. حکمران بھی بے بس ہو کر بِل بلا رہے ہیں اور گھٹنے ٹیک چکے ہیں. آج پوری دنیا کے عوام اور حکمران ان مغربی دواساز کمپنیوں کی طرف حسرت امید اور آس بھی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کب اعلان ہو گا کہ وبا کا علاج دریافت کر لیا گیا ہے. شاید آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس بات پہ شیطان کے پجاری کس قدر خوش ہو رہے ہونگے. وہ سوچ رہے ہونگے مستقبل کے اس منظر بارے جب وہ پوری دنیا میں مصنوعی قحط برپا کریں گے اور سارا غلّہ اور اجناس ان عالمی سرمایہ داروں کے پاس ہو گی اور ان کا سربراہ دجال کہے گا مجھے اپنا رہنما مانو تب غذا دوں گا، پھر کہے گا اپنا خدا مانو تب مصنوعی بارش برساؤں گا اور اجناس دوں گا۔ کیا خوفناک منظر ہو گا وہ، (اس بات کا اشارہ رسولِ پاک ص کی حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ غذا اجناس بارش سب کچھ دجال کے کنٹرول میں چلا جائے گا. لوگوں کیلئے ایمان بچانا مشکل ہو جائے گا)۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آنے والے سالوں میں وہی قوم سپر پاور کہلائے گی جس کے پاس جدید سائنسی تحقیق ہو گی۔

Biotechnology ،Genetic engineering ،Biomechanics ،Medicine and pharmaceutical technology and research

اگلی جنگیں جہاں روایتی جنگی ساز و سامان سے لڑی جائیں گی وہاں میڈیکل انڈسٹری انتہائی اہم کردار ادا کرے گی۔

یاد رکھیں عالمی شیطانی تنظیموں کی بھی بہت سی کمزوریاں ہیں جن میں سے ایک ہے "بڑے پیمانے پر جدید ترین سائنسی تحقیق کا علم اور بیداری" جتنے زیادہ لوگ ان کے شیطانی منصوبوں سے آگاہ ہوتے جائیں گے، انہیں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مذہب سے لگاؤ، سطحی معلومات کے بجائے حقیقی تعلیم شعور اور تنقیدی تجزیئے کی صلاحیت ان شیطان کے پجاریوں کی اصل دشمن ہے. جنسی بے راہ روی اور مذہب بیزاری، عورت کی آزادی ان کے اہم ہتھیار ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دجال تب ظاہر ہو گا جب اس کے بارے میں بات کرنا کم کر دی جائے گی. یہی صورت حال آج ہے. دجال کی بات کی جائے تو لوگ اسے ہنسی مزاح میں اُڑا دیتے ہیں. یہ وہ فتنہ ہے جس کے شر سے صحابہؓ اور دیگر انبیاء تو ایک طرف خود انبیاء کے سردار ﷺ نے پناہ مانگی ہے. کرونا وائرس و باد جال کے شرور میں سے ایک شر ہے. اور یہ محض ایک چھوٹا لیبارٹری ٹیسٹ ہے۔ ابھی اصل وبائیں آنا باقی ہیں. یہ جو بے بسی ہم محسوس کر رہے ہیں یہ کچھ بھی نہیں، آنے والے دجالی فتنے اور شر اس سے کہیں بڑھ کر ہوں گے. (معاذ اللہ) اندازہ لگائیے کہ دجال کے شر کیسے ہوں گے اور کیا وجہ ہوئی ہو گی کہ انبیاء نے بھی اس سے پناہ مانگی؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان سنبھل جائیں اور یکجا ہو جائیں. عرب شہزادے عیاشیوں اور غیر ضروری عمارات بنوانے کے بجائے مسلم ممالک میں تعلیم و تحقیق پہ دولت خرچ کریں اور یہاں میڈیکل سائنس، میڈیسن، بائیو انجینئرنگ اور جنیاتی انجینئرنگ کے شعبوں مہارت حاصل کی جائے اور ایسے دجالی حملوں سے بچنے نیز عوام میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً قوتِ مدافعت بڑھانے والی نیچرل ادویات کی تیاری ممکن بنائی جائے. تاکہ مسلمانوں کو مغرب کی جانب نہ دیکھنا پڑے اور سخت ترین حالات میں بھی شیطان کے پجاریوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی ضرورت نہ پڑے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ(البقرہ:213)

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے۔

تب تک ویلڈن الومیناٹی، تم اس تجربے میں کامیاب رہے. مگر یاد رکھنا تم اپنے منصوبے بناتے ہو اور اللہ اپنے منصوبے بناتا ہے، اور اللہ بہترین منصوبہ ساز ہے۔ وَمَكَرُواْ وَمَكَرَ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ۔

اس ورلڈ لاک ڈاون سے جو سیکھنے کو ملا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

1۔امریکہ دنیاکاسب سے طاقتور ملک نہیں ہے۔
2۔چین نے تیسری عالمی جنگ جیت لی ایک بھی میزائیل یا گولی چلائے بنا۔
3۔یورپیئن اتنے تعلیم یافتہ نہیں جس قدر وہ دعویٰ کرتے ہیں۔
4۔غریب آدمی،امیر آدمی سے زیادہ مضبوط ہے۔
5۔دنیا کے لیے سب سے بڑاوائرس انسان خود ہے۔
6۔کوئی پجاری،پادری اور مزار،پیر وغیرہ مریض کو شفا نہیں دے سکتا۔
7۔اب ہمیں احساس ہوا ہے کہ جانور چڑیا گھر میں کیسا محسوس کرتے ہوں گے۔
8۔گھروں میں رہ کر یہی کاروبار کیا جاسکتا ہے۔
9۔ہم فاسٹ فوڈ اور غیر ضروری سرگرمیوں کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔
10۔اس دنیا میں اب بھی اچھے لوگ موجود ہیں۔
11۔اگر ہم زیادہ سکول بنائیں گے تو ہمیں زیادہ ہسپتال بنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔
12۔ہم گاڑیوں کے بنا بھی چل سکتے ہیں اور بہت سی موجودہ بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔
13۔ہمارے پاس وقت بہت ہے اگر ہم اسے صحیح استعمال کریں۔
14۔ضرورت سے زیادہ پیسہ بیکار چیز ہے۔
15۔قدرت کے بنایا ہوا نظام ہی سب سے بہتر ہے اور اس میں ہی انسان کی بھلائی ہے۔
16۔دنیا کتنی بھی ترقی کر لے لیکن وہ قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔دنیا کی ترقی کا اس بات سے اندازہ لگالیں کہ ہم جو اپنے ہاتھ پاؤں کے ناخن اور جسم کے بال تراش کر پھینک دیتے ہیں،سائنس ابھی تک بالکل ایسے ناخن اور بال تیار نہیں کر سکی بلکہ منہ میں آنے والا لعاب تیار کرنے میں ناکام ہے۔

نوٹ: تحریر کا یہ مطلب نہیں کہ مرض سے احتیاط نہ کی جائے یا معاملہ محض دعاؤں پہ چھوڑ دیا جائے. غیر جانبدار ماہرین کے سائنسی اور مدافعتی مشوروں پر عمل کرنا،جان بچانے کیلئے احتیاطی تدابیر اپنانا انتہائی اہم ہے۔
دوسرا نوٹ: اس پوسٹ میں کرونا وائرس معاملے کا صرف ایک پہلو زیرِ بحث لایا گیا ہے،اسکے معاشی،سیاسی،دفاعی پہلو الگ ہیں۔
تیسرا نوٹ: میری باتوں پہ ہنسنے والوں سے گزارش ہے محض ایک دن مکمل توجہ کے ساتھ "اینٹی کرائسس،نیو ورلڈ آرڈر اور اینڈ آف ورلڈ" کے موضاعات پر ضرور تحقیق کیجئے۔اپنی تحقیقات سے عامتہ المسلمین اور بالخصوص مجھ جیسے افراد کی ضرور مدد فرمائیں۔اللہ نے ان دنوں لاک ڈاؤن کی صورت میں آپ کو فراغت مہیا کی ہے۔توبہ استغفار کے ساتھ ساتھ اپنے رب سے ان خطرات کے تدارک کیلئے علمی آگاہی بھی ضرور طلب کریں۔
آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ کرونا وبا نے عالمی طور پر کیا اثرات چھوڑے ہیں،دنیا کی سیاست،ہمارے رہنے سہنے کے ڈھنگ اور آئندہ بدلتے حالات میں کرونا کی شکل میں انسانیت کیلئے کیا پیغام مستور ہیں،مختلف اوقات میں لکھے گئے کالمز اور آرٹیکلز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

بروز جمعرات یکم شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ ۲۶ مارچ 2020ء

چین کی خفیہ ایجنسی کی رپورٹ

کورونا وائرس برطانیہ کی لیبارٹری میں تیار کیا گیا، اسے امریکا میں رجسٹرڈ کیا گیا اور پھر کینیڈا کی لیبارٹری سے کینیڈا کی پرواز کے ذریعے باقاعدہ طور پر ووہان کی لیبارٹری میں پہنچایا گیا تحقیق کے مطابق کورونا وائرس کو ایک حیاتیاتی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا کام انگلینڈ کے "پری برائیٹ انسٹیوٹ" نے شروع کیا۔ "پری برائیٹ انسٹیوٹ" کے اس پروجیکٹ میں مالی مددگار "بل اینڈ میلنڈا گیٹس فاؤنڈیشن" اور "جان ہوپکنز بلوم برگ اسکول آف پبلک ہیلتھ" تھے۔ کورونا وائرس کو باقاعدہ امریکا میں "پری برائیٹ انسٹیوٹ" نے پیٹنٹ بھی کرایا۔

اس کا پیٹنٹ نمبر (10۔701ء10) تھا۔ جنوری میں امریکا میں پہلے کیس کے دریافت ہوتے ہی یہ پیٹنٹ ختم کر دیا گیا۔ کورونا وائرس جسے امریکا کے ادارے (سی ڈی سی) دی سینٹرز فار ڈیزیز کنٹرول اینڈ پریونشن 2019 کا نام دیا ہے، سے بچاؤ کے لیے 18 اکتوبر 2019 میں ہی نیویارک میں کمپیوٹر پر مشق کر لی گئی تھی۔ مذکورہ مشق کا انتظام بل اینڈ ملنڈا گیٹس فاؤنڈیشن، جان ہوپکنز سینٹر فار ہیلتھ سیکوریٹی نے ورلڈ اکنامک فورم کے اشتراک سے کیا تھا۔ اس مشق جس میں پارلیمنٹ، بزنس لیڈروں اور شعبہ صحت سے تعلق رکھنے والے افراد نے حصہ لیا تھا، اس امر کی مشق کی گئی کہ کورونا وائرس کے وبا کو صورت میں پھیلنے کی صورت میں اس سے بچاؤ کس طرح سے کیا جائے۔ اس مشق کو "ایونٹ 201 کا نام دیا گیا۔ یہ ایک فل اسکیل ایکسرسائیز تھی جو جو چین کے وسطی علاقے ووہان میں پہلا کیس رپورٹ ہونے سے چھ ہفتے قبل کی گئی تھی۔ یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ کورونا وائرس سے بچاؤ کی کمپوٹر پر مشق کا اہتمام کرنے والی تنظیمیں وہی تھیں جو اس وائرس کے پیٹنٹ کے مالک ادارے کو فنڈز فراہم کر رہی تھیں اور اب یہی ادارے اور تنظیمیں کورونا وائرس کی ویکسین پر کام کر رہے ہیں۔ 18 اکتوبر کو ہونے والی مشق کے شرکاء میں دنیا کے بڑے بینکوں، بل اینڈ ملنڈا گیٹس فاؤنڈیشن، جانسن اینڈ جانسن، لاجسٹیکل پاور ہاؤسز، میڈیا کے نمائندوں کے علاوہ چین اور امریکی ادارے، سی ڈی سی کے نمائندے بھی شریک تھے۔ مشق میں باقاعدہ ماحول بنایا گیا کہ میڈیا میں کورونا وائرس کے پھیلنے سے تباہی کی بریکنگ رپورٹ آ رہی ہیں، شہری خوفزدہ ہیں اور حکومت سے اس کے تدارک کے لیے اقدامات کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

Zhengdian Scientific Park of Wuhan Institute of Virology ووہان میں "ووہان نیشنل بائیو سیفٹی لیبارٹری" میں لیول 3 اور لیول 4 واقع ہیں۔ لیبارٹری میں لیول کی درجہ بندی کسی بھی وائرس کو محفوظ رکھنے کے انتظامات کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ ووہان کی لیبارٹری میں کورونا وائرس پہنچانے میں دو چینی سائنسدانوں کا نام لیا جاتا ہے۔

Dr. Xiangguo Qiu جو ماہر وائرس بھی تھی، 1996 میں کینیڈا مزید تعلیم کے لیے آئی۔ ڈاکٹر چی کا شوہر "کیڈنگ چنگ" اس وقت کینیڈا کے شہر ونی پیگ کی لیبارٹری میں بطور بائیولوجسٹ میں کام کرتا ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی ایبولا اور سارس وائرس پر تحقیقی کام کرتے تھے گزشتہ جولائی میں "سی این بی سی" نیوز نے رپورٹ کیا تھا کہ ونی پیگ کی لیبارٹری سے ایک چینی خاتون سائنسداں، اس کے شوہر اور ان کے چند پوسٹ جولائی میں "سی این بی سی" نیوز نے رپورٹ کیا تھا کہ ونی پیگ کی لیبارٹری سے ایک چینی خاتون سائنسداں، اس کے شوہر اور ان کے چند پوسٹ گریجویٹ طلبا کو

حراست میں لیا گیا ہے۔اس خبر کے ایک ماہ کے بعد "سی این بی سی" نے مزید خبر دی کہ مذکورہ سائنسداں جوڑے نے "ایبولا اور مینیپا" کے وائرس ایئر کینیڈا کی پرواز کے ذریعے 31 مارچ کو چین بھیجے تھے خبر کے مطابق وائرس کی شپمنٹ کے لیے تمام قواعد وضوابط پر عمل کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی شپمنٹ کے ذریعے کورونا وائرس بھی ووہان کی لیبارٹری بھجوایا گیا اور فالو اسٹوری میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر چی نے 2017 کے دوران چین کے پانچ دورے کیے جس میں چین کی لیول 4 کی نئی لیبارٹری کے ٹیکنیشنوں اور سائنسدانوں کو تربیت فراہم کی گئی۔ یہ سائنسداں جوڑا اب بھی زیر حراست ہے۔ کورونا کا پیٹنٹ وائرس وفی پیگ کی لیبارٹری کے علاوہ انگلینڈ کی لیبارٹری سے اور بھی کئی ممالک کی لیبارٹریوں کو فراہم کیا گیا۔

وہی ہوا جسکا ڈر تھا، پہلے یہودی زائیونسٹ نے اپنے بائیولاجیکل ہتھیار (کورونہ وائرس) سے دنیا کو خوف میں مبتلا کر کے تباہ کر دیا، اب ٹرائیکا کا سربراہ (اسرائیل) کرونا کے خلاف میڈیسن بنا چکا ہے، جانچ پڑتال رہ گئی ہے، چار سے پانچ ماہ میں دواعام مارکیٹ میں دستیاب ہو گی۔ کل ہی تحریر کیا ہے کہ کورونہ کا توڑ اسرائیل کے پاس موجود ہے، اب یہ دنیا میں خوف وہراس پھیلانے کے بعد علاج کے نام پر کھربوں ڈالرز بنائے گا جبکہ روس وچین بھی کوشش میں ہیں، دوا بنانے کی، چین جون تک کا وقت مانگ رہا ہے۔

خیر اصل ایشو کی طرف آتے ہیں اگر اب اسرائیل کہتا ہے کہ دوا صرف ان ممالک کو ملے گی جو اسے تسلیم کریں گے، جو ملک مجھے تسلیم نہیں کرے گا اسے دوا نہیں ملے گی۔۔۔ پھر؟ ایران چائنہ اور اٹلی، تینوں ممالک کورونا سے بری طرح متاثر ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچی 1962 کے بعد ایران نے پہلی مرتبہ آئی ایم ایف سے پانچ ارب ڈالر کا قرض مانگا ہے، کورونا سے لڑنے کیلئے، اٹلی کو ون بیلٹ، ون روڈ منصوبے میں شامل ہونے کی سزا ملی، امریکا کے منع کرنے کے باوجود وہ چین کے ساتھ شامل ہوا، ایران میں چین اگلے پچیس سالوں میں 400 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے جا رہا تھا، چین، امریکا کی جنگ سب جانتے ہیں۔ اب بھی کسی کو شک ہے کہ کورونہ بائیولاجیکل ہتھیار نہیں، وہ اپنی عقل کا ماتم کرے۔ آپ کی بات سمجھ آنے والی ہے۔ پر کیا یہ بڑے مغربی ممالک کو نہیں پتا؟؟ سوال یہ ہے کے وہ اس پر شور کیوں نہیں ڈال رہے؟ شائد اس لئے کہ سب تدبیریں الٹی پڑ گئی ہیں۔۔۔ اللہ کی تدبیریں کامیاب ہو گئی ہیں اور یہی وائرس اللہ کی فوج بن کر ظالموں پر ٹوٹ پڑا ہے۔

بروز ہفتہ 3 شعبان المعظم 1441ھ 28 مارچ 2020ء

خدائی فوج

تقریباً 200 سال قبل امریکا میں غلاموں کی تجارت کھلے عام ہوتی تھی۔ افریقا سے بحری جہازوں کے ذریعے پنجروں میں بند کر کے لوگوں کو لایا جاتا اور سخت ترین تشدد میں ان سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا۔ اس زمانے کے تمام سیاسی رہنما بھی اس کاروبار میں برابر کے شریک تھے اور اس غلامانہ تجارت کو اپنے گھروں اور کارخانوں کیلئے ایک منافع بخش قوت سمجھتے تھے۔ ایسے میں بھی کچھ لوگوں کے دلوں میں اس نظام سے نفرت ابل رہی تھی اور اس ظالمانہ نظام سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے خواب آنکھوں میں سجائے مسیحا کی آمد کی دعائیں کر رہے تھے، بظاہر کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی، اس نفرت کو ابھی زبان ملنا باقی تھی۔ اس ابلتی نفرت کو ایک شخص نے جس کی طاقت صرف اس کا قلم تھا، اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ کر ان غلاموں، بے کسوں کے خوابوں کو زبان دی۔ اس نے ایک اخبار 'لبریٹر' کے نام سے نکالا اور اس کے پہلے شمارے میں لکھا "میں سچ کی کی طرح کڑوا، اور انصاف کی طرح مصلحت سے عاری رہوں گا، میں اس مسئلے پر کبھی بھی اعتدال کے ساتھ سوچنا بولنا یا لکھنا پسند نہ کروں گا۔ نہیں کبھی نہیں، مجھے کوئی ایسا شخص بتایئے جس کا گھر جل رہا ہو اور وہ اعتدال کی باتیں کرے، آگ میں گر جانے والے بچے کی ماں سے کہئے کہ وہ اپنے بچے کو آہستہ سے نکالے، زنا بالجبر کرنے والے کے ہاتھوں سے کسی عورت کو اعتدال کے ساتھ کوئی نہیں بچاتا، اسی طرح مجھ سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ میں موجودہ صورتحال میں اعتدال کا رویہ اپنا لوں"۔

یہ لکھنے والا، خوابوں میں رنگ بھرنے والا ولیم لائڈ گیری سن تھا جس نے 1931ء میں اپنے قلم کی طاقت کو خوابوں کی تعبیر کیلئے استعمال کرنا شروع کیا۔ اسے بھی ابن الوقت لوگوں کے طعنے سننے پڑے، اس کو بھی احمق اور بے وقوف کے القابات ملے، سینٹ کے ارکان اور صدارتی امیدوار بھی اس کو دیوانہ سمجھ کر لوگوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین کرنے لگے، دھمکیوں کی بناء پر اس کو اپنے ٹھکانے بدلنے پر مجبور بھی کیا گیا لیکن وہ اپنی تحریر سے لوگوں کو ایک عادلانہ معاشرے کے خوابوں کی تعبیر کی جلد نوید سناتا رہا۔ وہ نہ خود مایوس ہوا اور نہ ہی ان لوگوں کی آنکھوں سے بہتر عادلانہ معاشرہ کے خواب کو اوجھل ہونے دیا۔ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے بڑھتے گئے، وہ جو کسی ڈر یا خوف سے خاموش تھے، کھل کر سامنے آنے لگے۔ ٹھیک 30 سال بعد اسی خواب کو اپنی آنکھوں میں سجائے ایک شخص ابراہام لنکن آگے بڑھا اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر اسی ملک کا صدر منتخب ہو گیا۔

مصلحت کوش سیاستدان اور اشرافیہ اس کے خلاف تھی لیکن ابراہام لنکن کو معلوم تھا کہ وہ جن کے ووٹوں سے اس منصب پر پہنچا ہے، ان کے خوابوں کو بھولنا غداری ہے، ان کو مصلحت کی میٹھی گولیاں کھلانا جرم ہے، ان سے وعدے کر کے مکر جانا انسانیت کی گری ہوئی ذلیل ترین حرکت ہے۔ پھر امریکی تاریخ نے دیکھا کہ اسے ان ریاستوں سے جنگ کرنا پڑی، مصلحت سے پاک جنگ اور فتح ان لوگوں کا مقدر بنی جو خواب دیکھتے تھے۔ وہ لکھنے والا ولیم لائڈ گیری سن جو 30 سال پہلے بظاہر ایک ناممکن جنگ کا آغاز کر چکا تھا، اس کے خواب سچ تھے اور مصلحت کوش لوگوں کی سب دلیلیں جھوٹی تھیں۔

میرے ملک میں بار بار قوم نے گاڑی کا کانٹا مثبت سمت کی طرف بدلنے کی کوشش بھی کی مگر یہ الگ بات ہے کہ اس ٹرین کو پٹری سے اتار کر کھیتوں کی دلدل کی طرف اس کا رخ کر دیا گیا لیکن خواب دیکھنے والے یہ لوگ ہزار میل کی رفتار سے کھیتوں کی طرف بھاگنے والی اس ٹرین کو اب بھی اس کی منزل

پر پہنچانے کا عزم اپنی آنکھوں میں سجائے ہوئے ہیں۔ میری قوم نے ہر مرتبہ اس امید پر اپنے خوابوں کی تعبیر کیلئے اپنے ووٹ کی طاقت کو استعمال کیا لیکن بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا ان کے خواب چکنا چور کر گیا اور کبھی اس دنیا کے امن کو تہہ و بالا کرنے والے قصر سفید کے فرعون کے ہاتھوں این آر او کے تحت اپنی روح تک بیچ کر قوم کی سربراہی کا تاج سر پر سجالیا گیا اور کبھی اس قوم کی آنکھوں سے ان تمام خوابوں کی روشنی چھین کر ہمیشہ کیلئے اتھاہ اندھیروں کی گہری کھائیوں میں دھکا دینے کی کوشش بھی ہوئی لیکن میرے رب نے حالات کے جبر سے خواب دیکھنے اور دکھانے کے عمل کو کمزور نہیں ہونے دیا۔

سابقہ حکمرانوں نے اس مملکت خداداد کو کبھی میمو گیٹ سکینڈل اور کبھی "ڈان لیکس" کی آڑ میں ایک خطرناک نفسیاتی جنگ میں دھکیل کر دشمنوں کے عزائم اور ایجنڈہ کی تکمیل میں معاونت کرنے کے ایک ایسے خطرناک کھیل کی بنیاد رکھنے کی کوشش بھی کی جس کی بنیاد پر قوم کی آنکھوں سے ان تمام خوابوں کی آس کی روشنی چھین کر ہمیشہ کیلئے اتھاہ اندھیروں کی گہری کھائیوں میں گر سکتی تھی۔

لیکن صد افسوس کہ موجودہ حکمرانوں نے بھی اپنے پیشروؤں سے نہ ہی کوئی سبق حاصل کیا اور نہ ہی عبرت۔ قوم کو آنکھوں کو خیرہ کر دینے، چکا چوند روشنی کی ایسی قوس قزاح کے پیچھے لگا دیا کہ آج ایک مرتبہ پھر قوم اپنے مقدر کے اندھیروں میں ڈوبی اپنی منزل کی تلاش میں ٹھوکریں کھا رہی ہے لیکن ان تمام ریشہ دوانیوں اور چالوں کے باوجود میرے رب کی طاقتیں بھی اس پاکستان کی سلامتی کیلئے مصروف عمل ہیں۔ قوم کے سپوتوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے بالآخر ضربِ عضب کی چوٹ سے اس ملک کی سلامتی کو یقینی بنایا اور اب ردّالفساد آپریشن کے ذریعے اس ملک سے فسادیوں کا تعاقب جاری ہے، کراچی کی روشنیوں کو دوبارہ واپس لانے میں کامیابی حاصل کی لیکن کشمیر کے معاملے میں اپنی خارجہ پالیسیوں میں منہ کی کھانی پڑی اور مکار و سفاک ہندو 5/اگست سے کشمیر کو لاک ڈائون کر کے اپنی فتح کے ترانے الاپ رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کرونا جیسی خدائی فوج نے تمام دنیا کو لاک ڈائون ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

ولیم لائڈ گیری سن کی قسمت میں اور امریکی عوام کی زندگی میں ابراہام لنکن آنکلا اور آج واشنگٹن میں صرف اسی کا مجسمہ ہے، مصلحت کوش اشرافیہ کے ناموں سے بھی لوگ واقف نہیں۔ میرے ملک کے خوابوں کی راہ گزر پر بھی وہی شخص کامیاب ہو گا جو اس خواب کو لیکر آگے بڑھے گا جو مصلحت پسند لیڈروں اور طاقتور اشرافیہ سے جان چھڑانے کے خواب، معاشرہ میں ایک انقلاب لانے کا خواب، معاشرہ سے ظلم، بے چینی اور اضطراب کو ختم کرنے کا خواب، گھر کی دہلیز پر ہر کسی کو انصاف مہیا کرنے کا خواب، زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے خواب، لوگوں کے دلوں میں پلنے والے لاوے اور ان کے احتجاج کو اپنی تحریروں میں سمو کر ان کے بروقت نتائج کے خواب، پاکستان کو ایک مثالی اسلامی ریاست بنانے کے خواب پورے کرے گا کہ اس معجزاتی ریاست کو ماہِ رمضان کی انتہائی قیمتی ساعتوں "لیلۃ القدر" میں وجود بخشا گیا۔

بروز اسوموار 5 شعبان المعظم 1441ھ 30 مارچ 2020ء

کرونا کی طاقت

تحریر، ہاں کیا ہر واقعہ تحریر کیا جاسکتا ہے؟ شاید، ہو سکتا ہے خود پر تھوڑا سا جبر کریں، خود کو جمع کریں تو آپ لکھ لیں گے لیکن کیا ہر بات لکھی جاسکتی ہے؟ خوشی کو تو لکھا جاسکتا ہے، غم دکھ تو تحریر ہو سکتا ہے مگر درد اور آنسوؤں کو کیسے لکھا جاسکتا ہے۔ کرب کو کیسے لکھیں اضطراب کو، بے کلی کو، بے حسی کو، انا کو تحریر میں کیسے سموئیں؟ لفظ وہی ہوتے ہیں، قلم وہی ہوتا ہے، صفحات وہی ہوتے ہیں سب کچھ وہی ہوتا ہے لیکن آپ بے دست و پا ہوتے ہیں۔ رحمت کو تو بیان کیا جاسکتا ہے، تحریر کیا جاسکتا ہے، نحوست کو کیسے پابند تحریر کیا جاسکتا ہے! اداسی کو تحریر کر سکتے ہیں آپ؟ کچھ نہیں کر سکتے ہم "دل پہ جو گزری سو گزری مگر" اسے بیان کیسے کریں؟ میرے لیے یہ ممکن نہیں۔ نہیں مجھے یہ ہنر نہیں آتا اور مجھے یہ سیکھنا بھی نہیں ہے۔ ضروری تو نہیں ہے مجھے سب کچھ آتا ہو۔ نہیں، میں نہیں لکھ سکتا دردِ دل کو، اداسی کو، بے کلی کو، اضطراب کو بالکل نہیں لکھ سکتا۔ آنسوئوں کو کیسے تحریر کروں؟ بتایئے آپ؟ اگر آپ تحریر کر سکتے ہیں تو ضرور کیجئے۔

لیکن یہ ہوتا رہا ہے، ہوتا رہے گا، یہی ہے ریت۔ کوئی نئی بات نہیں، کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ خلق خدا کے حق میں نغمہ سرائی جرم تھی، جرم ہے، جرم رہے گی۔ خلقِ خدا کی گردنوں پر سوار اس وقت بھی یہی کرتے تھے اب بھی یہی کرتے ہیں اور آئندہ بھی یہی کرتے رہیں گے۔ کوئی نئی بات نہیں، یہ ہوتا رہا ہے، ہوتا رہے گا۔ آپ زمینی خداؤں کو للکاریں گے تو وہ آپ کو ہار پھول پیش نہیں کریں گے۔ یہی ہو گا۔ آپ آئینہ دکھائیں گے اور وہ اپنی مکروہ صورتوں کو دیکھ کر آپ کو پتھر ماریں گے۔ گولیاں داغیں گے۔ لاٹھیاں برسائیں گے لیکن اپنے قلم کو خلقِ خدا کی امانت سمجھنے والے کبھی باز آئے ہیں نہ آئندہ آئیں گے۔

زمینی خداؤں کے زر خرید غلام خلقِ خدا کی آواز کو خاموش کرنے کا سپنا دیکھتے ہیں اور وہ کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتا، نہ ہو گا۔ تو بس پھر یہی منظر ہو گا آئندہ آنے والے چند دنوں میں۔ ہر طرف بپھرا ہوا عتاب اور اہل جنوں کا نعرہ مستانہ۔ سر بلند رہے گا یہ نعرہ "فرعون پہلے بھی غرقاب ہوا تھا، آئندہ بھی اس کا نصیبا یہی ہے"۔ مبارک ہوا نہیں جو خلق خدا کیلئے سر عام پٹتے رہے۔ جن کے خون سے سڑکیں رنگین ہوئیں۔ آج کچھ نہیں ہے کہنے کو، بس جو کچھ سن رہا ہوں وہ لکھ رہا ہوں۔ ٹی وی چینلز پر خود کو دنیا کا طاقتور سمجھنے والے بدحواس نظر آرہے ہیں لیکن ساتھ ہی ایک عالمی حکومت کے قیام کی سازش بھی کر رہے ہیں۔ برطانیہ کے سابقہ وزیر اعظم گورڈن براائون نے یہ تجویز پیش کی ہے۔ میں موجودہ حالات کو نقارہ خدا سمجھتا ہوں۔ اگر اندھے، بہرے نوشتہ دیوار نہیں پڑھ سکتے تو ہم کیا کریں!

ہاں فرعون مرتا ہے، فرعونیت نہیں مرتی۔ اس کے پیروکار آتے ہیں، آتے رہیں گے۔ پھر وہ پکارنے لگتے ہیں، ہمارا منصوبہ کامیاب رہا۔ ہم ہیں اعلیٰ وارفع۔ ہمارے پاس ہیں وہ دانش و بینش جو بچالے جائیں گے سب کو۔ بس ہمارے پیچھے چلو۔ ہماری پیروکاری کرو کہ نجات اسی میں ہے۔ یہاں ہر فرعون یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ بس وہی ہے عقل و فکر کا علمبردار، بہت ضروری ہے وہ۔ اس کی ہدایت و رہنمائی ہی نجات کا سبب ہے۔ بس وہی "میں" کا چکر۔ نحوست

کا چکر۔ اسی لیے وہ پکارتا رہتا ہے۔ وہی ہے اعلیٰ وارفع، وہی ہے رب اور رب اعلیٰ بھی۔ خود فریبی کی چادر میں لپٹا ہوا۔ موت، موت تو اسے چھو بھی نہیں سکتی۔ سامان حرب سے لیس۔ خدام اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ چڑیا بھی پر نہیں مار سکی۔ دور دور تک کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اسے گزند پہنچا سکے۔

مصاحبین کے نعرہ ہائے تحسین اسے اس زعم میں مبتلا رکھتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اس کی مرضی سے چلتا ہے کاروبار حیات جیسے وہ موت کو بھول بیٹھتا ہے، خود فریب تو سمجھتا ہے کہ موت بھی اسے بھول جائے گی۔ سمجھ بیٹھے ہیں یہ محفل سدا سجائیں رہیں گے۔ واہ، واہ، آفرین آفرین کرنے والے درباری یونہی داد دیتے رہیں گے۔ نہیں جناب بالکل بھی نہیں۔ سب کچھ ختم ہو جائے گا لیکن پھر ایک اور دریا ہوتا ہے اور انجام وہی۔ بالکل یہی سمجھتا ہے کہ جس طرح وہ موت کو بھولا ہوا ہے، موت بھی اسے بھول چکی ہو گی لیکن آتی ہے وہ۔ ہزار پہرے بیٹھا دیجئے، دیواریں چنوا لیجئے، کیمرے لگا لیجئے۔ وہ نہیں رکتی۔ آتی ہے اور سر عام آتی ہے۔ کوئی نہیں بچ سکا اس سے لیکن ہوتا کچھ اور ہے۔ سب کچھ ہوتا ہے محافظ بھی، سامان حرب بھی، محلات بھی، ساز و سامان بھی، آفرین بھی، واہ واہ بھی سب کچھ ہوتا ہیاور پھر نیل ہوتا ہے، لہریں ہوتی ہیں، منہ زور لہریں رب حقیقی کے حکم کی پابند۔ اور جب وہ گھر جاتا ہے، پھر دور دور تک کوئی نہیں ہوتا مددگار۔ تب وہ آنکھ کھولتا ہے اور پکارنے لگتا ہے "نہیں نہیں، میں ایمان لاتا ہوں، ہاں میں موسٰی وہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں" لیکن بند ہو جاتا ہے در۔ کسی آہ و بکا سے نہیں کھلتا۔ اور پھر وہ غرق ہو جاتا ہے۔ موت اس کی شہ رگ پر دانت گاڑ دیتی ہے۔ ختم شد نشانِ عبرت۔ داستان درداستان۔ ہاں ایک امتحان تھا گزر گیا۔ نتیجہ تو بعد میں نکلے گا۔ کیا؟ میں نہیں جانتا۔ بس میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ میں نے کیا کیا اور ان کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ ہاں دعا کروں میں لیکن کس منہ سے دعا کروں؟ کیسے اپنے رب کا سامنا کروں؟

برسوں سے اک نئی کربلا میرے سامنے بپا ہے۔ ہمارے بچے اور بچیاں تہہ تیغ کئے جا رہے ہیں، پچھلی سات دہائیوں سے ظالم ہندو بنئے نے جس بیدردی سے نسل کشی کا کاروبار شروع کر رکھا ہے، جس سفاکی سے معصوم بچوں کو بارود سے بھون کر رکھ دیا جاتا ہے، ان جبہ و دستار والوں نے بھی ان کے آستانے پر اپنی جبین نیاز کو جھکا لیا۔ پہلے مودی کو اپنے ملک کے سب سے بڑے سول اعزاز سے نوازا، اب یروشلم کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کر کے اپنے ماتھے پر غلامی کی مہر ثبت کر لی، اپنے ڈالروں کی کھنک سے ہماری قومی غیرت کو بھی دفن کر دیا گیا..... کس کو بے وقوف بنا رہے آپ؟

آپ کہاں ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ معصوموں کی چیخیں مجھے جینے نہیں دیں گی۔ میرا سینہ شق ہو جائے گا۔ میں کچھ نہیں کر سکا۔ ہاں مجھے زندگی پیاری ہے ہاں میں سانس کی آمد و رفت کو زندگی سمجھتا ہوں ہاں میں نے ذلت و رسوائی کی زندگی قبول کر لی ہے، ہاں میں موت سے بہت ڈرتا ہوں ہاں میں نے اپنا رب بدل لیا ہے، ہاں میں عزت و ذلت کا مالک انہیں سمجھتا ہوں جن کے ہاتھ میں ہمارے اقتدار کی ڈوری ہے، جن کے ایک ہاتھ میں خوفزدہ کرنے کیلئے کڑکتے کوڑے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں ہمارے چیچک زدہ چہروں پر سجے طمع و حرص کے مارے منہ بھرنے کیلئے ڈالروں سے بھرے توڑے۔ ان کے پاس بے حس بندوقیں ہیں۔ شعلہ اگلتی ہوئی بندوقیں۔ میں انہیں زندگی اور موت کا مالک سمجھتا ہوں جن کے میزائلوں کی گڑگڑاہٹ سے دل دہل جاتا ہے اور مجھے

خدشہ ہے کہ کہیں وہ میرا تورابورانہ بنادیں۔ہاں وہی ہیں میرے مالک! آپ کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں! آپ جانیں اور آپ کا کام لیکن کرونا کی طاقت تو دیکھیں کہ اس نے طاقتوروں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔

بروز بدھ 7 شعبان المعظم 1441ھ یکم اپریل 2020ء

عذاب یا امتحان

ہاں بہت ہاتھ پاؤں مارتا ہے انسان... بہت کوشش، بہت تگ و دو... کس لیے ؟اس لیے کہ وہ سکون سے رہے، آرام سے رہے، محفوظ رہے۔ ناموری کا خواہش مند ہوتا ہے وہ... واہ، واہ سننا ہے داد و تحسین کا طالب اور چہار دانگ عالم میں تشہیر، بس یہی ہے۔ سکون سے رہنا چاہتا ہے اور بے سکون ہوتا رہتا ہے۔ آرام فوم کے گدوں پر سونے سے ملتا نہیں ہے، لاکھ توپ و تفنگ پاس ہو، اپنوں سے بھی ڈرتا رہتا ہے۔ سائے سے بھی ڈر جانے والا۔ ناموری کے شوق میں ایسی ایسی بے ہودہ حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں اُس سے کہ بس۔ چہار جانب بچہ جمہورے واہ، واہ کرتے رہتے ہیں اور خلقِ خدا تھو تھو۔ داد و تحسین کے لیے نت نئے ڈرامے اور اداکاری... لیکن ذلت لکھ دی جاتی ہے۔ میں غلط کہہ گیا ہوں، اپنی ذلت و رسوائی کا سامان ساتھ لیے پھرتا ہے وہ، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وقت کا گھوڑا اسے اپنے سموں تلے روندتا ہوا نکل جاتا ہے۔

سامان سو برس کا ہوتا ہے اور پل کی خبر نہیں ہوتی۔ اپنی انا کے بت پوجنے والا کب کسی کو خاطر میں لاتا ہے ! بس ذرا سا اختلاف کیجیے تو چڑھ دوڑتا ہے اپنے لشکر کو لیکر، یہ جانتے بوجھتے بھی کہ لشکروں کو پرندوں کا جھنڈ کنکریاں مار کر کھائے ہوئے بھس میں بدل دیتا ہے۔ عبرت سرائے ہے یہ لیکن نہیں مانتا وہ ۔ وہ ناز کرتا ہے اپنے لشکر پر اور دنیائے فانی میں کوئی سدا نہیں جیتا۔ اپنے سینے پر سجے تمغے دیکھ کر نہال ہو جانے والے بھی تنہا اور لاچار ہو جاتے ہیں اس لیے کہ زندگی پر موت کا پہرا ہے اور موت کسی سے خائف نہیں ہوتی۔ ہاں وہ کسی چار دیواری، کسی پناہ گاہ، کسی قلعے، کسی نسب، کسی منصب و جلال، کسی لشکر کو نہیں مانتی، دبوچ لیتی ہے... اور پھر سامان سو برس کا دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ جسم کے پنجرے کو توڑ کر روح کو موت اچک لیتی ہے۔

موت سے پہلے جب کبھی موت آجائے تو وہ بڑی بے حس ہوتی ہے۔ ہاں اُس وقت جب زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دینے لگتی ہے۔ بے کلی، بے چینی، اضطراب، وحشت، تنہائی... کیا یہ سزا کم ہوتی ہے ! سب کو تہہ تیغ کر کے آگے بڑھ جانے والا سوچتا رہ جاتا ہے لیکن پھر وقت ہاتھ نہیں آتا۔ انہیں بھی برداشت کرنا پڑتا ہے جنہیں کرپٹ کہتا ہے، اس لیے کہ اپنے رب کا غلام نہیں ہوتا وہ تو طاقتِ عارضی کا ادنیٰ غلام ہوتا ہے، اور جب ارضی خدا اسے کہہ دیں پھر کیا مجال کہ انکار کرے، پھر برداشت کرنا پڑتا ہے جناب۔

طبّی ماہرین کے مطابق رفاقتوں سے محروم انسان بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ رفاقتوں سے محرومی کا پہلا نتیجہ تنہائی ہوتی ہے۔ تنہائی کو بھی ایک بیماری کہا جاتا رہا کیونکہ غمِ تنہائی بہت سی دیگر بیماریوں کی وجہ بنتا تھا لیکن قسمت دیکھئے کہ ہمیں اپنی اس زندگی میں ایسا دور دیکھنا پڑا جب دنیا بھر کے ڈاکٹر تنہائی اور ترکِ تعلق کو ایک خطرناک وبا کا علاج قرار دے رہے ہیں۔ کرونا وائرس چین سے اٹلی، اسپین، فرانس، برطانیہ، دیگر یورپی ممالک اور ایران سے پاکستان تک ہزاروں افراد کی جان لے چکا ہے اور لاکھوں انسان اس وبا کا شکار ہو کر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ طاقتور اقوام اسلحہ اور ایٹمی ہتھیار بنانے پر سالانہ کھربوں خرچ کرتی رہیں لیکن کرونا وائرس کے سامنے سب ایٹمی طاقتیں بے بس ہیں۔ کسی کے پاس اس وبا کا کوئی علاج نہیں کیونکہ صحت اور ماحولیاتی صفائی ان طاقتور اقوام کی ترجیحات میں شامل ہی نہ تھے۔

اب یہ طاقتور اقوام اس عالمی وبا سے بچنے کیلئے اپنی سرحدیں بند کر چکی ہیں، کہیں کرفیو نافذ ہو رہا ہے، کہیں لاک ڈاؤن کیا جا رہا ہے۔ اموات روز بروز بڑھ رہی ہیں اور بے بس ڈاکٹر کہتے ہیں بچوں کے ماتھے پر بوسہ نہ دو، نہ کسی کو گلے لگاؤ یہاں تک کہ ہاتھ بھی نہ ملاؤ، بس دور دور سے ہاتھ ہلاؤ۔ کوئی کہتا ہے کرونا اللہ کا عذاب ہے۔ کوئی کہتا ہے عذاب نہیں امتحان ہے۔ زیادہ پرانی بات نہیں۔ 2009ء میں میکسیکو میں سوائن فلو نامی وبا میں لاکھوں لوگ مارے گئے تھے۔ اس سے پہلے طاعون، ہیضہ، انفلوئنزا اور زرد بخار جیسی عالمی وبائوں کو بھی یہ دنیا دیکھ چکی ہے۔ کچھ برسوں سے ہمیں ڈینگی وائرس کا بھی سامنا ہے لیکن کسی وبا نے اتنی دہشت نہیں پھیلائی جتنی کرونا وائرس نے پھیلا رکھی ہے۔ اسے عذاب کہیے یا امتحان لیکن یہ طے ہے کہ دنیا بھر میں ہر جگہ مسلمان ہی مغرب وامریکا کے تعذیب کا شکار ہیں۔ غزہ، کشمیر، برما، عراق، افغانستان اور شام کے بے گناہوں مسلمانوں کا خون رنگ تو لائے گا۔ مقبوضہ کشمیر کے لاک ڈاؤن کی صدا کہاں تک پہنچی ہے۔ الاامان الحفیظ!

کئی صاحبِ نظر تو اس بات کی پیش گوئی کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس صدی میں غلبہ عطا فرمانا ہے۔ پندرہویں صدی کے بالکل آغاز ہی میں روس افغانستان آیا تھا جس کی بناء پر افغان جہاد شروع ہو گیا تھا، امریکا کے روس کے خلاف اپنے مفادات تھے اور اس نے اپنے مفادات کے تحت حکومتوں سے ڈیل کی اور افغان جہاد میں اپنے مفادات کی تکمیل میں شامل ہو گیا تھا مگر وہ ایک پہلو تھا لیکن مجاہدین نے جو قربانیاں اخلاص اور جذبے کے تحت دی ..... یہ ایسے چند لوگوں کی سوچ ہے جو اب بھی اپنے مفادات امریکا کی دوستی میں تلاش کرتے ہیں اور وہ اس ہیں انہیں یہ کہنا کہ امریکا استعمال کر گیا پہلو کو بھول جاتے ہیں کہ امریکا کے اپنے مفادات ہیں جس کی تکمیل میں وہ کبھی بھی کسی کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتا اور یہی وہ تلخ حقیقت ہے۔ کشمیریوں کی قربانیاں بھی ضرور رنگ لائیں گی اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اگر روس اور امریکا جیسی سپر طاقتیں افغانستان میں نہ ٹھہر سکیں تو پھر بھلا بھارت طاقت کے بل بوتے پر کشمیریوں کو کتنی دیر تک دبا سکتا ہے جبکہ وہ خود ان دونوں طاقتوں کے مقابلے میں کہیں کمزور اور ناتواں ہے۔

یہ ہے دنیا جناب! سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ انسان کر ہی کیا سکتا ہے جناب! جو اپنے رب پر بھروسہ کریں انہیں ملتا ہے سکون، انکار کی جرأت اور خوف سے نجات۔ بندہ بشر ہے ہی کیا اپنے سائے سے بھی خوفزدہ۔ جی جناب! وقت کا گھوڑا انہیں اپنے سموں تلے روندتا ہوا چلا جاتا ہے اور پھر نعرہ بلند ہوتا ہے۔ "دیکھو جو مجھے دیدۂ عبرت نگاہ ہو"۔

کچھ نہیں رہے گا جناب، کچھ بھی نہیں... بس نام رہے گا اللہ کا۔

کہاں سکندر، کہاں ہے دارا، جام کہاں ہے، جم کا — جن کی تیغ سے دیو بھی کانپیں، دل دہلے رستم کا
ان کی راکھ ملے نہ ڈھونڈے، دنیا کا گھر ہے غم کا — ہاشم، جان غنیمت جانو، نہیں بھروسہ دم کا

بروز ہفتہ 10 شعبان المعظم 1441ھ 4/اپریل 2020ء

نئے عمرانی معاہدے

باختگی کی رعونت، درندگی اور سفاکی، تہذیب کے ہر قرینے اور انسانیت کے ہر سلیقے سے عاری ہوتی ہے۔ وہ اپنی خوں آشامی کا جواز خود ہوتی ہے اور اپنی حیا دلیل خود تراشتی ہے۔ کسی کی برہمی، کسی کی تنقید اور کسی کی حرف گیری سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ایسا ہونا ہوتا تو امریکا بہت پہلے سے اپنا چلن تبدیل کر چکا ہوتا اور اسے اندازہ ہو گیا ہوتا کہ اسلحے اور ٹیکنالوجی کے زور پر انسانوں کے پرخچے اڑانے اور بستیاں پیوند زمین کر دینے سے نہ کوئی قوم سربلند ہوتی اور نہ کوئی ریاست آبرو پاتی ہے۔ امریکی تاریخ حیا باختہ جنگوں، آزاد خود مختار ممالک کے امور میں ننگی مداخلت اور معصوم انسانوں کے قتل سے بھری پڑی ہے۔ اگر کسی کے پاس مستند اور مصدقہ اعداد و شمار جمع کرنے کا ہنر ہوتا تو پتہ چلتا کہ امن، انسانی حقوق، جمہوریت اور آزادی کا درس دینے والی سپر پاور کے دامن پر جھوٹ کے کتنے داغ اور مکاری کے کتنے چھینٹے ہیں۔

بھول جایئے کہ 6/اگست 1945ء کو ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم "امن و آشتی" کے اسی علمبردار نے گرایا تھا جس سے تین لاکھ سے زائد انسان ہلاک اور لاکھوں اپاہج ہو گئے۔ بھول جایئے کہ 9/اگست 1945ء کو اسی مبلغِ انسانیت نے ناگاساکی پر دوسرا ایٹم بم گرایا تھا جس سے شہر کی ایک تہائی آبادی خاکستر ہو گئی تھی۔ 257 سال پہلے 1763ء میں پہلے جراثیمی ہتھیار بھی امریکا میں موجودہ امریکیوں کے آباؤاجداد نے استعمال کئے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران جنگی قیدیوں پر زہریلی گیس استعمال کرنے کا اعزاز بھی امریکا کے پاس ہے۔ 1925ء میں جب جنیوا کنونشن کیمیائی اور جراثیمی ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی لگا رہا تھا تو سب سے زیادہ مخالفت نہ صرف امریکا نے کی تھی بلکہ اس پابندی کو قبول کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ وہ روس سے کئے گئے اینٹی بلاسٹک میزائلوں کے معاہدے سے بھی یکطرفہ طور پر منحرف ہو چکا ہے۔ آج بھی اس کے ایٹمی گودام میں 12 ہزار سے زائد ایٹم بم اور کیمیائی و جراثیمی ہتھیاروں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ آج بھی اس کی غارت گری اور انسانیت کشی جوں کی توں ہے بلکہ کئی گنا بڑھ چکی ہے۔

تقریباً 12 سال قبل جولائی 2002ء میں افغانستان کے ایک گاؤں میں شادی کی ایک تقریب جاری تھی۔ بچیاں ڈھولک کی تھاپ پر گیت گا رہی تھیں، پٹاخے چھوٹ رہے تھے۔ آسمانوں کی بلندیوں سے امریکی طیاروں نے دیکھا اور اسے طالبان کی جنگی تیاریوں کا کوئی کیمپ خیال کرتے ہوئے درجنوں بم گرا دیئے۔ عورتوں اور بچوں سمیت 48 بے گناہ انسانوں کے پرخچے اڑ گئے۔ عالمِ اسلام نے جھرجھری تک نہ لی۔ مری مری، منمنی سرگوشیوں کے سوا احتجاج کی کوئی لے بلند نہ ہوئی۔ قبریں کھدیں اور جلنے سے بچ جانے والے اعضاء دفن کر دیئے گئے۔ امریکی سنٹرل کمانڈ نے سینہ تان کر کہا..... "ہم اس حملے میں پوری طرح حق بجانب تھے، ہمارے جہازوں پر فائرنگ کی گئی تھی۔ اس سفاکی کے دو سال بعد ایسا ہی المیہ عراق کے ایک سرحدی گاؤں میں بھی پیش آیا جہاں شادی کی ایک تقریب پر بم برسا کر 55/افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ زمین پر رینگتے کیڑوں مکوڑوں کو دیکھ لینے والی ٹیکنالوجی کو شادی کی تقریب "المہدی آرمی" کی چھاؤنی نظر آئی۔ سی این این کے مطابق شہید ہونے والوں میں 15 بچے اور 25 خواتین بھی شامل تھیں۔ العربیہ ٹی وی چینل کے مطابق امریکی طیاروں نے کم و بیش 100 بم گرائے۔ ٹی وی چینل نے یہ بھی دکھایا کہ کس طرح لہو بہہ رہا ہے اور کس طرح ایک گرد سے اٹی ہوئی سڑک پر کٹی پھٹی لاشوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔

ابو غریب جیل اور بگرام ایئر بیس کی متعفن کہانیاں سامنے آنے کے بعد تحقیقات، گواہیاں ،بیانات، کورٹ مارشلز اور بازپرس کا ڈرامہ بھی اس تہذیب یافتہ دنیا نے دیکھا لیکن اب تک کوئی نہیں جو اس کھلی بربریت پر امریکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکا۔ آج بھی جب وائٹ ہاؤس، پینٹا گون یا سٹیٹ آفس کا کوئی کارندہ کسی مسلمان ملک کا رخ کرتا ہے تو حکم رانوں پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔اس کیلئے سرخ قالین بچھتے، خیر مقدمی بینر لگتے اور پر تکلف ضیافتوں کا اہتمام ہوتا ہے۔اس کے خون آلود ہاتھوں کو تھامنا، مصافحہ کرنا اور چومنا اعزاز و افتخار خیال کیا جاتا ہے۔اس کی تشریف آوری کو اپنی عزت افزائی سمجھا جاتا ہے۔

بیسویں صدی میں 18 کروڑ کے لگ بھگ انسان جنگوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔اقوام متحدہ وجود میں آئی بھی تو خونریزی نہ روک سکی۔اب تو امریکا نے کسی آزاد ملک پر حملہ آور ہونے کیلئے جھوٹے سچے پرمٹ کی روایت بھی ختم کر دی ہے اور "حفظِ ماتقدم" کا نیا فلسفہ تخلیق کیا ہے، گزشتہ صدی کے اختتام پر جولائی 1998ء میں اقوام متحدہ کے 120 رکن ممالک ہیگ میں جمع ہوئے۔انہوں نے جینوا کنونشن کے ضابطوں کو زیادہ مؤثر بنانے کیلئے اور جنگی جرائم کے مرتکب فوجیوں کو سزا دینے کیلئے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ نئے چارٹر کی منظوری دی۔اس عدالت کو عملاً وجود میں آئے ہوئے 22 سال ہونے کو ہیں لیکن امریکا کی بدمستیاں جاری ہیں۔اس نے اس عدالت کے خلاف سب سے زیادہ واویلا کیا اور کہا "ہماری فوج تو دنیا کے ایک سو ممالک میں موجود ہے، ہمیں سیاسی وجوہ کی بناء پر اس عدالت میں گھسیٹا جاتا رہے گا"۔

عالمی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کیلئے صدر کلنٹن نے جاتے جاتے اس چارٹر پر دستخط تو کر دیئے لیکن قصر سفید میں قدم رکھتے ہی بش نے اپنے فرعونی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی توثیق سے انکار کر دیا اور اوباما کے بعد ٹرمپ بھی انہی کی پالیسی پر کاربند ہیں۔اس عدالت کو غیر مؤثر بنانے کیلئے امریکا نے دنیا کے 89 ممالک سے معاہدہ کر لیا ہے کہ اگر کوئی امریکی فوجی یا سویلین انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور جنگی جرائم میں ملوث پایا گیا تو اسے امریکا کے حوالے کیا جائے گا۔امریکا نے قانون بنا رکھا ہے کہ جو ملک اس نوع کا معاہدہ کرنے سے انکاری ہو، اس کی امداد روکی جا سکتی ہے ۔احتیاط مزید کے طور پر امریکا نے 2002ء میں سلامتی کونسل کی ایک قرارداد کے ذریعے اپنے آپ کو ایک سال کیلئے اس عدالت سے مستثنیٰ قرار دلوایا، جولائی 2003ء میں اس میں مزید ایک سال کی توسیع کر دی گئی اور اس کے بعد اب تک ہر سال امریکا استثنیٰ کا حق دار ٹھہرتا ہے۔
ادھر امریکا کا لے پالک اسرائیل اور اب سفاک ہندو مودی جس بربریت کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں، ماسوائے ترکی اور ملائشیا کے کسی بھی مسلمان ملک کو یہ توفیق تک نہیں ہو رہی کہ متحد ہو کر اقوام متحدہ کا اجلاس بلا کر مسلمانوں کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے ان ظالموں کو اس ظلم سے باز رکھ سکیں بلکہ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ خود کئی مسلمان ملکوں نے ان کا ساتھ دیا ہے۔میرا رب اور کتنی دیر ان ظالموں کی رسی دراز کرتا بالآخر ایک ان دیکھے جرثومے نے ایسا جھٹکا دیا ہے کہ اب ان کے ہاں سے بھی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی ہیں کہ نئے عمرانی معاہدوں کا وقت آن پہنچا ہے جہاں ظلم کا صفایا اور مظلوموں کی دادرسی کے بغیر اس آفت سے نجات ملنا ناممکن ہے۔

بروز سوموار 12 شعبان المعظم 1441ھ 6/اپریل 2020ء

روٹھے رب کو منانے کا طریقہ: توبتہ النصوح

آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ جتنی بڑی گاڑی ہے اسی قدر اس کی نگہداشت کا ساماں موجود! کسی شیڈ کے نیچے یا چھاؤں میں ایک طرف یا کسی پورچ میں۔ ڈرائیور وقفے وقفے سے اسے دیکھتا بھالتا اور کبھی کبھی تھوڑی سی بھی غیر ضروری گرد کو صاف کرتا رہتا ہے۔ اتنے میں بڑا دروازہ کھلتا ہے، ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ چپڑاسی بریف کیس اور صبح کی اخباروں کا بنڈل ہاتھ میں لئے باہر آتا ہے اور اگر کوئی ضروری فائل ہو تو وہ بھی ساتھ ہوتی ہے۔ ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ کا دروازہ کھول کر وہاں یہ سامان انتہائی سلیقے کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ کو زور لگا کر ممکن حد تک آگے کر دیا جاتا ہے تاکہ پچھلی سیٹ کے سامنے کافی جگہ آرام سے ٹانگیں پھیلانے کیلئے میسر آجائے۔ گرمی کا موسم ہو تو صاحب کے آنے سے پہلے ہی گاڑی کا ائر کنڈیشنر چلا دیا جاتا ہے تاکہ دفتر اور گاڑی کے درمیان کا چند گز کے فاصلے کی حدت فوری طور پر کافور ہو جائے حالانکہ گاڑی چوکس حالت میں ممکن حد تک دروازے کے قریب لا کر کھڑی کر دی جاتی ہے۔

صاحب بہادر ایک شان بے نیازی سے برآمد ہوتے ہیں۔ ارد گرد موجود لوگ ایک دم ساکت و جامد ہو جاتے ہیں۔ گفتگو کرنے والا گفتگو بھول جاتا ہے، بے ترتیب یونیفارم والا ٹوپی سیدھی کر لیتا ہے اور سگریٹ پیتا ہوا شخص سگریٹ پھینک دیتا ہے یا پھر کہیں چھپا دیتا ہے۔ پچھلا دروازہ جو ڈرائیور سے دوسری سمت والا ہے اسے کھول کر کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے۔ صاحب بہادر تشریف رکھتے ہیں۔ تمام لوگوں کے ہاتھ فوری طور پر سلام کرنے کیلئے ماتھے کی طرف بڑے ادب کے ساتھ اٹھتے ہیں۔ اشاروں کا منتظر گاڑی کو خراماں نکالتا ہوا منظر سے جب تک غائب نہیں ہو جاتا یہ تمام خادمین وہاں سے ہلنے کی جرأت نہیں کرتے۔ پورا راستہ صاحب بہادر یا تو اخباروں کی ورق گردانی کرتے ہیں، موبائل فون پر کسی کو احکام صادر کر رہے ہوتے ہیں یا پھر بیگم کی فرمائش کو پورا کرنے کا وعدہ وعید ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر وقت بچ جائے تو کسی فائل کی رو گردانی شروع کر دی جاتی ہے۔ اس پورے سفر میں ڈرائیور کی حیثیت ایک پرزے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ کمپنی نے سٹیرنگ، گئیر یا سیٹ کی طرح اسے بھی وہاں فکس کر دیا ہے جسے صرف احکامات سننے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ وہاں روک دو، ادھر لے چلو، میرا انتظار کرو، میں واپس آرہا ہوں۔ مجھے دو تین گھنٹے لگیں گے اور وہ ڈرائیور اپنی سیٹ سے فوری چھلانگ لگا کر باہر نکل کر دروازہ کھولتا ہے اور روبوٹ کی طرح سر ہلا کر یا پھر منہ سے سعادت مندی کے الفاظ نکالتا رہتا ہے۔

یہ منظر آپ کو ہر اس دفتر یا ادارے کے باہر ملے گا جہاں کوئی ایک صاحب اختیار تشریف رکھتا ہے۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری کا کوئی امتیاز نہیں۔ وزیر کا دفتر یا سیکرٹری کا، جرنیل کا ہیڈ کوارٹر یا عدلیہ کی عمارت، کسی پرائیویٹ کمپنی کے دفاتر ہوں یا بینک کی شاندار عمارت، سب جگہ صاحبان طاقت اور والیان حیثیت کیلئے ایک ہی سیٹ مخصوص ہے۔ ان کی گاڑی کہیں پہنچے لوگ وہی دروازہ کھولنے کیلئے لپکتے ہیں۔

میں یہ سب منظر دیکھتا ہوں تو اکثر یہ سوال میرے ذہن میں اٹھتا ہے کہ یہ سب لوگ ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر کیوں نہیں بیٹھتے؟ کیا وہ آرام دہ نہیں؟ کیا وہاں ائر کنڈیشنڈ کی ہوا صحیح نہیں پہنچتی؟ کیا وہاں سے راستہ، ارد گرد کی عمارتیں یا لوگ ٹھیک سے نظر نہیں آتے؟ لیکن ان سب سوالوں کا جواب تو نفی میں ملتا ہے۔ یہ سامنے والی سیٹ زیادہ آرام دہ اور زیادہ ٹھنڈی بھی ہے۔ باہر کا منظر بھی صحیح نظر آتا ہے تو پھر یہ سیٹ خالی کیوں رہتی ہے

یا پھر اس پر سٹاف آفیسر یا پی اے کو کیوں بٹھایا جاتا ہے؟

یہاں کہانی اس نفرت کی ہے۔ یہ داستان اس تکبر کی ہے جس میں ڈرائیور کی حیثیت ایک انسان سے کم ہو کر بادشاہوں کے رتھ اور مہاراجوں کی بڑی بڑی سواریاں چلانے والوں کی ہوا کرتی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ مرتبہ اور مقام رکھنے والی شخصیت ڈرائیور کے برابر میں آ کر بیٹھ جائے اور دیکھنے والے ان دونوں کے درمیان تمیز تک نہ کر سکیں کہ کون افسر ہے اور کون معمولی حیثیت کا ڈرائیور۔ ایک زمانہ ان متکبّر افسران اور وزرأ، جرنیل اور اعلیٰ عہدیداروں پر ایسا آیا کہ ان کو چھوٹی سی سوزوکی پر سفر کرنا پڑا۔ جس کی پچھلی سیٹ انتہائی بے آرام اور کم جگہ والی تھی لیکن تکبر اپنا راستہ خود بناتا ہے اور اس طریقہ کو رائج کرنے والوں کو بے شمار صلواتیں سنانے کے بعد آقا اور مالک کی تمیز کو برقرار رکھنے کے نئے نئے طریقے دریافت کئے گئے۔ اگلی سیٹوں کو مکمل طور پر فولڈ کیا جانے لگا۔

یہ رویہ ان ساری قوموں پر گزرا ہے جنہوں نے انسانوں کو غلام اور محکوم بنانے کے ڈھنگ ایجاد کئے تھے۔ امریکا میں "جم کرو" کے قوانین کے تحت بسوں تک میں کالوں کی سیٹیں گوروں کی سیٹوں سے نہ صرف الگ ساخت کی ہوتی تھیں بلکہ آگے ہوتیں اور اگر کوئی کالا اگلی سیٹ پر بیٹھ جاتا تو اسے گولی سے اڑا دیا جاتا اور اگر کوئی گورا پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتا تو اسے طعنے مار مار کر اس سے ناتا توڑ لیا جاتا۔ لندن کے بازاروں میں آج بھی کالے رنگ کی ٹیکسیوں کا رواج ہے جس میں ڈرائیور کی سیٹ اور سواریوں کے درمیان ایک شیشے کی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے جس کی کھڑکی صرف سواری کھول سکتی ہے تاکہ ڈرائیور کی حیثیت، مرتبہ اور اس سے بات کرنے کا تعین بھی وہی کرے جو پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہے۔ صدیوں تک فرعونوں، شہنشاہوں، آمروں، ڈکٹیٹروں اور ان کے چھوٹے چھوٹے کارپردازوں کی سواریاں بھی ایسی تھیں کہ ان کا عام لوگوں سے کوئی تعلق نہ رہے۔ دھول اڑاتی یہ سواریاں جہاں عوام الناس کا مذاق اڑاتی تھیں وہاں ان سواریوں پر سفر کرنے والے بھی انسانوں کے درمیان تمیز، فرق اور آقا و غلام کے قانون میں بٹے ہوئے تھے۔

تکبر، غرور اور گھٹوں ساتھ چلنے، آرام پہنچانے والے شخص سے کراہت دوری کے اس ماحول میں پتہ نہیں کیوں مجھے اپنا ماضی یاد آ جاتا ہے۔ اسلاف کے وہ معیار آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ روم کے بادشاہوں کی طرح رہن سہن اور لباس پہننے والوں عیسائیوں کے بیت المقدس پر جب پھٹے پرانے کپڑے پہننے والے مسلمانوں نے فتح حاصل کی تو شہر حوالے کرنے کیلئے خلیفہ وقت عمر ابن الخطاب کا انتظار تھا۔ ایک گھوڑا جس کے سم گھس کر بیکار ہو چکے تھے۔ رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ خلیفہ وقت اور فاتح ایران و شام عمر ابن الخطاب اور غلام موجود۔ طے پایا کہ آدھا راستہ غلام سواری کرے گا اور آدھا راستہ خلیفہ وقت۔ بیت المقدس قریب آیا تو باری غلام کی آ گئی اور پھر تاریخ نے انسانی احترام کا ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ غلام گھوڑے پر اور خلیفہ وقت باگ تھامے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ شاہی کرو فر اور لباس پہنے رومی عیسائی بے ساختہ صرف ایک فقرہ بول سکے کہ ایسا ہی شخص عزت کا مستحق ہے اور ایسے ہی شخص کو فتح نصیب ہوا کرتی ہے۔ اس تاریخی فقرے کے بعد بھی اگر کوئی مجھ سے سوال کرتا ہے کہ ہم دنیا میں ذلیل اور رسوا کیوں ہیں، بے آسرا کیوں ہیں؟ تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

چلتے چلتے یہ بھی سنتے جائیں معاملہ تواب بہت ہی سنگین ہو گیا ہے۔اب ہمارے صاحب بہادر کی سواری گزرنے سے پہلے کئی گھنٹے ہر قسم کی ٹریفک روک دی جاتی ہے کئی مریض ایمبولنس میں ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں پھر اس کے بعد گاڑیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ اور وہ بھی بلٹ پروف اور سینکڑوں افراد کی نگرانی میں قافلہ اپنی منزل تک بحفاظت پہنچا کر سکھ کا سانس لیا جاتا ہے لیکن کیا ہمیں اس ان دیکھے جرثومے نے بھی کوئی پیغام دیا ہے جس نے ساری دنیا کے امیر و غریب کو بلا تمیز یکساں خوفزدہ کر دیا ہے بلکہ یہ صاحب لوگوں کی تو جان پر بن آئی ہے۔اللہ کی زمین پر بغاوت کرنے والے کب توبہ کی طرف راغب ہوں گے ؟

یاد رکھیں توبہ انسان کی تجدیدِ نو اور اصلاحِ باطن سے عبارت ہے۔اس کے ذریعے نافرمانی اور غلط تصرفات کے نتیجے میں دل کے بگڑے ہوئے توازن کو بحال کیا جاتا ہے۔یہ حق کی طرف پیش رفت ہے بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں یہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے اس کے لطف و کرم اور اس کی بازپرس سے اس کی رحمت و عنایت کی طرف پیش قدمی ہے۔توبہ کی تعریف تو یہ ہے کہ یہ گناہ کے احساس کے نتیجے میں انسان کی خود احتسابی سے عبارت ہے۔ دوسرے لفظوں میں غیر ذمہ دارانہ اور متکبرانہ طور پر زندگی بسر کرنے سے انکار کر کے نفس کے سامنے ڈٹ جانے، کبیرہ گناہوں سے بچنے اور ان کے ارتکاب کا خیال بھی دل میں نہ آنے دینے کا نام توبہ ہے۔

ہم نے جھوٹ، کرپشن، گناہ خود احتسابی سے غفلت برتنے کے نتیجے میں روح اور وجدان کو گہرے زخموں سے دوچار کر رکھا ہے اور تکبر کی وجہ سے اللہ کے بندوں کو اللہ کی اس زمین پر غلام بنا رکھا ہے اور گناہ کے اس مرض سے توبہ کرنے کو تیار نہیں۔

حضرت شبلی نے ایک حکیم سے کہا:

مجھے گناہوں کا مرض ہے اگر اس کی دوا بھی آپ کے پاس ہو تو عنائت کیجئے !

یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور سامنے میدان میں ایک شخص تنکے چننے میں مصروف تھا،اس نے سر اٹھا کر کہا

"جو تجھ سے کو لگاتے ہیں وہ تنکے چنتے ہیں !"

شبلی ! یہاں آؤ میں اس کی دوا دیتا ہوں۔

حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت کے پتے، ادب کی چھال، حُسنِ اخلاق کے بیج، یہ سب لے کر ریاضت کے ہاون دستہ میں کوٹنا شروع کرو اور اشکِ پشیمانی کا عرق ان میں روز ملاتے رہو۔ان سب کو دل کی دیگچی میں بھر کر شوق کے چُولہے پر پکاؤ۔جب پک کر تیار ہو جائے تو صفائے قلب کی صافی میں چھان لینا اور شیریں زبان کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دینا۔جس وقت تیار ہو کر اترے تو اس کو خوفِ خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے باوضو ہو کر استعمال کرنا"۔

حضرت شبلی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ دیوانہ غائب ہو چکا تھا!

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

دکان اپنی بڑھا گئے

توبہ نفس کا سہارا اور باہر جست لگا کر اس گراوٹ سے نجات کا راستہ ہے۔توبہ دردِ دل کا احساس، خود احتسابی اور حواس کو نئی طاقت اور توانائی بہم پہنچانے

سے عبارت ہے۔ گناہ شیطان اور نفسانی خواہشات سے مغلوب ہونے کا نام ہے جبکہ توبہ شیطان سے حواس کی حفاظت کر کے اعتدال کو بحال کرنے اور روح کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے سے عبارت ہے۔

ایک لونڈی محل کی صفائی ستھرائی پر مامور تھی۔ ایک دن بادشاہ کی خوابگاہ میں اس کی ڈیوٹی تھی۔ بادشاہ کی مسہری دیکھ کر اس کی آنکھیں چندھیا گئی۔ اس نے ایسا اپنے تصور میں بھی نہ دیکھا تھا۔ سب کی آنکھ بچا کر اس نے مسہری کے نرم و گداز کو جب چھوا تو اس کی خواہش لیٹنے کیلئے مچل گئی۔ اس نے سوچا کوئی دیکھ بھی نہیں رہا کیوں نہ چند لمحوں کیلئے اس پر لیٹ کر اپنی خواہش پوری کر لوں۔ ایسے نرم و گداز بستر پر لیٹتے ہی اس بے چاری کی آنکھ لگ گئی۔ بد قسمتی سے بادشاہ کا وہاں سے گزر ہوا تو ایک معمولی لونڈی کو اپنے بستر پر دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ فوری طور پر اس کو زندہ جلانے کا حکم دے دیا۔ ایک بہت بڑے الاؤ کے سامنے جب اس کو لایا گیا تو بادشاہ نے روایت کے مطابق اس کی آخری خواہش پوچھی۔ اس لونڈی نے اس مجمع کی طرف دیکھ کر کہا کہ مجھے اس بادشاہ سے تو کچھ نہیں کہنا لیکن اے لوگو! میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اس مسہری پر چند لمحے کی نیند کی اگر اتنی بڑی سزا ہے کہ مجھے زندہ اس آگ کے الاؤ میں جلانے کی سزا ملی ہے تو ان لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو ساری عمر ایسے نرم و گرم گداز بستر میں گہری نیند کے مزے لیتے ہیں؟

اس سوز و درد میں ڈوبی ہوئی آواز نے اس بادشاہ کے ہوش اڑا دیئے۔ اس نے فوری طور پر اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ تخت و تاج اور بادشاہت چھوڑ کر اللہ سے لو لگائی۔ ساری عمر غریبوں اور مسکینوں کی خدمت میں گزار دی اور آج دنیا اس کو بڑے احترام کے ساتھ حضرت ابراہیم ادہم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کیا آج کے حکمران اور ہمارے اشراف کیلئے اس میں کوئی سبق پنہاں ہے؟؟؟
اب تو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہم دنیا میں ذلیل اور رسوا کیوں ہیں، بے آسرا کیوں ہیں!

اگر ہم دنیا و آخرت کی رسوائیوں بچنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ توبۃ النصوح کے ساتھ اپنے روٹھے ہوئے رب کو منانے کیلئے اللہ کے بندوں کو، بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دینے کیلئے زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنے کا اعلان کر دیں و گرنہ عالمی بینک، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ایف اے ٹی ایف کی غلامی کے ساتھ ساتھ وبائی امراض سے ہماری جان چھوٹ نہ پائے گی۔

بروز منگل 13 شعبان المعظم 1441ھ 7/اپریل 2020ء

بد دعا

کہاں ہیں وہ سیاسی پنڈت، عالمی مخبر، بین البراعظمی تجزیہ نگار اور مقامی دانشور جو وحشت ناک موسموں کی داستانیں بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے اور روزانہ اپنے خوفناک پروپیگنڈے سے لبریز زبان سے شعلے اگلتے رہتے تھے۔ صرف چند سال قبل دنیا کے کسی بڑے اخبار یا رسالے کو اٹھالیں، کسی عالمی حالات حاضرہ کے ماہر کا مضمون پڑھ لیں یا پھر کسی ملکی تجزیہ نگار کی گفتگو ملاحظہ کریں، یہ سب ایک آنے والے خوف اور گھروں پر دستک دینے والی آفت کی نشاندہی کرتے نہیں تھکتے تھے۔ نیٹو افواج کا پاکستان میں گھسنے کا پروگرام، مشرقی سرحد پر انڈیا کی گولہ باری، بلوچستان میں دونوں اطراف سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مداخلت، کراچی کو جناح پور کا نام دیکر نیا بانگ کانگ بنانے کا خواب، فاٹا اور ملحقہ علاقوں کو عملاً نو گوایریا اور سوات اور مالاکنڈ پر قبضے کے بعد اسلام آباد پر یلغار کا خواب اور باقی ملک کے کئی حصوں میں دہشتگردی اور خودکش حملوں کا عذاب، این آر او کے نام پر نام نہاد سیاسی سیٹ اپ اور پھر ملکی دولت کی بے دریغ لوٹ کھسوٹ نے مملکت خداداد کی چولیں تک ہلا کر رکھ دیں تھیں۔ وہ جو کل تک اس مملکت خداداد پاکستان کے مطلق العنان حکمرانوں کو امریکا کا ساتھ دینے پر شاباش دیا کرتے تھے ان کی دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پالیسیوں کو سراہا کرتے تھے، آج ان کی زبانیں نہ صرف گنگ ہو گئیں بلکہ افغان امن معاہدہ میں ہمارے کردار کے محتاج بن گئے اور ضربِ عضب کے بعد ردّالفساد نے تو کایا ہی پلٹ دی ہے"۔

یہ سیاسی پشین گوئیاں کوئی آج شروع نہیں ہوئیں۔ مغرب کو دیکھا جائے تو مدتوں بڑے بڑے انسٹیوٹ اور تھنک ٹینک حکومتی پیسوں اور خصوصی مالی امداد سے میرے ملک کے مستقبل کے بارے میں اپنی ترجیحات بناتے رہے، منصوبہ بندیاں کرتے رہے اور موٹی موٹی رپورٹیں مرتب کرتے رہے۔ کوئی 2020ء، کوئی 2015ء اور کوئی 2010ء تک اس نازک اندام مملکت کا مستقبل دیکھتا رہا تو کسی نے خوبصورت نقشوں میں رنگ بھر کر اس ملک کا جغرافیہ مرتب کیا۔ اسے نقشے پر اپنی مرضی سے ایسے تقسیم کیا جیسے سالگرہ کا کیک کاٹا جاتا ہے۔ اپنے منصوبہ کو اپنی خواہشوں اور اپنے خوابوں کو عمل کی صورت دینے کا وقت آیا تو جوان منصوبوں اور سکرپٹ میں مرکزی کردار تھے انہوں نے ریہرسل کے طور پر اپنی اپنی لائنیں دہرانا شروع کر دیں۔ کسی نے جغرافیہ تبدیل ہونے کی دھمکی دی، تو کسی نے اس دھمکی پر اپنی جوابی تقریر میں کھل کر داد دی لیکن وہ جنہیں آنے والے دنوں کی سنگینی کا اندازہ تھا ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ان کی راتیں اضطراب اور دن بے چینی سے گزر رہے تھے، جو تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور سربسجود اپنے شہداء کے خون کا واسطہ دیکر ملک کی سلامتی کیلئے گڑگڑا رہے تھے، وہ اب بھی اپنے رب سے مناجات میں مصروف ہیں!

لیکن وہ کہ جن کے بارے میں میرے رسول مخبر صادق ﷺ نے کہا تھا کہ "مومن کی فراست سے ڈرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھ رہا ہوتا ہے" انہوں نے سالوں پہلے اس سانحے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن انہیں ایک بات کا یقین تھا کہ سب کچھ ہماری بہتری کیلئے ہونے والا ہے لیکن زندگی سے محبت اور موت کا خوف رکھنے والے مجھ پر ٹوٹ پڑے جب میں نے اس مردِ درویش کی بات کھول دی لیکن کیا کوئی سید الانبیا ﷺ کی اس حدیث کو جھٹلا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ایسا ہو گا کہ دنیا کی قومیں تم سے لڑنے کیلئے اکٹھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے کو ایسے بلائیں گی جیسا بھوکے ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے ہیں"۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ اس لئے ہو گا کہ ہم تعداد میں کم ہوں گے اور دشمن زیادہ؟ فرمایا "نہیں، مسلمان تو اس وقت بہت ہوں گے مگر ایسے ہو جائیں گے جیسے دریا کے بہاؤ پر پڑا ہوا کوڑا کرکٹ، دریا جدھر بہتا ہے ادھر ہی بہہ جائے، تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری

ہیبت نکل جائے گی اور تم "وہن" کا شکار ہو جاؤ گے"۔ کسی نے پوچھا کہ "وہن" کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دنیا کا عشق اور راہ حق میں موت کو ناخوش جاننا اور اس سے بھاگنا"۔

میرے رسول مخبر صادق ﷺ کی صداقت پر ایمان کی حد تک یقین کرنے والے جانتے ہیں کہ ہم اس بیماری کا شکار ہیں۔ وہ خوف جس سے ہم نائن الیون کے موقع پر اپنی غیرت، حمیت، وقار اور عزت و ناموس بیچ کر نکلے تھے کہ ہمارا تورا بورا نہ بن جائے، ہم نے ان کی خوشنودی کیلئے کتنے بے گناہوں کا خون بہایا، ہمیں شاید یاد تک نہ ہو؟ لیکن وہ تو اس وقت بھی بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہم پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ رکھتے تھے، اپنے مضمونوں میں، اپنی رپورٹوں اور تبصروں میں ہمارا مقدمہ کھول کھول کر بیان کرتے پھرتے تھے کہ اسی سرزمیں سے 75 ہزار پروازیں ہوئیں اور افغانستان کے بے گناہ اور مظلوموں کے جسموں کے پرخچے اڑا دیئے گئے۔ چھ سو سے زیادہ "خطرناک افراد پکڑ کر دشمنوں کے حوالے کئے گئے لیکن اس ساری مہلت میں جو میرے ملک پر گزری اس کی داستان کوئی بیان نہیں کرتا؟

واناوزیرستان سے لیکر سوات تک اور کراچی سے لیکر بلوچستان تک گرتی تڑپتی لاشوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا؟ لاکھوں بے گناہ بے گھر قبائلیوں کا کوئی ذکر کسی انسانی حقوق کی رپورٹ میں موجود نہیں۔ وہ جو اپنی جان سے گئے، بے گھر ہوئے، دربدر ہوئے، وہ جن کے گھر بموں کی زد میں رہے، جن کے پیارے لاپتہ ہو گئے، وہ ڈومہ ڈولہ کے مدرسہ میں قرآن پڑھنے والے معصوم اور بیشتر یتیم بچے جن کا تورا بورا بنا دیا گیا، ان کیلئے کسی مغربی انسانی حقوق کی تنظیموں کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی، ان کیلئے امریکی افواج بھی آجاتیں تو اس سے زیادہ کیا برا کرتیں لیکن اب تو ان ظالموں کی مہلت ختم ہوا چاہتی ہے جو ان چند برسوں سے اس بات پر خوش تھے کہ ہماری دانشمندی نے ہمارے مال اسباب، شان و شوکت اور عیش و عشرت کو بچا لیا لیکن ضربِ عضب کے بعد اب موت کا خوف اور زندگی سے محبت انہیں چین سے جینے نہیں دے رہی لیکن صاحبان نظر مطمئن ہیں کہ انہیں علم ہے کہ اس قوم کے دل سے موت کا خوف نکالنا اور راہ حق میں جان دینے کی محبت ہی ان کا علاج ہے۔

آج سے چند سال پہلے کوئی کہتا کہ ہم کمزور ہیں، امریکا طاقتور ہے تو میں یقین کر لیتا لیکن میرے اللہ پر یقین اور موت سے محبت کی ایک داستان اس وقت رقم ہوئی جس نے سیاسی اور جنگی پنڈتوں کے تمام اندازے ملیامیٹ کر دیئے جب قصر سفید کے فرعون نے اپنے تمام ظالمانہ ہتھیار استعمال کرنے کے بعد افغانستان سے بوریا بستر لپیٹنے کا عندیہ دیا۔ نیٹو کی مکمل حمائت و طاقت اور مدد کے باوجود ذلت آمیز شکست مقدر بن گئی۔ رسوائیاں سمیٹنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا اور اب دوہا معاہدہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ کس طرح اس کمبل سے جان چھڑائی جائے۔

کیسے مان لیا جائے کہ خود قصر سفید کا فرعون کشمیر میں ثالثی کی بات کرے اور اس کے بعد سفاک ہندو غیر قانونی طور پر کشمیر کی حیثیت بدل کر لاک ڈاؤن

کا اعلان کر دے جو آٹھ مہینے سے جاری ہے۔ بالآخر دہلی کا ایک سینئر صحافی اروند مشرا چیخ اٹھا کہ یہ ساری دنیا کا لاک ڈاؤن تو نفیسہ نامی کشمیری بچی کی وہ بد دعا ہے جس اس نے تمام صحافیوں کے سامنے دہرائی تھی۔ میرے کانوں میں نفیسہ کے وہ شبد (الفاظ) آج بھی گونج رہے ہیں:

"اے اللہ جو ہم پر گزر رہی ہے کسی پر نہ گزرے بس مولا تو کچھ ایسا اور اتنا کر دینا کہ پوری دنیا کچھ دنوں کے لیے اپنے گھروں میں قید ہونے پر مجبور ہو جائے ،سب کچھ بند ہو جائے، رک جائے! شاید دنیا کو یہ احساس ہو سکے کہ ہم کیسے جی رہے ہیں! اروند بھائی آپ دیکھنا میری دعا بہت جلد قبول ہو گی"۔

دراصل صاحبان نظر مطمئن ہیں کہ اس قوم سے موت کا خوف اترنے کے دن آرہے ہیں اور جنہیں زندگی سے محبت ہے ان کا انجام بھی قریب۔ جب ایسا وقت اور ایسی کیفیت کسی قوم پر اترتی ہے تو وہ بڑی سے بڑی عالمی طاغوتی طاقتوں کا قبرستان بن جاتی ہے۔ میرے رسول اکرم محمد ﷺ کو اسی لئے تو اس خطے سے ٹھنڈی ہوا آیا کرتی تھی۔ سجنو! میرے اللہ کی طاقتوں کا کوئی شریک نہیں۔ ایک یقین کی تو بات ہے جو بھی بڑھ کر اس یقین کی لاٹھی کو پکڑ لے اسی کیلئے عصائے کلیمی ہے۔

خلقِ خدا ہے اور تقاضائے مصلحت
سب جانتے ہیں اور کسی کو خبر نہیں

بروز جمعرات 15 شعبان المعظم 1441ھ 9/اپریل 2020ء

قیامت سے پہلے قیامت

آج سے 72 برس پیشتر امریکی جریدے ''لائف''(LIFE) کے جنوری 1948ء کے شمارے میں شائع بانی پاکستان قائداعظم نے امریکی صحافی مارگریٹ بورک وائٹ کو انٹرویو میں یہ پیش گوئی کردی تھی: ''پاکستان دنیا میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کا محل وقوع ایسے مقام پر ہے جہاں دنیا کے مستقبل کا انحصار ہوگا''۔ ہر گزرتا دن یہ ثابت کررہا ہے کہ قائداعظم کی بات درست تھی۔

یوں تو ان دنوں عالمی طور پر کرونا نے ایسی دہشت پھیلادی ہے کہ مغرب وامریکا جیسے مضبوط ممالک بھی معاشی بدحالی کا بھی نشانہ بن رہے ہیں اور بیک وقت کئی محاذ کھل گئے ہیں۔ جب تمام معاملات جڑے ہوں تب کسی ایک چیز کے خراب ہونے پر دوسری بہت سی چیزوں کا خراب ہوجانا بھی فطری امر ہے۔ اس وقت یہی ہورہا ہے۔ امریکا اور یورپ مل کر جو کچھ کرتے ہیں وہ کئی ممالک ہی نہیں بلکہ خطوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ ان دنوں امریکا اور یورپ کیلئے بہت کچھ تبدیل ہورہا ہے۔ تبدیلیاں تو خیر پوری دنیا میں آرہی ہیں مگر امریکا و یورپ کیلئے یہ معاملہ بہت ہی اہم ہے کہ کرونا کی وجہ سے عالمی سیاست و معیشت کا مرکز اب ایشیا کی طرف منتقل ہورہا ہے۔ چین، جاپان، روس اور ترکی کی معیشت غیر معمولی رفتار سے مستحکم ہورہی ہیں۔ جنوبی کوریا اور ملائیشیا وغیرہ کا استحکام بھی اس معاملے میں روشن مثال کا درجہ رکھتا ہے۔ امریکا چاہتا ہے کہ عالمی سیاست و معیشت میں اس کی فیصلہ کن حیثیت برقرار رہے۔ واحد سپر پاور ہونے کے ناطے امریکا کے ساتھ یورپ نے بھی تین عشروں کے دوران بھرپور فائدہ اٹھایا ہے مگر اب یہ دَور رخصت ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ امریکا اور یورپ نے مل کر دنیا کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی جو بھرپور کوشش کی ہے، وہ ناکام ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔

تین عشروں کے دوران چین تیزی سے ابھرا ہے، جس نے امریکا اور یورپ دونوں ہی کیلئے خطرے کی گھنٹی بجائی ہے۔ چینی معیشت کا فروغ تیز رفتار رہا ہے۔ چین خود بہت بڑی مارکیٹ ہے، اس لیے بہت بڑے پیمانے پر پیداواری عمل اس کیلئے ہر اعتبار سے موزوں اور سود مند ہے۔ امریکا اور یورپی ممالک اس معاملے میں اس کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔ امریکا نے محسوس کرلیا ہے کہ یورپ اپنی راہ بدل رہا ہے اور ہر معاملے میں اس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ یورپ وہی کررہا ہے، جو عقل کا تقاضا ہے۔ یورپ کی بیشتر قوتیں افریقا اور ایشیا کے حوالے سے اپنی پالیسیاں تبدیل کرچکی ہیں۔ وہ اب سافٹ پاور پر یقین رکھتی ہیں۔ انہیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ ہر معاملے کو ہارڈ پاور کے ذریعے درست کرنا نہ صرف یہ کہ ممکن نہیں بلکہ بہت سی خرابیوں کی راہ بھی ہموار کرتا ہے۔

چار پانچ سال کے دوران چین نے باقی دنیا سے اپنا معاشی رابطہ بہتر بنانے کی بھرپور تیاری کی اور اس حوالے سے بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ تیار کیا۔ انہی خطوط پر چین نے پاکستان کے ساتھ مل کر سی پیک شروع کیا۔ یہ منصوبہ سنکیانگ سے بحیرہ عرب تک صرف ہائی وے نہیں بلکہ میگا پروجیکٹس پر مشتمل ایک سلسلہ ہے جس کے ذریعے پاکستان بین الاقوامی تعلقات میں اپنی غیر متحرک حیثیت کو تبدیل کرکے تیزی سے بدلتے عالمی نظام میں اہم مقام حاصل

کرلے گا۔اس مرکزی راہداری کے "یوریشیا" یورپ اور ایشیا کے جڑنے کے بعد پاکستان کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے گی جس سے پاکستان کے معاشی امکانات امید افزا ہیں۔

سی پیک (CPEC) بیجنگ کے وژن 'ایک خطہ ایک سڑک'' کا منصوبہ ہے،اس کی مدد سے عوامی جمہوریہ چین کیلئے بحیرہ جنوبی چین اور آبنائے ملاکا کے بحری راستے سے گریز کرتے ہوئے مشرق وسطیٰ اور افریقا تک رسائی کا قابل اعتبار راستہ ممکن ہو سکا ہے۔ساتھ ساتھ چین کی معیشت کیلئے توانائی کے ذرائع اور چینی مصنوعات کیلئے بڑی منڈی بھی حاصل ہوئی ہے۔''ایک خطہ ایک سڑک منصوبہ'' عالمی تجارتی راستوں کا رخ مغرب سے مشرق کی جانب موڑ رہا ہے اور اس
کے ساتھ ہی کثیر قطبی عالمی نظام کی بنیاد رکھ رہا ہے۔سی پیک میں پاکستان کے اہم کردار کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چین کا یہ شراکت دار مستقبل
کیلئے بیجنگ کے عالمی منظر نامے کا لازمی جُز ہے۔اس سے پاکستان کی مرکزی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن معاملہ یہاں تک محدود نہیں۔اسی وجہ سے پاکستان نے
بارہا عالمی برادری کو متوجہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دے اور پاکستان کی متوقع پیداواری صلاحیت سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع نہ گنوائے۔

ادھر عمران خان نے وزیر اعظم کا منصب سنبھالتے ہی یوٹرن لیتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ آئی ایم ایف سے بیل آؤٹ پیکیج لیے بغیر بات نہیں بنے گی کیونکہ قومی خزانے میں کچھ نہیں۔امریکا کو اسی موقع کی تلاش تھی اور وہ آئی ایم ایف کے ذریعے پاکستان پر ایسی شرائط نافذ کرانے کی ساش میں مصروف ہے کہ جنہیں پورا کرنے میں اس کی ساری ترقی ڈھیر ہو جائے۔امریکا چاہتا ہے کہ سی پی میں غیر معمولی تبدیلیوں کی راہ ہموار کی جائے۔اسی لئے وہ پاکستانیوں کو باور کرانے کیلئے پچھلے ڈھائی سال سے مسلسل یہ راگ الاپ رہا ہے کہ سی پیک کی تکمیل سے پاکستان عملاً چین کا غلام ہو جائے گا۔چین نے کئی ممالک کو قرضوں کے جال میں جکڑ لیا ہے اور اب پاکستان کو بھی قرضوں کے شکنجے میں کسنا چاہتا ہے۔امریکا کے علاوہ یورپ کے میڈیا آؤٹ لیٹس بھی سی پیک کے حوالے سے تحفظات پھیلانے میں پیش پیش ہیں۔چین نے بارہا وضاحت کی ہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں۔

15/اکتوبر 2018ء کو چینی وزارتِ خارجہ کے ترجمان لو کانگ نے میڈیا کو بریفنگ کے دوران بتایا تھا کہ چین آئی ایم ایف کی جانب سے پاکستان کو بیل آؤٹ پیکیج دیے جانے کے حوالے سے سی پیک اور دیگر امور کا جائزہ لینے کا حامی ہے۔پاکستان کو قرضوں کا پیکیج دینے سے قبل بہتر ہے کہ سی پیک اور پاکستانی قرضوں کا بھرپور جائزہ لیا جائے،تاہم یہ سب کچھ حقیقت پسندی کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ پاک چین تعلقات کو نقصان نہ پہنچے۔سی پیک دو ممالک کے درمیان طویل مشاورت کے بعد طے پانے والا معاہدہ ہے جسے آسانی سے ختم یا تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔اس میں کسی بھی بڑی تبدیلی غیر معمولی دانش مندی کا مظاہرہ ہوگا۔چینی دفتر خارجہ کی بریفنگ اس بات کی مظہر تھی کہ چین سی پیک کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔پاکستان کیلئے بھی بہت مشکل مرحلہ تھا۔ایک طرف اسے آئی ایم ایف سے بیل آؤٹ پیکیج بھی لینا تھا اور دوسری طرف چین سے اپنے خصوصی تعلق کو بھی سنبھال رکھنا ہے۔یہ گویا دودھاری تلوار سے بچنے کا معاملہ تھا۔امریکا چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر چین اور پاکستان کے تعلقات زیادہ بارآور ثابت نہ ہوں اور دونوں

ممالک مل کر روس اور ترکی کے اشتراک سے ایشیا کو عالمی سیاست و معیشت کا مرکز بنانے میں ناکام ہو جائیں۔اس کیلئے اب بھی امریکا جو کچھ کر سکتا ہے وہ کر رہا ہے۔ایسے میں پاکستان کو ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرنے کیلئے کسی بھی ملک کے دباؤ کو ایک خاص حد تک ہی برداشت کر سکتا ہے۔

پاکستان کے اُمید افزا اقتصادی امکانات، عالمی برادری سے روابط کی صلاحیتوں، بے مثل جیواسٹریٹجک محل وقوع کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ معیاری فوج اور دہائیوں پر مبنی تجربہ کار سفارت کاری نے جنوبی ایشیا کے اس ملک کو اکیسویں صدی کی عالمی توجہ کی حامل ریاست بنا دیا ہے۔اہل بصیرت کیلئے یہ حیران کن بات ہو گی کہ 21ویں صدی میں دنیا کی توجہ کا مرکز چین، امریکا یا روس نہیں پاکستان ہو گا۔افسوسناک امر یہ ہے کہ امریکا اور بھارت نے کئی دہائیوں پر محیط سائبر وار کے ذریعے عالمی سطح پر پاکستان کی ساکھ کو نقصان پہنچایا لیکن جنوبی ایشیا کی اس ریاست کی جیواسٹریٹجک اور داخلی صلاحیتیں اس بات کا مظہر ہیں کہ پاکستان آنے والی صدی کے خدوخال ڈھالنے کی بہترین حالت میں ہے۔اس لیے یہ حیران کن نہیں کہ چین نے اپنے دیرینہ دوست کی قابلیت کا کسی اور ملک سے پہلے ادراک کیا اور اب دوسری عالمی قوتوں جیسے روس نے بھی پاکستان کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے۔

اس طرح پاکستان عالمی منظر نامے پر تزویراتی اہمیت کا حامل ملک بنتا جا رہا ہے۔اس میں کچھ تعجب نہیں کہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات جیسے بڑے سرمایہ کار ملک اپنے حریفوں سے پہلے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے میدان میں آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ
مسابقت کے اس دور میں وہ عالمی منڈی میں اپنے قدم جما لیں کیونکہ پاکستان ان کی
معیشتوں اور چین کے درمیان مختصر ترین تجارتی راہداری بن گیا ہے۔یہی نہیں، پاکستان
سی پیک کو شمال، مغرب اور جنوب میں وسعت دیکر خود کو وسط ایشیا، روس، مغربی ایشیا (ایران، ترکی) اور افریقا سے جوڑ رہا ہے، جو تہذیبوں کے ارتکاز کا سبب بن سکتا ہے اور ساتھ ہی دنیا کے مشرقی حصے کیلئے ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' پر مبنی امریکی پولیٹکل سائنس دان (Samuel Huntington) سیموئل ہنٹنگٹن کے نظریے ''تہذیبوں کا تصادم'' کا تریاق یعنی زہر ختم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

سی پیک، تہذیبی اور جغرافیائی روابط کے امکانات کو یقینی بنا کر پاکستان ''یوریشیا'' (یورپ اور ایشیا) کو جوڑنے میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے، اس کیلئے دو فریقوں یعنی ایران، ترکی کے ساتھ چین و روس کے ساتھ اپنے سہ فریقی اتحاد کو ایک پلیٹ فارم پر لانا ہو گا۔عالمی طاقتوں پر مبنی یہ ''گولڈن رنگ'' یوریشیا کے وسط میں قائم ہو گا۔افغانستان سے امریکی انخلا کے بعد اسلام آباد کا کردار اس سلسلے میں بہت معاون اور فیصلہ کن ثابت ہو گا۔پاکستان اس سارے عمل کو کامیابی سے چلانے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔چاہے امریکا اور چین ہوں یا سعودی عرب اور ایران، اسلام آباد سفارت کاری کے ذریعے کئی طاقتوں سے تعلقات میں توازن قائم رکھنے کا کامیاب تجربہ رکھتا ہے اور پاکستان کی بہترین صلاحیتوں کی حامل اور ایٹمی ہتھیاروں سے لیس فوج کے بھی ان ملکوں سے اچھے تعلقات ہیں۔

سادہ سی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان وہ مرکزی ریاست ہے جس پر چین کے مستقبل کے منصوبوں کا انحصار ہے، اسی لیے اِسے نئی سرد جنگ اور 21ویں

صدی میں تیزی سے پروان چڑھتی کثیر قطبی دنیا کا بادشاہ گر بنایا جارہا ہے۔ پاکستان اپنی ذات میں بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جو یوریشیا کی کئی قوتوں کو جوڑنے اور مشرقی کرہ کی مختلف تہذیبوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ قوتیں گولڈن رنگ کے فریم ورک یا سانچے میں منظم ہونے جارہی تھیں کہ کرونا نے ایک عالمی وبا کی صورت میں وقت کی لگام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

کرونا وائرس ساری دنیا میں پھیل چکا ہے. کاروبارِ حیات بند ہو چکا۔ تجارت، تعلیم، مذہبی اجتماعات، سیاحت غرض تمام شعبہ ہائے زندگی انجماد کی حالت میں چلے گئے ہیں۔ پوری دنیا کی سات ارب آبادی شدید ذہنی دباؤ، خوف وہراس میں مبتلا ہے۔ بیماری کی نہ تو علامات واضح ہیں نہ ہی وجوہات، بیماری کا یقینی ٹیسٹ بھی تاحال ممکن نہیں. کم ترقی یافتہ ممالک تو دور، ترقی یافتہ ممالک بھی اس وائرس سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس ساری صورتحال کے تناظر میں یقیناً یہ سوال بہت اہم ہے کہ کیا یہ کرونا وائرس واقعی ایک وبا ہے یا بائیو ٹیرازم کا حصہ ہے؟ یہ طاعون جیسی بیماری قدرتی طور پر پیدا ہوئی ہے یا یہ حیاتیاتی جنگ کا ایک حصہ ہے؟ یہ ایک سانحہ ہے یا باقاعدہ منظم سازش، جس نے صنعتی ترقی سے مستقبل میں بدلتی دنیا کا نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے؟ میڈیا پر مختلف سازشی تھیوریز کے انکشافات نے دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق وائٹ ہاؤس کی ویب سائٹ پر 10 مارچ 2020ء کو فورٹ ڈیٹرک کی معلومات کے حوالے سے ایک پٹیشن جاری کی گئی جس میں کئی ایک مشکوک واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کووڈ-19 امریکا میں سی آئی اے کی حیاتیاتی ہتھیار بنانے والی فورٹ ڈیٹرک لیبارٹری میں تیار کیا گیا تھا۔ معلومات وحقائق سے واقفیت رکھنے والے سائنسدان اور ماہرین کا دعویٰ ہے کہ یہ قدرتی طور پر پھیلنے والا وائرس نہیں بلکہ لیبارٹری سے تیار شدہ ہے اور اس کا مقصد لوگوں میں خوف وہراس کا ماحول پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ چند بڑی یورپین طاقتوں کے عالمی، سیاسی واقتصادی ایجنڈا کو پورا کرنا ہے۔ یہ ایک انتہائی شاطرانہ شیطانی منصوبہ ہے جس کے بہت سے حصے اور بہت سے اقدامات ہیں اور یہ کثیر جہتی منصوبہ ہے اور اس پورے منصوبے کا لب لباب "کرس" یہ ہے:

one world government ون ورلڈ گورنمنٹ کا دنیا میں قیام

one world religion ایک ہی مذہب کا دنیا میں نفاذ

one world currency سنگل کرنسی کا دنیا میں نفاذ

اور آخر میں "ون ورلڈ لیڈر" یعنی کرائسٹ دجال کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرانے پر ساری دنیا کا اتفاق:

ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے پلان کو مزید چھوٹے پلانز میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سب سے خطرناک پلان دنیا کی آبادی کو سات ارب سے کم کر کے ایک ارب یا پچاس کروڑ تک لانا ہے اور یہی وہ منصوبہ ہے جس کا جہاں براہِ راست تعلق کرونا وائرس وبا سے ہے وہاں چین اور اس کے ساتھ منسلک تمام منصوبوں کو سبوتاژ کرنا بھی مقصود ہے گویا قیامت سے پہلے قیامت بپا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

بروز ہفتہ 17 شعبان المعظم 1441ھ 11/اپریل 2020ء

"پورا پنڈ نہی سُتا"

ان دیکھے جرثومے کرونا کی دہشت نے دنیا بھر کی ترجیحات کو بدل کر رکھ دیا ہے لیکن سفاک ہندو کی مکاری کا یہ عالم ہے کہ امیت شاہ نے ایک مرتبہ پھر دندناتے ہوئے مقبوضہ کشمیر کی آبادی کا تناسب تبدیل کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور ہمارے ہاں بھی میڈیا کی ترجیحات میں کشمیر آخری نمبر زپر چلا گیا ہے ۔پہلے نمبر پر کرونا کی بجائے ذخیرہ اندوزوں اور شوگر مافیا کے خلاف نام نہاد اعلانات، اسلام آباد میں تبدیلی کی افواہیں اور آخر میں کشمیر کا ذکر۔ تاریخ گواہی دے گی کہ کشمیر میں ماؤں بہنوں کی عزتیں لٹ رہی تھی اور پاکستانی لیڈر اپنے اقتدار کیلئے لڑ رہے تھے۔ شہ رگ کہنے والوں کا بھرم اس دن کھل جائے گا کہ وہ اپنے فائدے اور اقتدار کے حصول کیلئے کشمیر کا تذکرہ کرتے رہے۔ نجانے کیوں پنجابی کا یہ شعر یاد آگیا:

ماڑے دی مر گئی ماں تے کوئی نی لیندا ناں
تگڑے دا مر گیا کتا، غم وچ پورا پنڈ نہی سُتا

ہائے رے انسان! ہر رات موت کی آغوش میں جاتا ہے لیکن پھر بھی موت کو یاد نہیں کرتا۔ کمزوری انسان کو بھولنے کے مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آج امت مسلمہ پر بھی کمزوری کا غلبہ ہے۔ اس لئے اسے نسیان کا مرض لاحق ہے۔ یہ بہت جلد بھول جاتی ہے اپنے دشمنوں کو، دشمنوں کی تباہ کاریوں کو، بربریت اور دہشتگردی کو۔ امت مسلمہ بھول گئی بوسنیا، افغانستان، عراق، لیبیا، صومالیہ، شام، یمن وغیرہ کو دشمنوں نے کس طرح اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ امت مسلمہ بھول گئی تورابورا میں ڈیزی کٹر بم گرائے جانے کو، ادلب، حمص، حلب، رقہ وغیرہ میں دشمنوں کے شہری آبادیوں پر ہزاروں بم برسانے کو۔

امت مسلمہ بھول گئی گوانتاناموبے اور ابوغریب جیل میں مسلمان قیدیوں پر انسانیت کو شرما دینے والے مظالم اور قیدیوں پر کتوں کے کتے چھوڑے جانے کے اُن ویڈیوز کو جو جنسی درندہ صفت دشمنوں نے امت کے ہر فرد کو دکھایا تھا۔ امت مسلمہ اب توکل کی بات بھی بھولنے لگی ہے۔ یہ بھول گئی میانمار میں روہینگائی مسلمان بچوں کے زندہ جلائے جانے کو، عورتوں کی ننگی لاشوں کو اور یہ بھولنے لگی ہے بیت المقدس کو ناپاک یہودیوں کی دارالحکومت قرار دینے کو اور اس کمزور امت کو بھول جانا ہی چاہئے، خوابِ خرگوش میں محو رہنا چاہئے۔

لیکن سال میں ایک یا دو بار اس امت کی یادداشت واپس آجاتی ہے یوم القدس پر سیاست کرنے کیلئے، یوم کشمیر پر سیاست کرنے کیلئے، دو چار ریلیاں نکالنے کیلئے، چند گرما گرم تقاریر کرنے کیلئے، دشمن کو اپنی لفاظی سے للکارنے کیلئے جو نہ اسوۂ رسول ﷺ ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین کا طریقہ ہے اور نہ ہی کبھی کسی مسلمان جرنیل سے اس لفاظی کی جنگ کا ثبوت ملتا ہے۔

دشمن کو لفاظی سے نہیں، جنگی ایکشن اور حکمتِ عملی سے مات کیا جاتا ہے، فلمی ایکشن سے نہیں لیکن اس کمزور امت میں اب اس کی طاقت کہاں، ایسی صلاحیت کہاں، ایسے مرد مومن کہاں جو یہ فریضہ انجام دے؟ ٹکروں میں بٹی نفسانی خواہشوں کی دلدادہ دنیا میں مست، موت سے ڈرنے والی کمزور امت

لفاظی کے سوا کر بھی کیا سکتی ہے؟

لڑتے تو کرتے رہو سیاست، نکالتے رہو ریلیاں، للکارتے رہو دشمنوں کو اور رہو لفاظی کی جنگ یہاں تک کہ دشمن تمہارا نام مٹادے، اللہ تمہیں نابود کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو دین کا وارث بنا کر ان سے اپنے دین کی سربلندی کا کام لے۔ جس طرح ماضی میں تاتاریوں سے لیا تھا۔ اے نسیان زدہ امت! شاید کہ تمہیں کچھ یاد ہو، ماضی میں جب تمہاری روش آج جیسی ہی تھی تب اللہ نے تمہارے دشمن تاتاریوں سے تمہیں خوب تہس نہس کیا، تمہارے خون سے دجلہ اور فرات کو رنگین کیا، تمہاری کھوپڑیوں کے مینار بنوائے اور پھر ان ہی تاتاریوں سے اپنے دین کا کام لیا اور ایسا کرنا اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں ہے بقولِ شاعر مشرقؒ:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ وہ اپنے نافرمانوں کو اسی طرح سزائیں دیتا ہے۔ وہ اپنی دین کی وراثت نافرمان قوم سے چھین کر دوسری قوم کو دے دیتا ہے جو دینِ الٰہی کیلئے اپنا جان و مال قربان کرتی ہے اور دین کو سربلند کرتی ہے۔ اگر موجودہ امت محمدیہ نے اپنی منافقت کی روش نہیں بدلی تو اللہ کیلئے یہ کوئی مشکل نہیں کہ اسے نیست و نابود کر کے اپنے دوسرے بندوں کو اس دین اسلام کا وارث بنادے اور ان سے دین کی سربلندی کا کام لے، قرآن کی متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی وعید ہے:

إِن يَشَأْيُذْهِبْكُمْ أَيُّهَاالنَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا۔(النساء:133)

اے لوگو! اگر وہ (اللہ) چاہے تو تمہیں نابود کر دے اور (تمہاری جگہ) دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر بڑی قدرت والا ہے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ

اور آپ کا رب بے نیاز ہے (بڑی) رحمت والا ہے، اگر چاہے تو تمہیں نابود کر دے اور تمہارے بعد جسے چاہے (تمہارا) جانشین بنادے جیسا کہ اس نے دوسرے لوگوں کی اولاد سے تم کو پیدا فرمایا ہے: (الأنعام:133)

إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۔ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

وہ (اللہ) چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔ ایسا کرنا اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے۔ (ابراھیم 19:20)

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ۔عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں، مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی، ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور کوئی ہم سے بازی لے جانے والا نہیں ہے۔ (المعارج 40:41)

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم

اور اگر تم (حکمِ الٰہی سے) رُوگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ بدل کر دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے (محمد:38)

آج یہ امت انفرادی و اجتماعی طور پر حکمِ الٰہی سے روگردانی کر ہی رہی ہے اور اس کی سزا بھی بھگت رہی ہے لیکن پھر بھی سبق لینے کو تیار نہیں ہے۔

اللہ نے اس موجودہ امت کو ہر طرح کے خزانوں سے نواز کر سو سال کا وقت دیا کہ یہ دین اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کرے لیکن یہ کمزور امت آپس کی تفرقہ بازی سے کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی اور دین کے غلبے کا کام کرنے سے قاصر رہی۔ دین اسلام غالب رہنے کیلئے ہے، مغلوب رہنے کیلئے نہیں پھر ان ہی اور اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا۔ اللہ نے ایک بار ان سے دین کی وراثت چھین کر ان کے دشمن تاتاریوں کو دین کا وارث بنایا تھا اور تاتاریوں سے اپنی دین کی سربلندی کا کام لیا تھا۔ شاید تاریخ پھر کسی تاتاری کے انتظار میں ہے جو موجودہ امت مسلمہ کو سبق سکھائے۔

پھر کوئی شیخ جمال الدین انہیں یہ سبق پڑھائے کہ "جس کے پاس سچا دین نہیں وہ کتے سے بھی بُرا ہے اور کوئی شیخ رشید الدین دشمن کے ایوانوں میں دستک دے اور اسلام و مسلمانوں کے دشمنوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرے اور پھر وہ سب مسلمان ہو کر دین کی سربلندی کیلئے دشمنوں سے قتال کریں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں فتح یاب کرے اور بیت المقدس فتح ہو، کشمیر فتح ہو، ظلم و بربریت کا شکار روہینگا، بوسنیا، افغانستان، عراق، لیبیا، صومالیہ، شام، یمن وغیرہ کے مسلمانوں کی دادرسی ہو، انسانیت کی فلاح ہو اور دین اسلام غالب ہو اور آنے والی نسلیں ایک بار پھر یہ ترانہ گائے:

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

بروز منگل 27 شعبان المعظم 1441ھ 21/اپریل 2020ء

کیا امریکا ٹوٹنے جارہا ہے؟

نائن الیون کے بعد باقاعدہ ایک سازش کے تحت پینٹاگون کے کرنل رالف پیٹر نے خطے کے جاری کردہ نقشے میں پاکستان کے کئی ٹکڑے دکھاتے ہوئے تاریخوں کا تعین بھی کیا لیکن ہر سال اپنی خباثت کو چھپانے کیلئے مختلف توجیہات سامنے لاتا رہا۔ پاکستانی میڈیا میں جب ہر طرف سناٹا تھا تو اس وقت بھی قلمی دلائل کے ساتھ اس کا مفصل جواب دیتا رہا اور آخر میں 28/اگست 2017ء کو میں نے ایک آرٹیکل "کیا امریکا ٹوٹ جائے گا" جب تحریر کیا تو اس وقت چاروں طرف سے کئی جغادریوں نے یورش کر دی اور کئی ایک امریکا کے نمک خواروں نے بھکاری کی خواہش قرار دیتے ہوئے بڑا تمسخر اڑایا لیکن آج خود امریکا کی کئی امیر ریاستوں میں یہ مطالبہ سامنے آنا شروع ہو گیا ہے کہ ہماری ریاستوں کا ٹیکس جنگی جنون کی تکمیل کیلئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی چاہے اس کیلئے یونائیٹڈ سٹیٹ آف امریکا سے چھٹکارہ کیوں نہ حاصل کرنا پڑے گویا سوویت یونین کے طرح امریکا بھی اب ٹکڑے ہونے جا رہا ہے۔

آج سے چند ماہ قبل بھی کیا کوئی سوچ سکتا تھا کہ ایک متکبر شخص جب ننگر ہار پر غیر جوہری بموں کی ماں کے نام سے موسوم سب سے بڑا بم گرا کر دنیا کو یہ کہہ کر ڈرائے گا کہ امریکا جب چاہے اس دنیا کو پانچ منٹ میں خاکستر کر سکتا ہے لیکن میرے رب کی طاقتوں کا نہ دکھائی دینے والا ایک انتہائی چھوٹا جراثیم کرونا وائرس کی شکل میں ایسا وارد ہوا کہ اس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔۔ واحد سپر پاور بھی پریشان ہے۔ پریشان کیسے نہ ہو؟ معیشت کا پہیہ مکمل طور پر رک چکا ہے۔ پیداواری عمل معطل ہے۔ تجارتی سرگرمیاں ایسی ماند ہوئی ہیں کہ امریکی پٹرول پانی سے بھی سستا ہو گیا ہے۔ تعلیمی ادارے بند ہیں۔ صارفین کا اعتماد خطرناک حد تک مجروح ہو چکا ہے۔ اگر کورونا کی وبا جلد ختم نہ ہوئی تو امریکا کے مالیاتی اور زرعی طور پر دیوالیہ ہونے پر ایک ایسے معاشی بحران کو روکنا ممکن نہ ہو گا جو امریکا کے ساتھ ساتھ باقی دنیا کو بھی لپیٹ میں لے اور معاملات کو انتہائی خرابی تک پہنچا دے۔

کورونا نے عالمی معیشت کے بنیادی ڈھانچے کی بہت سی خامیوں اور کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ وبا کے ہاتھوں عالمی معیشت کی مشکلات کئی گنا ہو چکی ہیں۔ اس وبا کے پھیلنے سے قبل ہی امریکا میں یہ خیال عام تھا کہ رواں بجٹ میں کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کا گراف ہزار ارب ڈالر تک پہنچ جائے گا۔ اب یہ اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ امریکا میں کرنٹ اکاؤنٹ کا خسارہ دو ہزار ارب ڈالر کی حد چھُو جائے گا اور دیگر قرضے بھی معیشت پر غیر معمولی بوجھ کی صورت موجود رہیں گے۔

کاروباری سرگرمیاں ماند پڑ چکی ہیں۔ بینکاری نظام بھی ڈھنگ سے کام نہیں کر رہا۔ اس کے نتیجے میں حکومت کو ٹیکس اور ڈیوٹی کی مد میں ہونے والا خسارہ الگ ہے۔ 2008ء کی کساد بازاری میں وفاقی ٹیکسوں کی مد میں امریکی خزانے کو 400/ارب ڈالر سے زیادہ کا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس بار امریکی خزانے کو وفاقی ٹیکسوں کی مد میں اِس سے کہیں زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سماجی بہبود کے کھاتے میں اس بار غیر معمولی رقوم خرچ کرنا پڑیں گی۔ اس کیلئے الگ سے فنڈ مختص کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہی کیونکہ نظام کچھ ایسا ہے کہ ضرورت کے مطابق فنڈنگ خود بخود بڑھ جاتی ہے۔

امریکی بجٹ میں کرنٹ اکاؤنٹ کا خسارہ کتنا رہے گا، اس حوالے سے ماہرین مختلف اندازے قائم کر رہے ہیں۔ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ صورتِ حال انتہائی خطرناک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بجٹ خسارہ چار سے پانچ ہزار ارب ڈالر کا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو امریکی معیشت کو مکمل تباہی سے بچانا انتہائی دشوار ہو گا۔ 2019ء میں امریکا کی خام قومی پیداوار کے حوالے سے تخمینہ 21 ہزار ارب ڈالر تک لگایا گیا تھا۔ تب کورونا وبا کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اب معاملات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ معیشتی سرگرمیاں ماند پڑ چکی ہیں۔ ایسے میں خام قومی پیداوار سے متعلق تخمینوں کا غلط ہو جانا بھی حیرت انگیز نہ ہو گا۔ اب یہ کہا جارہا ہے کہ 2020ء میں 15 فیصد کمی سے امریکا کی خام قومی پیداوار 18 ہزار ارب ڈالر تک رہے گی۔ ایسی صورت میں امریکا کا کرنٹ اکاؤنٹ کا خسارہ خام قومی پیداوار کے 28 فیصد تک جا پہنچے گا۔

بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ اعداد و شمار بھی حتمی نوعیت کے نہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ امریکا کا کرنٹ اکاؤنٹ کا خسارہ اس بار اتنا بڑا ہو گا کہ اُس کے شدید منفی اثرات سے بچنے کیلئے فنڈنگ کا اہتمام تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سود کی شرح میں اضافے کا امکان دکھائی نہیں دیتا اور سچ تو یہ ہے کہ سود کی شرح میں کمی ہی واقع ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب زیادہ منافع کی امید ہی نہ ہو تو سرمایہ کاروں کو کس طور متوجہ کیا جاسکے گا۔ امریکا میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانے پر آمادہ کرنا اب جُوئے شیر لانے کے مترادف ہو گا۔ امریکا میں زیادہ سرمایہ کاری چین اور خلیجی ریاستوں، بالخصوص متحدہ عرب امارات کی ہے۔ چین کو بیرونی طلب میں کمی کا سامنا ہے یعنی برآمدات کا گراف نیچے آرہا ہے۔ دوسری طرف خلیجی ریاستوں کی تیل کی آمدن کا گراف بھی گر رہا ہے۔ ایسے میں امریکی پالیسی سازوں کو سوچنا پڑے گا کہ امریکی معیشت کیلئے توانا رکھنے کیلئے سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ چین اور سعودی عرب دنیا بھر میں سرمایہ کاری کی ری سائیکلنگ کے حوالے سے سب سے اہم عوامل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگر اُن کی طرف سے سرمائے کا بہاؤ متاثر ہوا تو عالمی منڈی میں امریکی ڈالر کی پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ امریکا کو اپنی معیشت کا تیا پانچا روکنے کیلئے کیا کرنا چاہیے۔ اس مرحلے پر امریکا کیلئے وہی آپشن بچا ہے، جو 2008ء کی کساد بازاری کے موقع پر بچا تھا یعنی یہ کہ کسی بھی اور سرمایہ کار کے آگے بڑھنے کا انتظار کیے بغیر امریکا کو اپنے ٹریژری بونڈ خود خریدنا پڑیں گے۔ امریکا کا مرکزی بینک اس حوالے سے کلیدی کردار ادا کرے گا۔

ایسا نہیں ہے کہ امریکا میں صرف کرنٹ اکاؤنٹ کا یا بجٹ خسارہ سر پر کھڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکا میں کارپوریٹ سیکٹر کے قرضوں کا بحران بھی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ یہ قرضے کم و بیش دس ہزار ارب ڈالر کے ہیں جو امریکی معیشت کے مجموعی ٹرن اوور کا 50 فیصد سے بھی زائد ہے۔ معاملات کو مزید خراب کرنے والی حقیقت یہ ہے کہ ان میں بیشتر قرضے نان انویسٹمنٹ گریڈ کی کمپنیوں کے جاری کردہ ہیں اور ان قرضوں کی حیثیت کچرے سے زیادہ کچھ نہیں۔

امریکی معیشت کا پہیہ رک چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں سالمیت بھی متاثر

ہے۔ معیشت مزید خرابی کی طرف جائے گی۔ بہت سے ادارے دیوالیہ ہو جائیں گے۔ یہ سب کچھ امریکی بینکاری نظام کے منہ پر زوردار طمانچہ ہو گا۔ سینڈیکیٹیڈ قرضوں کو ''بونس'' سمجھیے۔ کارپوریٹ بونڈ کے ایک بڑے حصے کا بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق توانائی کے شعبے سے ہے۔ توانائی کا شعبہ بھی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ عالمی پیداوار کے 20 فیصد کے مساوی ''اضافی صلاحیت'' ہے۔

چین کے اپنے مسائل ہیں۔ چینی قیادت نے کچھ عرصے سے اپنے چند بنیادی معیشتی مسائل کو حل کرنے کے بجائے چھپانے کو ترجیح دی ہے۔ یہ حقیقت نظرانداز کر دی گئی ہے کہ کوئی بھی مسئلہ حل کرنے سے حل ہوتا ہے، چھپانے سے ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی اُس کے اثرات میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے۔ یورپی یونین نے معاملات کو سلجھانے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ یورپین سینٹرل بینک (ای سی بی) کے ذریعے کچھ وزن ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جرمنی اور چند دوسرے ارکان ایسا کرنے کے خلاف ہیں۔ کوئی بھی اپنی کرنسی کو داؤ پر لگانے کیلئے تیار نہیں۔ ای سی بی نے حال ہی میں 850 ملین یورو مالیت کے سرکاری اور کارپوریٹ بونڈ خریدنے کا اعلان کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یورپی یونین میں اندرونی سطح پر کس نوعیت کے مسائل پنپ رہے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ واشنگٹن کے قانون ساز ہر حال میں کساد بازاری کو روکنا چاہتے ہیں۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑی غلطی ہو گی۔ کسی بھی معاشی خرابی کو مصنوعی طریقوں سے روکنے کی کوشش مزید مسائل کو پیدا کرنے یا پہلے سے موجود مسائل کو مزید سنگین کر دیا کرتی ہے۔ حکومتی سطح پر چاہے کتنا ہی بڑا بیل آؤٹ پیکیج دیا جائے، معیشتی خرابی کو روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ بیل آؤٹ پیکیج کے نتائج کچھ مدت کے بعد ظاہر ہونے لگتے ہیں اور خرابیاں کھل کر سامنے آنے لگتی ہیں۔

امریکا اور یورپ لاک ڈاؤن کی حالت میں ہیں۔ معاشی سرگرمیاں رکی ہوئی ہیں۔ صنعتی یونٹ بند ہیں اور تجارتی اداروں کو تالا لگا ہوا ہے۔ لوگوں کی نقل و حرکت بھی محدود یا برائے نام ہے۔ کوشش یہ کی جارہی ہے کہ خام قومی پیداوار میں کمی واقع نہ ہو۔ ایسا تو ممکن ہی نہیں۔ جب معیشت کا پہیہ رکا ہوا ہو گا تو خام قومی پیداوار میں کمی لازمی طور پر واقع ہو گی۔ اس کمی کو روکنے کی کوشش کرنے کی بجائے اس بات کی کوشش کی جانی چاہیے کہ یہ کمی عارضی ہو۔ اس وقت کوشش یہ کی جارہی ہے کہ کسی نہ کسی طور کوئی بہت بڑا بیل آؤٹ پیکیج میدان میں لایا جائے۔ کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال پر دولت برسا کر اُس کے اثرات کو محدود رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جب یہ وبا ختم ہو گی اور معیشتی سرگرمیاں بحال ہوں گی تب مکمل بحالی کا عمل غیر معمولی اقدامات کا طالب ہو گا۔

کیا امریکا مالیاتی اور زرعی اعتبار سے دیوالیہ ہو چکا ہے؟ اگر کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والا بحران امریکا کو مالیاتی اور زرعی اعتبار سے دیوالیہ چھوڑ کر رخصت ہوا تو بھرپور معاشی بحران حقیقت بن کر ابھرے گا۔ اس وقت امریکی پالیسی ساز جو کچھ کر رہے ہیں اُسے دیکھتے ہوئے یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ امریکا مالیاتی اور زرعی سطح پر شدید ناکامی سے دوچار ہو گا۔ امریکی پالیسی سازوں کا کہنا ہے کہ دانش کا تقاضا یہ ہے کہ جنہیں مالیاتی امداد کی غیر معمولی ضرورت ہے اُنہیں مدد فراہم کی جائے اور جن کی پوزیشن ذرا بھی بہتر ہے، اُن سے کہا جائے کہ دو ماہ تک خرابی کے اثرات کو کسی نہ کسی طور جھیلیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ معیشت کو کم از کم دو ماہ تک ہولڈ پر رکھا جائے۔ صرف ضرورت مندوں کی مدد کی جائے۔ صحتِ عامہ کے معاملات

پر خاطر خواہ توجہ دی جائے۔

واشنگٹن میں بہت سوں کی رائے یہ ہے کہ اسٹاک مارکیٹ کا کریش کر جانا اصل مسئلہ ہے۔ یہ سوچ غلط ہے۔ معیشت کی کارکردگی کا جائزہ لیتے وقت ٹرمپ اسٹاک مارکیٹ کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ کچھ مدت سے اسٹاک مارکیٹ میں جو کچھ ہوتا رہا ہے اُس کے نتیجے میں اگر عارضی بنیاد پر کوئی بہتری لانے کی کوشش کی گئی یا اسٹاک مارکیٹ کو مصنوعی تنفس فراہم کرنے کی کوشش کی گئی تو معاشی اعتبار سے اعتماد بحال ہونے کی بجائے مزید گرے گا۔ اگر معیشت کو حقیقت میں بحال کرنا ہے، تو اعتماد کی بحالی کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے۔

کسی بھی بڑی بحرانی کیفیت کے شدید منفی اثرات سے نمٹنے کی صلاحیت کے اعتبار سے ٹرمپ انتظامیہ پر عوام کا اعتماد بہت نچلی سطح پر ہے۔ اعتماد کے فقدان کا تعلق صرف مہارت تک یعنی معاشی پالیسی سازوں اور اندرون و بیرون ملک پروفیشنل سرمایہ کاروں تک محدود نہیں۔ اس وقت 50 فیصد سے زائد امریکیوں کا خیال ہے کہ ٹرمپ اس منصب کیلئے موزوں نہیں۔ کورونا سے نمٹنے کے حوالے سے ٹرمپ نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے وہ باقی لوگوں کو چھوڑیے، اُن کے پسندیدہ ''فوکس نیوز'' ٹی وی چینل کو دیکھنے والوں کے اعتماد میں بھی اضافہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ٹرمپ شدید تنقید کے باوجود اب بھی معاملات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے، حقائق کو غلط انداز سے بیان کر رہے ہیں اور پالیسی کے حوالے سے غلطیوں پر غلطیاں کرتے جارہے ہیں۔ اسٹاک مارکیٹ ہی کو سب کچھ گردانے والے صدر کی سوچ کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے امریکی پالیسی سازوں کو معیشت کی تمام خامیوں اور خوبیوں کا جائزہ لیتے ہوئے متوازن اور قابلِ قبول پالیسی ترتیب دینی چاہیے۔ پالیسی سازوں کو یہ بات کسی بھی حال میں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ یہ سب کچھ کسی ریئلٹی ٹی وی کا پروگرام نہیں۔ امریکا کے معاشی اونٹ پر آخری تنکا کچھ یوں سامنے رہا ہے کہ چین، امریکا کے علاوہ دیگر دو ملکوں نے آئندہ تیل کی خرید و فروخت اور اپنی تمام درآمد و برآمد میں ڈالر کو فارغ کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے گویا عالمی تجارت میں ڈالر کے استعمال سے یومیہ ڈھائی سو ملین ڈالر کے کمیشن سے بھی اسے محروم ہونا پڑے گا۔ گویا اس کے بعد یہ پوچھنے کی ضرورت تو آن پڑی ہے کہ کیا امریکا ٹوٹنے جارہا ہے؟

بروز اتوار 3 رمضان الکریم 1441ھ 26/اپریل 2020ء

اگلی عالمی طاقت کون؟

کورونا کے حوالے سے جہاں امریکا اور چین کے درمیان زور آزمائی کا سلسلہ جاری ہے وہاں عالمی ادارۂ صحت بیچ میں پھنس گیا ہے کیونکہ اس عالمگیر وبا کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری اصلاً عالمی ادارۂ صحت کی ہے۔۔ چین نے اقوام متحدہ میں اپنی پوزیشن غیر معمولی حد تک مستحکم کرلی ہے۔ ادھر عالمی ادارۂ صحت کی قیادت اور بالخصوص اس کے سربراہ ٹیڈروس اور اُن کے رفقا پر کورونا کی روک تھام کے حوالے سے خاطر خواہ اقدامات کرنے کے بجائے چین کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کا الزام ہے۔

اس الزام کی بنیاد یہ حقیقت ہے کہ جب ووہان (چین) میں کورونا کی وبا پھیلی تب چینی قیادت کی طرف سے کیے جانے والے اس دعوے کی عالمی ادارۂ صحت نے تائید کی کہ یہ مرض انسان کو انسان سے نہیں لگتا۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف اقوام کی طرف سے چین کے سفر اور چین سے آنے والوں کو قبول کرنے سے انکار سے متعلق پالیسی کی بھی مخالفت کی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ عالمی ادارۂ صحت نے کورونا کو عالمگیر وبا قرار دینے اور اس حوالے سے ہنگامی حالت نافذ کرنے میں بھی تاخیر سے کام لیا۔

اس الزام سے قطعِ نظر یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ چین نے عالمی اداروں میں اپنی پوزیشن غیر معمولی حد تک مستحکم کرلی ہے۔ اب ایک ایسی دنیا ابھر رہی ہے جس میں تمام معاملات چین کے ہاتھ میں ہیں۔ بہت کچھ ہے جو چین کر سکتا ہے اور کر رہا ہے۔ امریکا اور یورپ تمام معاملات میں حتمی نوعیت کے عالمگیر فیصلوں میں چین کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

کسی بھی عالمگیر نوعیت کے بحران سے نمٹنے کیلئے مشترکہ حکمتِ عملی اور اقدامات بھی مشترکہ یا اجتماعی نوعیت کے ہونے چاہییں۔ اس نکتے سے اتفاق سبھی کرتے ہیں مگر عملی سطح پر ایسا کچھ آسانی سے نہیں ہو پاتا۔ ماحول کو تحفظ فراہم کرنے کے حوالے سے بھی یہی معاملہ رہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک سمیت پوری دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا کہ ماحول کو پہنچنے والا نقصان پوری انسانیت کیلئے انتہائی خطرناک ہے مگر جب اقدامات کی بات آتی ہے تو سب اپنے اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ یوں خاطر خواہ اقدامات ممکن نہیں ہو پاتے۔ اس معاملے میں لاگت کا معاملہ بھی مسائل کھڑے کرتا رہا ہے۔ بڑی طاقتوں کے درمیان رسّہ کشی کی کیفیت لاگت کے معاملے کو پریشان کن شکل دیتی رہی ہے۔ امریکا اور چین کے درمیان کشیدگی پائی جاتی رہی ہے۔ کورونا نے معاملات کو مزید بگاڑ دیا ہے۔ امریکا دن رات یہ راگ الاپ رہا ہے کہ چین نے کورونا کی شکل میں دنیا کو ایک بڑے عفریت کے حوالے کر دیا ہے جبکہ چین یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے کہ یہ اُس کی حدود سے باہر نہیں آیا۔

عالمی ادارۂ صحت اور چین کے تعلقات کی نوعیت میں تبدیلی 2003ء میں سارس بحران کے بعد آئی۔ سارس کی وبا پھیلنے پر عالمی ادارۂ صحت نے چین کے حوالے سے ہیلتھ ایڈوائزری جاری کی۔ تب چین نے عالمی ادارۂ صحت کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کیا۔ چین کی کمیونسٹ قیادت نے کسی بھی بحرانی کیفیت کے حوالے سے عالمی ادارۂ صحت کے ساتھ مل کر کام کرنا اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو اعتماد میں لینا شروع کیا۔ بعض مبصرین کے مطابق چین نے عالمی ادارۂ صحت کو غیر معمولی معاونت فراہم کی ہے اور 2017ء میں عالمی ادارۂ صحت کے سربراہ ٹیڈروس کے انتخاب میں چین کی حمایت

نے کلیدی کردار ادا کیا۔اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ چین نے عالمی اداروں میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے پر غیر معمولی توجہ دینے کا جو عمل تین عشرے قبل شروع کیا تھا، وہ اب نتائج پیدا کر رہا ہے۔ چین 1970ء کے عشرے میں یو این سسٹم میں داخل ہوا۔ 1980ء کے عشرے میں اُس نے اپنے آپ کو عالمی حالات کے مطابق ڈھالنے کا عمل شروع کیا اور اب تین عشروں کے بعد خود کو غیر معمولی حد تک مستحکم کر کے ایسی حیثیت کا حامل بنا چکا ہے جو امریکا، یورپ اور اُن کے ہم نواؤں کیلئے انتہائی خطرناک ہے۔

سرد جنگ کے خاتمے پر پاکستان اور افغان کی مدد سے امریکا واحد سپر پاور کے طور پر ابھرا تھا۔ یورپ اس کا ہم نوا تھا۔ کوئی اور ملک یا خطہ اُس کی بالادستی کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اب معاملات بہت تبدیل ہو چکے ہیں۔ کل تک سب کچھ امریکا کی مرضی سے ہو رہا تھا اور یک طرفہ طور پر ہو رہا تھا۔ اب معاملہ یہ ہے کہ بیشتر عالمی معاملات میں چین کو بھی اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔ ''یونی لیٹرل ازم'' کی جگہ ''ملٹی لیٹرل ازم'' نے لے لی ہے یعنی دنیا یک قطبی نہیں رہی بلکہ کثیر قطبی ہوتی جارہی ہے۔

چین کی طاقت میں غیر معمولی اضافے سے سبھی پریشان ہیں۔ مغرب اور بھارت دونوں کیلئے یہ بدلی ہوئی صورتِ حال تشویش کا باعث ہے۔ امریکا اور اس کے اتحادیوں کو امید ہے کہ چین احساسِ ذمہ داری کے حامل اسٹیک ہولڈر کا کردار ادا کرے گا یعنی دنیا کو چلانے کیلئے امریکا اور یورپ کے طے کردہ اصولوں اور نظام سے ہم آہنگ رہتے ہوئے کام کرتا رہے گا۔ چین بھی چاہتا ہے کہ اپنی مرضی کے اصولوں کو دنیا کے سامنے پیش کرے اور دنیا کو اُن اصولوں کے مطابق چلانے کی کوشش کرے۔ چین کی اس خواہش سے اگر کسی کو حیرت ہوگی تو صرف اُنہیں جو واقعی بھولے بادشاہ ہیں۔ 1990ء کے عشرے میں بھارت نے یہ محسوس کیا کہ عالمی معاملات میں امریکا کی بالادستی انتہائی خطرناک ہے۔ اُس نے چین کے ساتھ مل کر کثیر قطبی دنیا یقینی بنانے کی راہ پر سفر شروع کیا۔ چین چاہتا ہے کہ امریکا کو ایک طرف ہٹا کر اقوام متحدہ کے نظام میں کلیدی حیثیت حاصل کرے۔ امریکا اپنی بالادستی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ گزشتہ ماہ امریکا نے اقوام متحدہ کے ایک کم معروف ادارے ورلڈ انٹیلیکچوئل پراپرٹی آرگنائزیشن کی قیادت یقینی بنانے کیلئے چینی امیدوار کے خلاف کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

بھارتی قیادت نے افغانستان میں سوویت یونین کے ٹکڑے ہونے کے فوری بعد امریکا اور مغرب کو یہ تاثر دیا کہ وہ خطے میں چین کے سامنے دیوار بن سکتا ہے کیونکہ مکار ہندو سمجھتا ہے کہ امریکا کی بالادستی کے مقابلے میں چین کی بالادستی کہیں زیادہ مسائل پیدا کرے گی۔ چین ہی تو ہے جو نیوکلیئر سپلائرز گروپ میں بھارت کی رکنیت کے خلاف دیوار بن کر کھڑا ہے۔ عالمی تجارتی منڈیوں کے کامیاب حصول کیلئے پاکستان سے مل کر سی پیک کی تعمیر میں اسے اپنی موت نظر آرہی ہے۔ عالمی مسائل میں پاک چین اشتراک سے ہر کوئی خوفزدہ ہے۔

چین نے یو این سسٹم میں اپنی پوزیشن مضبوط تر کرنے کیلئے جو کچھ کیا ہے، اُس میں اگر ہمارے لیے کوئی سبق ہے تو بس یہ کہ ملٹی لیٹرل ازم بجائے خود کوئی

مقصد نہیں بلکہ اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرنے کیلئے اپنایا جانے والا ایک اہم حربہ ہے۔ چین نے یو این سسٹم کو اپنی کمزوریوں پر قابو پانے کیلئے عمدگی سے استعمال کیا۔ ساڑھے تین عشروں کے دوران چینی قیادت نے یو این سسٹم کے تمام اداروں کو اپنے حق میں اچھی طرح استعمال کرنے کیلئے اب اتنی طاقت حاصل کرلی ہے کہ وہ عالمی نظام کو تبدیل کرنے کی کوشش کررہا ہے اور چاہتا ہے کہ اُصول وہی اپنائے جائیں جو وہ طے کرے۔

بروز منگل 5 رمضان الکریم 1441ھ 28/اپریل 2020ء

کورونا سے بچاؤ ..... مکمل لاک ڈاؤن

دنیا میں 26 لاکھ سے زائد افراد کورونا وائرس سے متاثر ہو چکے ہیں جبکہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ 82 ہزار سے تجاوز کر گئی ہے۔ انڈیا میں ایک دن میں کورونا کے تقریباً ڈیڑھ ہزار مریض سامنے آئے ہیں جبکہ اتر پردیش میں طبّی عملے پر حملہ کرنے والے پانچ افراد میں وائرس کی تشخیص ہو گئی ہے۔ پاکستان میں 22/اپریل 2020ء کو کورونا وائرس کے مریضوں کی تعداد 10520 اور 224 کی اموات ہو چکی ہے جبکہ صحت یاب ہونے والوں کی تعداد 2337 ہے۔ یہ تعداد جنوبی ایشیا کے کسی بھی اور ملک کے مقابلے میں زیادہ نہیں۔ کورونا سے نمٹنے کے حوالے سے ابتدائی مرحلے میں صوبوں نے اپنے طور پر اقدامات تو کئے ہیں لیکن آج ڈاکٹروں کی تنظیم نے عمران خان سے فوری طور پر مکمل لاک ڈاؤن کا مطالبہ کر دیا ہے کہ جزوی لاک ڈاؤن کی وجہ سے مریضوں کی تعداد خطرناک حد سے بھی تین گنا زیادہ تجاوز کر گئی ہے۔ اس وقت صوبوں میں لاک ڈاؤن مختلف درجات میں نافذ ہے جو غیر تسلی بخش ہے۔

ایران سے آنے والے زائرین کو الگ تھلگ رکھنے کے حوالے سے کوتاہی کا ارتکاب کیا گیا۔ وزیر اعظم بھی اس حوالے سے تذبذب کا شکار ہیں۔ سعودی عرب سمیت بیشتر مسلم ممالک نے باجماعت نماز پر جو پابندی عائد کی تھی وہ ماہ رمضان المبارک کی وجہ سے نرم کر دی گئی ہے مگر پاکستان میں اس حوالے سے نیم دلانہ فیصلے کیے گئے ہیں اور وہ بھی خاصی تاخیر سے۔ ایک بنیادی حقیقت یہ بھی ہے کہ پاکستان میں صحتِ عامہ کی وزارت اور نجی اسپتال اس وبا سے نمٹنے کی خاطر خواہ اہلیت کے حامل نہیں۔ غیر معمولی بیماریوں یا وباؤں سے نمٹنے کی صلاحیت پاکستان کے شعبۂ صحت سے متعلق اداروں میں برائے نام ہے۔ کورونا وائرس کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں میں چند ڈاکٹر اور نرسز بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر اور پیرامیڈکس شدید خطرناک حالات میں کام کر رہے ہیں کیونکہ اُنہیں کورونا کے مریضوں کے علاج کے دوران محفوظ رکھنے والا سامان (لباس، کٹ وغیرہ) بھی میسر نہیں۔

پاکستان میں صحتِ عامہ کے حوالے سے بنیادی ڈھانچا چونکہ انتہائی خراب حالت میں ہے اس لیے اگر یہاں کورونا وائرس کی وبا نے زور پکڑا (جس کا شدید خدشہ ظاہر کیا گیا ہے) تو انتہائی سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ سیاسی سطح پر کوتاہیوں کا ارتکاب ہوا ہے۔ فوج نے ہمیشہ کی طرح اپنی مہارت ثابت کی ہے۔ کورونا چین کے شہر ووہان سے پھیلا۔ اس حقیقت کے بے نقاب ہوتے ہی باقی دنیا نے چین سے تعلق ختم کرنا شروع کیا۔ بہت سے ممالک نے چین سے طلبہ سمیت اپنے شہریوں کو نکالنے کو ترجیح دی۔ یہ بہت حد تک چین سے امتیازی سلوک تھا۔ ایسے میں پاکستان نے اُس کے ساتھ کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا اور اپنے 800 طلبہ کو وہاں سے نہیں نکالا۔ یہ بھرپور دوستی اور یکجہتی کا ثبوت تھا۔

پاکستان میں کورونا وائرس بظاہر اُن زائرین کے ہاتھوں پھیلا جو ایران سے واپس آئے تھے۔ ابتدائی مرحلے میں اُنہیں خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی، الگ تھلگ نہیں رکھا گیا۔ جب معاملہ بگڑ گیا تب 13 مارچ کو سخت تر اقدامات کیے گئے۔ یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے نمٹنے میں کچھ غلطی ہوئی۔ بہر کیف ایران اور افغانستان سے ملحق سرحد بند کر دی گئی۔ تعلیمی اداروں کو بھی بند کر دیا گیا۔ وفاقی حکومت نے خصوصی رابطہ کمیٹی قائم کی اور قدرتی آفات سے نمٹنے کیلئے بنائے گئے ادارے (پی ڈی ایم اے) کو بھی الرٹ کر دیا گیا۔ مزید سخت اقدامات بھی خارج

ازامکان نہیں۔

حکومت نے تبلیغی جماعت والوں پر بھی زور ڈالا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو معطل یا محدود کر دیں۔ جب کورونا وائرس کے باعث پیدا ہونے والی صورتِ حال خاصی کشیدہ ہو چکی تھی تب بھی 12 مارچ کو تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوا جس میں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ افراد شریک تھے۔ اس کے بعد لوگوں کے جمع ہونے پر پابندی لگائی گئی مگر شاید تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

ایران سے آنے والوں کو 13 مارچ کے بعد قرنطینہ میں رکھا جانے لگا۔ تفتان میں اس حوالے سے سہولتیں برائے نام تھیں۔ قرنطینہ کا یہ حال تھا کہ وہاں رکھے جانے والے لوگوں کو مقامی بازار تک جانے اور وہاں سے ضرورت کی اشیا خریدنے کی اجازت بھی دی جاتی تھی۔ نہ تو ٹیسٹ کیے گئے اور نہ ڈھنگ سے الگ تھلگ رکھا گیا۔ بظاہر حفاظتی تدابیر اختیار کیے بغیر ہی اُنہیں گھر جانے کی اجازت بھی دی گئی۔ صوبائی حکومتوں نے ایران سے واپس آنے والوں کی اسکریننگ اپنے طور پر اور اپنے وسائل سے شروع کی۔ جن کے ٹیسٹ مثبت آئے انہیں قرنطینہ میں ڈال دیا گیا۔ ایران سے واپس آنے والوں میں سے اب تک 600 سے زائد افراد میں کورونا وائرس پایا گیا جبکہ تبلیغی جماعت کے اب تک دو درجن افراد کا اندراج ہوا۔ ایران سے آنے والے بعض زائرین نے قرنطینہ سے بھاگنے کی کوشش بھی کی اور کامیاب بھی رہے۔

پاکستان میں کورونا کے ہاتھوں پہلی موت ایک ایسے شخص کی ہوئی جو 9 مارچ کو سعودی عرب سے واپس آیا تھا اور مبینہ طور پر کورونا وائرس کا شکار ہو چکا تھا۔ عمرے سے واپسی پر گاؤں میں اُس کے اعزاز میں تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں کم و بیش 400 افراد شریک ہوئے۔ لوگوں نے اُسے گلے لگا کر مبارک باد دی۔ 16 مارچ کو ڈاکٹروں نے چیک اپ کے بعد اُسے الگ تھلگ رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس مشورے پر اُس نے عمل نہ کیا اور گھر واپس چلا گیا۔ 19 مارچ کو اس کا انتقال ہوا تو انتظامیہ نے پورے گاؤں کو سیل کر کے قرنطینہ میں تبدیل کر دیا۔

پاکستان میں گھرانے بڑے ہیں یعنی ایک گھر میں بالعموم 3 تا 6 بچے ہیں۔ میل جول بھی زیادہ ہے۔ ایسے میں قرنطینہ کے اصول پر پوری طرح عمل کرانا انتہائی دشوار ہے۔ کورونا کی وبا اگر پاکستان میں جوبن تک پہنچی تو انتہائی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گی۔

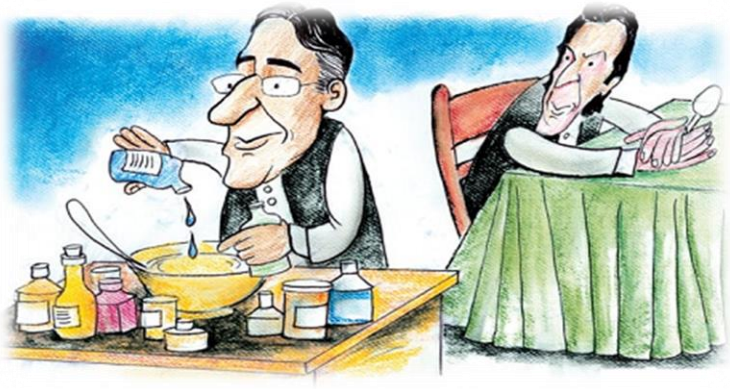

عمران خان نے قوم سے خطاب میں کہا ہے ''گھبرانا نہیں''۔ یہ جملہ سوشل میڈیا پر بہت چلایا گیا۔ عمران نے لاک ڈاؤن سے انکار کیا کہ یومیہ اجرت کی بنیاد پر کام کرنے والے غریب لاک ڈاؤن کے نتیجے میں مکمل بے روزگار ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں معیشت کا بگاڑ بڑھے گا۔ انہوں نے کورونا سے بچاؤ کی ایک اہم تدبیر کے طور پر قوم کو مشورہ دیا کہ ایک دوسرے سے دور رہیں۔ وہ اپنے خطاب کے دوران قوم کو یہ یقین دلانے میں ناکام رہے کہ کورونا انتہائی خطرناک وبا ہے۔

18ویں ترمیم کے نتیجے میں صوبوں کو بعض امور میں اختیارات مل گئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ صوبائی حکومتوں نے لاک ڈاؤن کا فیصلہ اپنے طور پر کیا۔ سندھ نے 23 مارچ کو لاک ڈاؤن کا اعلان کیا، باقی صوبوں نے جزوی لاک ڈاؤن کا اعلان کیا، سب اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ سندھ حکومت نے فوج سے مدد طلب کی ہے۔

پاکستان نے پہلے مرحلے میں بیرونی پروازیں بند کیں اور پھر اندرونی پروازوں پر بھی تاحکم ثانی پابندی عائد کر دی۔ یہ سب کچھ درست مگر عمران اب تک لاک ڈاؤن کے اعلان سے گریزاں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لاک ڈاؤن کر دیا تو وائرس کے مقابلے میں بھوک سے زیادہ لوگ مریں گے۔ عمران بظاہر نہیں چاہتے کہ عوام کیلئے پریشانی کا باعث بننے والے فیصلے کریں۔ انہوں نے ایک ہزار ارب ڈالر سے زیادہ کے امدادی پیکیج کا اعلان بھی کیا، انہوں نے میڈیا کا سامنا بھی کیا تاہم اب تک بھرپور سنجیدگی ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ انہوں نے کرفیو نافذ کرنے کی تجویز بھی مسترد کر دی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عمران نے کورونا کی نوعیت اور اثرات کے بارے میں غلط تصور قائم کر لیا ہے۔ اگر وبا پھیلی تو لاک ڈاؤن سے کہیں زیادہ پریشان کن صورتِ حال پیدا ہو گی اور ہلاکتوں کا گراف بھی بلند ہو جائے گا۔ عمران کو شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ وائرس کا پھیلاؤ روکنے میں ناکامی ہوئی تو پبلک ہیلتھ سسٹم پر شدید دباؤ پڑے گا۔ پاکستان کا پبلک ہیلتھ سسٹم اتنا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا۔ عمران کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ وہ کسی کی سنتے بھی نہیں اور ذہن بھی تبدیل نہیں کرتے۔

عمران بظاہر بحرانی کیفیت سے نمٹنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ توقع کرنی چاہیے کہ وہ جلد اپنا ذہن تبدیل کریں گے اور لاک ڈاؤن کی طرف جائیں گے۔ فوج ایسی صورتِ حال سے استفادہ کرنے کیلئے تیار رہتی ہے۔ ملک کے معاملات پر اس کا تصرف بھی بڑھے گا اور اس کی مقبولیت بھی بڑھے گی۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ 23 مارچ کو آئی ایس پی آر کے سربراہ نے پریس کانفرنس کی جس میں ان کا لہجہ ''وزیراعظمانہ'' تھا۔ یہ پریس کانفرنس بظاہر وزیراعظم کے خیالات کے مقابل دوسری رائے پیش کرنے کیلئے تھی۔ اب اپوزیشن بھی ملک گیر لاک ڈاؤن کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہے۔ کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے نمٹنے کیلئے سندھ حکومت نے باجماعت نماز اور نماز جمعہ پر پابندی عائد کرنے کا اعلان کیا۔ اس معاملے میں حکومت اور علمائے کرام دونوں کی طرف سے تذبذب کا اظہار کیا لیکن انہوں نے عملاً مکمل تعاون کا اظہار کیا۔ علمائے کرام کی طرف سے ردعمل کے خوف سے حکومت نے مساجد بند کرنے کا اعلان نرم کر دیا۔ لوگ بھی مساجد کا رخ کرتے رہے۔ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ لوگوں کے نزدیک یہ اللہ سے رجوع کرنے کا وقت ہے اور دوسری طرف لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ جب حکومت نے مساجد بند نہیں کیں تو شاید کورونا کا خطرہ بہت بڑا نہیں ہے۔ علما کرام سے مشاورت کے بعد 26 مارچ کو سندھ حکومت نے اعلان کیا کہ لوگ نماز جمعہ کے بجائے گھروں پر ظہر کی نماز پڑھیں تاہم مساجد کو تالا نہیں لگایا جائے گا۔ باجماعت نماز کو پانچ افراد تک محدود کرنے کا بھی اعلان کیا گیا۔

پاکستان کے صدر ڈاکٹر عارف علوی نے 16 اور 17 مارچ کو چین کا دورہ کیا۔ انہوں نے پاکستان میں کورونا کے بڑھتے ہوئے واقعات کو دیکھتے ہوئے چین سے مدد چاہی۔ چین نے ملین ماسک، آلات اور کٹس بھی عطیہ کی ہیں۔ اگر وفاق نے لاک ڈاؤن کا اعلان کیا تو پولیس اور رینجرز سے مدد لینا پڑے گی۔ فوج سے مدد لیے بغیر بھی چارہ نہ ہو گا۔ یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ پاکستان کے دور افتادہ علاقوں میں لاک ڈاؤن پر زیادہ عمل کرانا ممکن نہ ہو گا۔ شہروں کے گنجان آباد علاقوں میں بھی یہی کیفیت ہو گی۔ پاکستان کی آبادی میں 64 فیصد ایسے ہیں جن کی عمر 30 سال سے کم ہے۔ کورونا سے نبرد آزما

ہونے کی صلاحیت پاکستانیوں میں زیادہ ہے تاہم اس حوالے سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ نوجوان بھی اس وائرس کا شکار ہو سکتے ہیں۔ عمران کو مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ لوگ الجھ گئے ہیں۔ 26 مارچ کو وفاقی حکومت کی پریس کانفرنس میں عمران نہیں تھے۔ وفاقی وزیر منصوبہ بندی اسد عمر میڈیا کے سامنے آئے۔ عمران کیلئے مشورہ ہے کہ معجزے کا انتظار نہ کیا جائے، مکمل لاک ڈاؤن کا اعلان کیا جائے۔ لاک ڈاؤن کا متبادل ایسی خرابی ہے جس کا پاکستان متحمل نہیں ہو سکتا۔

ادھر توقع کی جارہی ہے کہ جمعرات کے روز ہونے والی ویڈیو کانفرنس میں یورپی یونین کورونا وائرس کے بحران سے متاثرہ ممالک کیلئے ایک بڑے امدادی پیکیج پر دستخط کرے گا۔ 500/ارب کے اس امدادی پیکج پر اتفاق یورپی یونین کے شمال میں امیر ممالک اور جنوب کی کمزور معیشتوں کے مابین تلخ کلامی کے بعد کیا گیا تھا۔

بروز بدھ 6 رمضان الکریم 1441ھ 29/اپریل 2020ء

کرونااور سرمایہ داری نظام

کورونا وائرس کے ہاتھوں جہاں دنیا بھر کی معیشتوں کیلئے الجھنیں پیدا ہوئی ہیں وہیں یورپ کیلئے اچھا خاصا بڑا خطرناک بحران کھڑا ہو چکا ہے۔ اٹلی اور اسپین کی معیشت کورونا وائرس سے شدید متاثر ہوئی ہے۔ یورپ کی معاشی سرگرمیوں اور مالیات کی سطح پر پہلے ہی اچھی خاصی پیچیدگیاں پائی جاتی تھیں، کورونا کے بحران نے معاملات کو مزید الجھا دیا ہے۔ یورپی سربراہانِ مملکت و حکومت نے اس وبا کے دوران کئی بار ملاقاتیں کی ہیں تاکہ معاملات کو درست کرنے کی سمت بڑھا جاسکے۔ کوئی بڑا پیکیج تیار کرنا اب تک ممکن نہیں ہو سکا۔ یہ وقت سوچنے سے کہیں زیادہ عمل کا ہے۔ دیگر یورپی ریاستیں بھی خرابی کی زَد میں آئی ہیں تاہم وہاں معاشی ڈھانچا کسی نہ کسی طور کام کرنے کی حالت میں ہے۔

اٹلی اور اسپین کا معاملہ یہ ہے کہ لوگوں کا ریاستی نظام پر اعتماد خطرناک حد تک گر چکا ہے۔ ان ممالک سمیت کمزور یورپی ریاستوں کیلئے معاشی اقدامات سے متعلق جو تجاویز اب تک سامنے آئی ہیں مضبوط ترین یورپی ریاستوں (جرمنی، آسٹریا، نیدرلینڈ اور فِن لینڈ) نے اُن کی مخالفت کی ہے۔ بات سیدھی سی ہے، کوئی بھی ریاست کسی کو بہت زیادہ رعایت دینے کیلئے تیار نہیں۔ اٹلی، اسپین اور دیگر متاثرہ ریاستوں کیلئے کوئی قابلِ عمل منصوبہ تیار کرنے کیلئے 10 اپریل کی حتمی تاریخ مقرر کی گئی جس میں ایک ایسا حل تجویز کرنا تھا جو کمزور ریاستوں کی ضرورتوں کو پورا اور مضبوط ریاستوں کے خدشات دور کر سکے تاہم ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہو سکی۔

یورپی سربراہ اجلاسوں میں سربراہانِ مملکت و حکومت نے جن امور پر بحث کی، اُن میں کمزور ممالک کے مفادات کا تحفظ یقینی بنانے پر زیادہ زور دیا گیا۔ چند کمزور ممالک نے یورو بونڈ جاری کرنے کی بات کی تاکہ بین الریاستی قرضوں کا بھگتان آسان ہو جائے۔ یورو بونڈ کے آپشن پر کئی سال سے بحث و تمحیص ہوتی آئی ہے۔ یورو بونڈ کے اجرا کی تجویز کی یورپ کے کمزور ممالک نے ہمیشہ مخالفت کی ہے۔

جرمنی نے یوروپین اسٹیبلٹی میکینزم (ای ایس ایم) کی حمایت کی ہے، تاہم اس حوالے سے چند ایک تحفظات بھی ظاہر کیے ہیں۔ غیر معمولی قرضوں کا بوجھ کم کرنے کیلئے لایا جانے والا یہ میکینزم کمزور ممالک نے موجودہ شرائط کے ساتھ مسترد کر دیا ہے۔ اس میکینزم کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ جن ممالک کو قرضے دیے جائیں گے، اُنہیں میکرو اکنامک اور اسٹرکچرل سطح پر چند ایک اصلاحات متعارف کرانا پڑیں گی۔

کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال کا سامنا کرنے اور کمزور ریاستوں کو تھوڑی بہت تقویت بہم پہنچانے کی غرض سے یوروپین سینٹرل بینک (ای سی بی) نے سیالیت میں تھوڑا اضافہ کیا ہے۔ اب گیند یورپی سربراہانِ مملکت و حکومت کے کورٹ میں ہے۔ انہیں ایسا منصوبہ تیار کرنا ہے، جو ای سی بی کیلئے قابلِ قبول ہو۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسا منصوبہ تیار کیا جاسکتا ہے جو طاقتور اور کمزور ریاستوں کیلئے یکساں طور پر قابلِ قبول ہو؟

یورپ کی تمام طاقتور ریاستوں کی ذمہ داری ہے کہ اٹلی اور اسپین سمیت تمام کمزور ریاستوں کی مدد کیلئے آگے آئیں۔ لازم ہے کہ آسان شرائط پر ایسے قرضے جاری کیے جائیں جو طویل المیعاد ہوں یعنی فوری طور پر ادا کرنے کا بوجھ بھی متعلقہ ریاستوں پر نہ ہو۔ کورونا وبا کا سامنا کرنے میں مشکلات جھیلنے والی

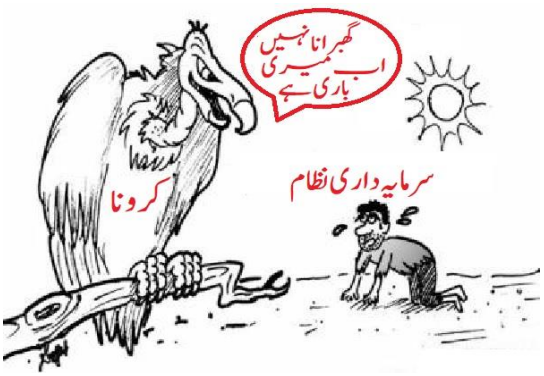

ریاستوں کو دیکھنا ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ قرضے کس طور دیے جاسکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کمزور ریاستوں کو تمام قرضے صفر شرحِ سود پر یا پھر بہت ہی کم شرحِ سود پر دیے جائیں اور تیسرے یہ کہ ای ایس ایم کی فنڈنگ میں (جو اس وقت 410/ارب ڈالر ہے) اضافہ کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ کمزور ممالک کو بڑے پیکیج دیے جاسکیں۔ قرضے دینے کی صلاحیت میں فوری اضافہ ناگزیر ہے۔ ای سی بی کو اس حوالے سے کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔ اگر ای ایس ایم اور ای سی بی میں ہم آہنگی پیدا ہوگئی تو درمیانی مدت کے قرضے قابلِ برداشت ہوں گے۔ شدید متاثرہ ممالک کو اُن کی جی ڈی پی (خام قومی پیداوار) کے 8 فیصد کے مساوی بلاسود یا بہت کم شرحِ سود والا قرضہ دیا جائے تو بہتری کی امید کی جاسکتی ہے۔ ایسے تمام قرضوں کی واپسی کی میعاد 15 سال تک ہونی چاہیے۔ اٹلی اور اسپین پر خاص توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔

مارکیٹس میں بھرپور اعتماد بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ عمل اپنے طور پر ہونے دیا گیا تو بہت وقت لگے گا۔ لازم ہے کہ ای ایس ایم اور ای سی بی مل کر کوئی میکینزم تیار کریں تاکہ کورونا کے ہاتھوں لاغر ہو جانے والی معیشتوں کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بنایا جاسکے۔ ای سی بی آؤٹ رائٹ مانیٹری ٹرانزیکشنز (او ایم ٹی) قرضوں کے نظام کو آسان بنا سکتے ہیں۔

یورپ کو غیر معمولی معاشی بحران سے نکالنے کیلئے جرأت مندانہ اقدامات کی ضرورت ہے۔ برائے نام شرحِ سود کے ساتھ بڑے قرضوں کا اجرا آسان بنانے کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے ای سی بی کی عمل پسندی مطلوبہ نتائج کا حصول یقینی بنانے میں کلیدی کردار ادا کرے گی۔ یہ سب کچھ تیزی سے اور کسی بڑی غلطی کے بغیر ہونا چاہیے۔

بروز سوموار 11 رمضان الکریم 1441ھ 4 مئی 2020ء

کرونا..... نئی دنیا کا قیام

کرونا کے ہاتھوں رونما ہونے والی تبدیلیاں پریشان کن تو ہیں ہی مگر اِس سے زیادہ حیران کن بھی ہیں۔ بہت کچھ اِتنے بڑے پیمانے پر رونما ہو رہا ہے کہ لگتا ہے یہ دور ختم اور دوسرا شروع ہو رہا ہے۔ فی الحال تو مفروضوں نے الجھا رکھا ہے لیکن چند ماہ بعد جب معاملات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا تب بہت کچھ واضح ہو گا اور بہت کچھ نیا سُوجھے گا۔ معاشی اور معاشرتی بحران کی شدت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ اِس وقت بہت سوں کو نہیں۔ عالمی نظام یہ سب کچھ کس حد تک جھیل سکے گا فی الحال پورے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کرونا کے بعد کی دنیا کیسی ہو گی، اِس حوالے سے پورے تیقّن سے کوئی پیش گوئی کرنا تو بہت مشکل ہے مگر ہاں چند ایک عوامل کو بنیاد بنا کر اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔ غیر معمولی معاشی جھٹکا لگا ہے مگر امید ہے کہ موجودہ معاشی و مالیاتی نظام بہت سی خرابیوں اور خامیوں کے باوجود یہ سب کچھ جھیل لے گا۔ جو معاشی آلات اور ہتھیار اس وقت موجود ہیں اُن کی مدد سے قابو پالیا جائے گا۔ معاشی میدان میں ایسی خرابیاں رونما ہوئی ہیں جن کیلئے نئے اقدامات کرنا ہوں گے۔ اصلاحات متعارف کرانا ہوں گی۔ بہت سے معاملات کی ساخت کچھ کی کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔ کرونا کے ہاتھوں بہت سے ممالک کی معاشی بساط پلٹ جانے کو ہے۔ اب نیا عالمی نظام لانا لازم ہو گیا ہے۔ اب ابھرنے والی دنیا ایسی ہو گی جس میں جُڑنے کی بجائے دور رہنے کی اہمیت ہو گی۔ اشتراکِ عمل اب بھی لازم ہو گا مگر دور دور رہ کر۔

ابھی کہا جارہا ہے کہ کرونا اور ایسی ہی دوسری بہت سی وباؤں کا ڈٹ کر سامنا کرنے کیلئے لازم ہو گا کہ ہم ایک نئی دنیا میں جینا سیکھیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر دوسرے بہت سے معاملات کی طرح چین کے بیلٹ اینڈ روڈ انشیئٹیو (بی آر آئی) کا حال بھی تبدیل ہو کر رہے گا۔ کرونا کی وبا نے رابطوں اور وابستگی کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ایسے میں بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ بھی متاثر ہو گا۔ ابھی پورے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ مجموعی طور پر کس قدر نقصان پہنچے گا۔ ابتدائی اندازے عموماً غلط ثابت ہوا کرتے ہیں۔ کرونا کے ہاتھوں بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے پر کتنے منفی اثرات مرتب ہوں گے فی الحال پورے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس عظیم منصوبے کے حوالے سے ذہنوں میں سوالات ابھر رہے ہیں، خدشات پنپ رہے ہیں۔ فنڈنگ میں ابھی سے شارٹ فال کے آثار ہیں۔ یہ چینی صدر کا سگنیچر منصوبہ ہے۔ ان کی شناخت کا مدار اِس ایک منصوبے کی بھرپور کامیابی پر ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کرونا کی وبا کے نمودار ہونے سے قبل ہی چین کی شرحِ نمو گرنے لگی تھی۔ مشکلات بڑھتی جارہی تھیں۔ کمیونسٹ پارٹی کیلئے بھی بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ اب معیشتی ساخت میں تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔

تین ماہ قبل نمودار ہونے والے کرونا کو تو چین نے کنٹرول کر لیا ہے مگر ابھی پورے یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ چین نے بھی حتمی کامیابی کا اعلان نہیں کیا۔ امریکا اور یورپ کیلئے شدید مشکلات نے سَر اٹھایا ہے مگر چین کیلئے ابھی مشکلات کم نہیں ہوئیں۔ اُس کی برآمدات شدید متاثر ہوئی ہیں۔ فروری میں پورے چین میں شہری سطح پر بیروزگاری 6/2 فیصد کی پریشان حد تک پہنچ گئی تھی کیونکہ چین کئی عشروں تک بیروزگاری کو اطمینان بخش حد تک کم رکھنے میں کامیاب رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بیروزگاری اُس سے زیادہ ہو جو حکومت کے اعداد و شمار بیان کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف صاف محسوس ہو رہا ہے کہ شرحِ نمو کو دگنا کرنے کا ہدف حاصل نہ ہو سکے گا۔

معاشرتی استحکام برقرار رکھنا بھی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ چینیوں کی غالب اکثریت اس رائے کے حق میں ہے کہ بیرون ملک بہت زیادہ فنڈ ضائع نہ کیے جائیں۔ داخلی سطح پر بھی مسائل شدت اختیار کر رہے ہیں۔ بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور پھر فوڈ سیکیورٹی کا معاملہ بھی تو ہے۔ پالیسی ساز کیلئے لازم ہو گیا ہے کہ داخلی سلامتی یقینی بنائے رکھنے پر غیر معمولی توجہ دیں۔ ترقی کی رفتار برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی متوجہ رہنا ہے کہ ترقی اور فی کس آمدن کے درمیان خلا زیادہ وسعت اختیار نہ کرے۔ ملک سے باہر سپر پاور بھی نظر آنا ہے۔ یہ دو کشتیوں کا سفر ہے، جو ظاہر ہے بہت دشوار ہے اور احتیاط کا طالب ہے۔ بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے کی رفتار بھی برقرار رکھنی ہے۔ اس منصوبے کو چین میں لوگوں نے آسانی سے قبول کیا ہے نہ ہضم۔

بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے پر غیر معمولی فنڈنگ کی گئی ہے۔ اس روٹ پر واقع تمام معیشتیں مشکلات میں گھری ہوئی ہیں۔ یوریشیا اور افریقا کے خطے میں بنیادی ڈھانچا مضبوط بنانے پر چین غیر معمولی توجہ دے رہا ہے۔ بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے کا سب سے بڑا جُز چین پاک اقتصادی راہداری یعنی سی پیک ہے۔ پاکستان کو اس وقت کم و بیش 8 ارب 20 کروڑ ڈالر خسارے کا سامنا ہے۔ یہ ابتدائی تخمینہ ایشیائی ترقیاتی بینک نے لگایا ہے۔ بنگلادیش کا خسارہ 3/ارب ڈالر تک ہے۔ تھائی لینڈ کو امید تھی کہ وہ شرحِ نمو کو کم و بیش 2/8 فیصد کی شرح پر رکھنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ کساد بازاری آیا چاہتی ہے۔ اب افریقا بھی کرونا کا ہدف ہے۔ چین کیلئے افریقا قدرتی وسائل کی منڈی ہے اور افریقی ریاستوں کو صنعتیں چلانے کیلئے جو کچھ درکار ہے وہ چین دے رہا ہے۔ اشیائے صرف بھی چین سے آرہی ہیں۔ اس حوالے سے افریقی ریاستوں کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ افریقا بھی کچھ ہی دنوں میں کرونا کے حوالے سے سنگین صورتِ حال کا سامنا کر رہا ہوگا۔ صحتِ عامہ کا بحران اور معاشی خرابی بھی لازمی طور پر در آئے گی۔

کرونا کے ہاتھوں ترقی پذیر ممالک کیلئے اب ترسیلاتِ زر میں کمی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ ترقی یافتہ دنیا میں بے روزگاری پھیلے گی تو وہاں سے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کے بہت سے لوگ واپس جانے پر مجبور ہوں گے۔ جو ممالک چین سے مزید سرمایہ کاری کے طالب ہیں اُن پر دباؤ میں اضافہ ہوگا۔ بہت سے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کیلئے معاشی اور مالیاتی مشکلات پیدا ہوں گی۔ یہ سب کچھ کئی ماہ تک چلے گا۔ چینی کمپنیوں کیلئے بیرون ملک کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ چائنا ڈیولپمنٹ بینک آسان شرائط کے قرضے بڑے پیمانے پر جاری کرنے سے قاصر رہے گا اور اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب رہے تب بھی عام چینی کمرشل بینک بیرون ملک زیادہ فنڈنگ کے قابل نہ رہیں گے اور پھر ایسے منصوبوں کیلئے فنڈنگ کیوں کی جائے جن میں خسارے ہی خسارے کا امکان ہو؟

چینی صدر نے جو 10 ترجیحات متعین کی ہیں، اُن میں سلک روڈ اکنامک بیلٹ آٹھویں اور میری ٹائم سلک روڈ نویں نمبر پر ہے۔ پہلا نمبر پارٹی کے اقتدار کا ہے۔ دوسرا نمبر قومی یکجہتی کا ہے۔ تیسرا نمبر معیشت کی توسیع کا۔ اگر معاملات تیزی سے درست نہ ہوئے تو بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ زیادہ دیر تک قابلِ ترجیح نہ رہے گا۔ دو سال سے چینی کمیونسٹ پارٹی کی پوزیشن زیادہ قابلِ رشک نہیں رہی۔ امریکا سے تجارتی جنگ نے بھی خاصی پیچیدگیاں پیدا کی ہیں۔ ہانگ کانگ میں مظاہروں اور ہنگاموں نے بھی مسائل کھڑے کیے۔ تائیوان کے انتخابات بھی دردِ سر بن کر ابھرے اور اب کرونا کا المیہ!

ایسا نہیں ہے کہ بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ دم توڑ گیا ہے۔ ایسا سمجھنا حماقت کے مترادف ہوگا ہاں، اِس حوالے سے الجھنیں بڑھ گئی ہیں۔ یہ منصوبہ عالمی طاقت کے طور پر چین کیلئے شناخت کا معاملہ ہے۔ یہ چین کی طاقت کا مظہر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اِسے چینی کمیونسٹ پارٹی کے آئین کا حصہ نہ بنایا گیا ہوتا۔ چین کی طرف سے دعویٰ کیا جارہا ہے کہ بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ زیادہ متاثر نہ ہوگا۔ اب ہیلتھ سلک روڈ کی بات ہو رہی ہے۔ ماسک ڈپلومیسی کا بھی غلغلہ ہے۔ چینی قیادت کو اندازہ ہے کہ دنیا بھر میں اُس کے حوالے سے بدگمانی پائی بھی جاتی ہے اور مزید پھیلائی بھی جارہی ہے تاہم بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ خطرے میں ہے۔ کرونا کے پھیلاؤ نے دنیا بھمیں جمود پیدا کیا ہے۔ اِس کے نتیجے میں اب چین کے اس عظیم منصوبے سے جُڑے ہوئے ذیلی منصوبوں پر بھی کام کی رفتار تھمی ہوئی ہے۔ سری لنکا، بنگلادیش، انڈونیشیا اور نیپال میں بیلٹ اینڈ روڈ انشئیٹیو سے وابستہ متعدد منصوبے سست رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ چینی قیادت خواہ کچھ کہے، بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے میں اب بہت سی تبدیلیاں کرنا ہی پڑیں گی۔ منصوبے کا رنگ ڈھنگ بدل سکتا ہے۔ حالات کی مناسبت سے چند ایک تبدیلیاں یوں بھی ناگزیر ہیں۔ کرونا کی وبا کے پھیلنے سے قبل بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے میں تھوڑی بہت تبدیلی کی گئی تھی۔ ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس منصوبے کی باضابطہ تعریف اب تک متعین نہیں کی جاسکی ہے۔

بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے کے حوالے سے چین نے دوطرفہ معاملات کیے ہیں۔ ہر ملک سے معاملات الگ طے کیے گئے ہیں۔ اس منصوبے کو شروع کیے 7 سال گزر چکے ہیں مگر اب تک اس کے فریم ورک کا پتا نہیں چل رہا۔ عالمی معیارات کو نظر انداز کرنے کی شکایات بھی عام ہیں۔ مختلف تنازعات نے بھی جنم لیا ہے۔ اس منصوبے کے حوالے سے کئی ممالک میں شدید ردِّ عمل بھی سامنے آیا ہے۔ اپریل 2019ء میں چینی صدر نے دوسرے بیلٹ اینڈ روڈ فورم میں کہا کہ بعض معاملات پر نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور چند تبدیلیاں بھی خارج از امکان نہیں۔

بیلٹ اینڈ روڈ منصوبے کا آغاز 2013ء میں ہوا تھا۔ تب چین کی شرح نمو 8 فیصد تھی۔ زرمبادلہ کے ذخائر 4 ہزار ارب ڈالر کی سطح پر تھے۔ بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ کم و بیش 8 ہزار ارب ڈالر کا ہے۔ بعد میں نظرِ ثانی کے بعد اس کی لاگت کا تخمینہ 4 ہزار ارب ڈالر کر دیا گیا۔ 2018ء میں مور گن اسٹینلے نے اندازہ لگایا کہ 2027ء تک اس منصوبے پر زیادہ سے زیادہ 1300/ارب ڈالر خرچ ہوسکیں گے۔ چین کی دو تہائی سرمایہ کاری توانائی کے شعبے میں ہے۔ ٹرانسپورٹ پر 50/ارب ڈالر خرچ ہوئے ہیں۔ اس وقت ترقی پذیر دنیا میں کیش کی کمی ہے۔ بہت سے منصوبے رک جائیں گے۔ چین کو اندرونی دباؤ کا سامنا ہے۔ چینی قیادت بیرون ملک بڑے پیمانے پر ڈالر برسانے کی پوزیشن میں نہیں۔ ریلوے منصوبہ، مونٹی نیگرو میں ہائی وے ٹو نو ویئر کا منصوبہ اور ایسے ہی کئی منصوبے ہیں جن پر زیادہ فنڈنگ نہیں کی جاسکتی۔ اب چین کو بہت محتاط ہو کر چلنا پڑے گا۔ اسے ایک بار پھر انتخاب کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ طے کرنا پڑے گا کہ کہاں کتنا خرچ کرنا ہے۔ بہت سے منصوبوں کو ترجیحات کی فہرست سے نکالنا پڑے گا۔

چین گلوبل نیٹ ورک آف اکنامک کوریڈور قائم کرنا چاہتا ہے۔ لاجسٹک زون قائم کیے جانے ہیں۔ مالیاتی مراکز بنانے ہیں۔ سی پورٹس اور اُن سے ملحق علاقوں پر اُس کی خاص نظر ہے۔ سوئز کینال اکنامک زون اور سری لنکا کی ہمبنٹوٹا پورٹ اس کی واضح ترین مثالیں ہیں۔ عمان میں بھی چین نے ایک انڈسٹریل سٹی قائم کرنے کی تیاری کر رکھی ہے۔ بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ کسی نہ کسی طور بچانے کیلئے اب چین کو ترجیحات تبدیل کرنا پڑیں گی۔ اندرونی استحکام بھی لازم ہے۔ چین کیلئے یہ منصوبہ سوفٹ پاور کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ چین کو اب عسکری سطح پر بھی تھوڑی بہت جارحانہ سوچ کا

مظاہرہ کرنا ہوگا۔لازم نہیں کہ دنیا ترمیم شدہ منصوبہ آسانی سے قبول کرلے۔ تصادم کا بھی امکان ہے، تنازعات جنم لیں گے۔امریکا پر بھی دنیا کا اعتماد کم ہوا ہے اور یورپ پر بھی زیادہ بھروسا نہیں کیا جاسکتا مگر چین پر بھی بھروسا کرنے والوں کی کمی ہے۔ کرونا بحران نے پوری دنیا میں محتاط رہنے کی فضا پیدا کردی ہے۔اس وبا نے لوگوں کو شدید خوفزدہ کردیا ہے۔ایسے میں بی آر آئی کا متاثر ہونا بھی فطری امر ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس تمام جاری معاشی تناظر میں سی پیک پر جاری کام میں کسی بھی تبدیلی کا عندیہ سامنے نہیں آیا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو جونہی کرونا وائرس کے شکنجے نجات حاصل ہوگی تو یقیناً آج کی دنیا سے مختلف تجارتی دنیا ہوگی اور یہ عین ممکن ہے کہ کرونا سے سبق حاصل کرنے کی بجائے ایک شدید قسم کی نئی سرد جنگ سے ہمیں واسطہ پڑے اور پہلی مرتبہ عالمی طاقتوں کو اپنے مفادات کیلئے تیسری دنیا کے ممالک کی حمائت حاصل کرنے کے نتیجے میں کئی ممالک کی سرحدوں کی تبدیلی کیلئے اپنا ایجنڈہ تبدیل کرنا پڑے اور کئی نئی ریاستیں دنیا کے نقشے پر معرضِ وجود میں آجائیں۔

بروز بدھ 13 رمضان الکریم 1441ھ 6 مئی 2020ء

کورونا کے سماجی و نفسیاتی اثرات

انسان معاشرت کی بنیاد پر زندہ رہتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تب ہی کچھ ہو پاتا اور بن پاتا ہے ۔ روئے ارض پر انسان کو جو سانسیں عطا کی گئی ہیں، وہ اُسی وقت حقیقی معنوں میں بامقصد طریقے سے بروئے کار لائی جاسکتی ہیں، جب ٹھوس اور حقیقت پسندانہ بنیاد پر اشتراکِ عمل یقینی بنایا جائے۔ کسی بھی انسان کیلئے اِس سے زیادہ کوئی بات سوہانِ روح نہیں ہوسکتی کہ اُسے الگ تھلگ رہنے پر مجبور کردیا جائے یا وہ الگ تھلگ رہنے پر مجبور ہو۔ مل جل کر رہنے کی طرح تنہائی بھی انسان کیلئے بہت ضروری ہے۔ شخصیت کی تشکیل و تطہیر میں تنہائی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ جو لوگ دنیا سے دور ہو کر کچھ وقت اپنے ساتھ گزارتے ہیں وہ غور و خوض کے ذریعے اپنی خرابیوں اور خامیوں کو دور کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں۔

حال ہی میں کی جانے والی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کورونا وائرس کی پیدا کردہ شدید بحرانی کیفیت کے دوران کسی بھی شخص کو الگ تھلگ رہنے کی صورت میں شدید نفسیاتی الجھنوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔ تنہائی اذیت دیتی ہے۔ اس سے ذہنی یا نفسی ہی نہیں، جسمانی الجھن بھی پیدا ہوتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تنہائی کا شکار ہونے والے افراد میں موت کا امکان دوسرے یا عام افراد کے مقابلے میں 26 فیصد بڑھ جاتا ہے۔ ماہرین نے تحقیق کے ذریعے بتایا ہے کہ شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں جسم پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، ویسے ہی منفی اثرات جسم پر شدید نوعیت کی تنہائی کی حالت میں بھی مرتب ہوتے ہیں۔ کورونا وائرس کے ہاتھوں جو صورتِ حال پیدا ہوئی ہے اُس نے حیاتیاتی اعتبار سے خطرے کی گھنٹی بجائی ہے۔ رابطے ختم ہو جانے کی صورت طبیعت اُسی طور بگڑتی ہے، جس طور اشیائے خورد و نوش کی شدید کمی کے باعث بگڑتی ہے۔

26 مارچ کو میسوچوسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی نے جدید تحقیق کے حوالے سے ابتدائی رپورٹ جاری کی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ بھوک اور تنہائی میں تحریک اور صِلے کے حوالے سے خاصی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اشیائے خورد و نوش کی طرح رابطے بھی انسان کی انتہائی بنیادی ضرورت ہیں۔ جس طرح انسان کھائے پیے بغیر ڈھنگ سے جی نہیں سکتا بالکل اُسی طور وہ رابطوں کے بغیر بھی ادھورے پن کا شکار رہتا ہے اور اِس کیفیت کے اُس کی نفسی ساخت پر شدید منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

کورونا وائرس کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال نے دنیا بھر میں کروڑوں افراد کو الگ تھلگ زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس وقت کروڑوں افراد تنہائی کا شکار ہیں۔ کم و بیش ہر ملک میں کروڑوں افراد مکمل تنہائی پر مبنی زندگی بسر نہ کر رہے ہوں تب بھی محدود زندگی تو بسر کر ہی رہے ہیں۔ ماہرین نے جس اسٹڈی سے متعلق ابتدائی رپورٹ جاری کی ہے، وہ تین برس قبل شروع کی گئی تھی۔ لیویاٹو موواء، ریبیکا ساگزے اور ان کے ساتھیوں نے اس نکتے پر تحقیق کی ہے کہ تنہائی سے انسان کا ذہن کس حد تک متاثر ہوتا ہے۔ یونیورسٹی آف شکاگو کے ماہرِ نفسیات آنجہانی جان کیسیوپو نے تنہائی کے بارے میں غیر معمولی تحقیق کی ہے۔

عمومی حالات میں تنہائی مسلط نہیں ہوتی۔ جیلوں میں بھی تنہائی چند افراد کیلئے ہوتی ہے۔ بہت بڑے پیمانے پر اور شدید پریشان کن تنہائی مخصوص حالات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ماہرین نے جبری تنہائی کے بارے میں بھی سوچا تھا اور یہ بھی کہ ایسا بھلا کیوں ہو گا؟ تب اُن کے ذہن میں کورونا وائرس جیسی کسی وبا کا تصور نہ تھا اور پھر کورونا وائرس نمودار ہو گیا۔

"The War for Kindness: Building Empathy in a Fractured World" دی وار فار کائنڈ نیس: بلڈنگ ایمپیتھی اِن اے فریکچرڈ ورلڈ'' کے مصنف (اسٹینفرڈ یونیورسٹی کے نفسیات داں) جمیل ذکی کہتے ہیں کہ غذا کی کمی سے ہمارے جسم میں جو کچھ ہوتا ہے وہی کچھ تنہائی کے ہاتھوں بھی ہوتا ہے۔ تنہائی جسم و جاں کی توانائی نچوڑ لیتی ہے۔ اس تحقیق سے کروڑوں افراد کو سکون کا سانس لینے اور کچھ سمجھنے کا موقع ملے گا۔

اس مطالعے میں 40 رضاکاروں نے حصہ لیا۔ انہیں کھانے پینے کی اشیا سے دور رکھ کر دس دس گھنٹے گزارنے کو کہا گیا اور پھر تنہا رہنے کو بھی کہا گیا۔ ماہرین کہتے ہیں کہ حقیقی تنہائی پیدا کرنا بھی مسئلہ ہے۔ بہت سے لوگ بھیڑ میں بھی تنہا ہوتے ہیں اور بہت سوں کا یہ حال ہے کہ تنہائی سے بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ صبح سے شام تک ایسی حالت پیدا کی گئی کہ چند ایک ناول پڑھنے کے سوا کسی بھی چیز کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ ناول کے کردار بھی تنہائی کے ساتھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں دس گھنٹے گزارنے کے دوران صرف پانی پینے کی اجازت دی گئی۔ دونوں حالتوں میں دماغ کے ریسپانس کا جائزہ لیا گیا۔ دماغ کا وسطی حصہ ''سبسٹینشیا نگرا'' کہلاتا ہے جس کا تعلق تحریک اور طلب سے ہے۔ محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ دونوں حالتوں (بھوک اور پیاس کی شدت اور تنہائی) میں دماغ یکساں شدت سے ردِ عمل ظاہر کرتا ہے۔ بھوک کی حالت میں جذبات زیادہ شدید تھے۔ اندازہ لگایا گیا کہ دونوں حالتوں میں معاملات شدید اذیت کے رہے۔ تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ سماجی رابطے بھی انتہائی بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کورونا وائرس کے پھیلاؤ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال میں سماجی رابطوں کا کیا بنے گا۔ اس وائرس کے پھیلنے سے پہلے بھی یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ سوشل میڈیا سے سماجی رابطوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے یا نہیں۔ مغربی معاشروں میں سوشل میڈیا کو حقیقی سماجی رابطوں کے نعم البدل کے طور پر اپنا لیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں خرابیاں زیادہ پیدا ہوئی ہیں۔ جب لوگ ایک دوسرے سے ملنے سے گریز کرتے ہیں تو ذہن محدود ہوتا چلا جاتا ہے۔ دل و نظر میں وہ اپنائیت اور وہ بات نہیں رہتی جسے زندگی کی اصل کہیے۔ ساگزے اور ٹوموا کو اس حوالے سے فنڈنگ نہیں مل سکتی تھی مگر اب شاید مل جائے۔ ٹوموا نے یونیورسٹی آف کیمبرج کے ساتھ مل کر اب اس موضوع پر تحقیق کی تیاری شروع کر دی ہے کہ کورونا وائرس کے ہاتھوں نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن کے دوران سوشل میڈیا نے ہماری حقیقی ضرورت پوری کی ہے یا نہیں۔ اس کیفیت کے حقیقی اثرات کا اندازہ ہمیں بیس سال بعد ہو گا جب اس حوالے سے وسیع تحقیق ہو گی۔

بروز جمعۃ المبارک 15 رمضان الکریم 1441ھ 8 مئی 2020ء

کورونا.....ایک بھیانک سازش

ہر بڑااور عالمی امور پر متصرف ملک اپنی طاقت برقرار رکھنے کیلئے کچھ بھی کر سکتااور کچھ بھی کر گزرتا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور کی بڑی طاقتوں نے معاملات اپنے بس میں کرنے کیلئے کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کیا۔جہاں بات آسانی سے نہ بن سکتی ہو وہاں طاقت کے بے محابا استعمال کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہوئے بڑی طاقتوں نے ہر وہ مکروہ کھیل کھیلا ہے جو کسی بھی اعتبار سے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔آج کی دنیا ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے جب عالمی امور پر متصرف ریاستیں کمزور پڑتی جارہی ہیں اور چند ریاستوں کی قوت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔جو ریاستیں طاقتور ہوتی جارہی ہیں وہ عالمی امور اپنے ہاتھ میں لینے کی تیاری کر رہی ہیں۔ گزشتہ سو برس کے دوران جن ریاستوں نے دنیا کو چلایا ہے وہ اس کوشش میں مصروف ہیں کہ کسی نہ کسی طور معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھا جائے۔اس معاملے میں امریکا کی مثال بہت نمایاں ہے،جو معاملات کو اپنے ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر حواس باختہ ہے اور بدحواسی کے عالم میں ایسی حرکتیں بھی کر رہا ہے جن سے خود اُسے بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔

امریکا اور یورپ نے مل کر دنیا پر کم و بیش سات عشروں تک حکومت کی ہے۔ان سات عشروں کے دوران متعدد خطوں کو پسماندہ رکھا گیا ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ مخالفت میں کوئی آواز بلند نہ ہو۔جس ملک نے امریکا اور یورپ کیلئے کسی بھی درجے میں خطرہ بننے کی کوشش کی ہے اُسے ہمیشہ کیلئے خاموش کرنے کی کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا گیا۔اب معاملات خاصے تبدیل ہو چکے ہیں۔امریکا نے عسکری مہم جوئی اپنائی تھی، جس کے نتیجے میں اُس نے کئی ریاستوں پر جنگ مسلط کی اور کئی خطوں کو تاراج کیا۔یورپ نے کئی جنگوں میں اُس کا ساتھ دیا مگر اب یورپ اپنا راستہ الگ کر چکا ہے۔وہ معاملات کو عسکری سطح پر نمٹانے کی بجائے نرم قوت یعنی علوم و فنون اور تجارت کے ذریعے درست کرنا چاہتا ہے۔امریکی قیادت اب بھی طاقت کے استعمال سے ہٹ کر کسی بھی زاویے سے سوچنے کیلئے تیار نہیں۔معاملات کو اپنے ہاتھ سے جاتا دیکھ کر امریکا اب اپنی قوت برقرار رکھنے کے حوالے سے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہے اور کر بھی رہا ہے۔اس وقت امریکا کی ذہنیت یہ ہے کہ اگر میں جیت نہیں سکتا تو پھر کھیل کو جاری بھی نہیں رہنے دوں گا!

چین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوفزدہ ہو کر امریکا جو کچھ کر رہا ہے،اس کے نتیجے میں عالمی نظام مزید الجھتا اور بگڑتا جارہا ہے۔عالمی مالیاتی نظام بھی دگرگوں ہے۔ڈالر اب بھی عالمی سودوں کی کرنسی ہے مگر یہ سب کچھ محض دکھاوے کی حد تک ہے۔امریکا کمزور پڑ چکا ہے اور اس حقیقت کو اس کے حریف بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ امریکا ہر عالمی معاملے سے اِس طور جُڑا ہوا ہے کہ اگر اسے بیک جنبش قلم الگ کر دیا جائے تو مضمحل عالمی نظام دم توڑ دے گا۔ایسی صورت میں بہت بڑے پیمانے پر خرابی پیدا ہو گی۔امریکی قیادت اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ پوری دنیا کو تنہا نہیں چلا سکتی۔اُسے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ چین اور اُس کے ہم نوا ملک تیزی سے ابھر رہے ہیں اور کسی بھی وقت ایک نئے عالمی نظام کی راہ ہموار کر سکتے ہیں جس میں امریکا کیلئے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کی گنجائش نہ ہو۔ایسے میں ایک کوشش یہ بھی ہے کہ اپنی طاقت میں اضافے کے بجائے دوسروں کی طاقت میں کمی پر توجہ دی جائے۔دنیا کی آبادی کم کرنے کا ایجنڈا بھی اِسی کوشش کا حصہ ہے۔

کم و بیش 20 برس سے بل اینڈ میلنڈا گیٹس فاؤنڈیشن افریقا اور ایشیا کے دور افتادہ اور انتہائی پسماندہ ممالک میں حفاظتی ٹیکوں کا پروگرام چلاتی آئی ہے۔

بعض ممالک میں طلبا، اساتذہ اور والدین کو تو کیا خبر ہونی تھی، حکومتیں بھی بے خبر رہیں اور اس فاؤنڈیشن نے اپنا کھیل اچھی طرح کھیلا۔ بل اینڈ میلنڈا فاؤنڈیشن کی ویکسی نیشن مہم کے خطرناک اور تباہ کن نتائج بھی برآمد ہوتے رہے ہیں۔ بھارت میں پولیو کے کیس بڑھے۔ کینیا میں خواتین کیلئے پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ بہت سے بچے بھی جان سے گئے۔ بل اینڈ میلنڈا گیٹس فاؤنڈیشن نے اپنی ویکسی نیشن مہم عالمی ادارۂ صحت اور یونیسیف وغیرہ کے تعاون اور اشتراکِ عمل سے چلائی۔ امریکا اور چند دوسرے ممالک نے بل اینڈ میلنڈا فاؤنڈیشن کے خلاف مقدمات بھی دائر کیے۔

بل گیٹس کی شخصیت بہت عجیب ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے مسیحا کے روپ میں دیکھتے ہیں جو بچوں کو بیماریوں سے بچا کر دنیا کی آبادی گھٹانے کی راہ ہموار کر رہا ہے! 2010ء میں راک فیلر رپورٹ آئی تھی، جس میں ''لاک اسٹیپ سیناریو'' پیش کیا گیا تھا۔ آج ہم اُسی منظر نامے میں جی رہے ہیں۔ بل گیٹس نے کیلی فورنیا میں ٹیڈ شو کے دوران کہا تھا کہ اگر ہم نے ویکسی نیشن کے حوالے سے اپنا کام بخوبی مکمل کر لیا تو دنیا کی آبادی کو 10 تا 15 فیصد گھٹانے میں کامیاب ہو ہی جائیں گے!

بچوں کے حقوق کے علمبردار اور اینٹی ویکسی نیشن کارکن رابرٹ ایف کینیڈی نے بل گیٹس فاؤنڈیشن کے خلاف مہم چلا رکھی ہے۔ انہوں نے ایوانِ صدر سے مطالبہ کیا ہے کہ بل گیٹس فاؤنڈیشن کے بارے میں تحقیقات کی جائیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بل گیٹس فاؤنڈیشن نے ایک طرف تو طبّی مشق کے حوالے سے غیر قانونی و غیر اخلاقی حرکتیں کی ہیں اور انسانیت کے خلاف جرائم کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ بڑے دو اساز ادارے بل گیٹس کے ساتھ ہیں۔ انہیں عالمی ادارۂ صحت، بچوں کی بہبود کے ادارے یونیسیف، ڈاکٹر انتھونی فوشی اور دوسری بہت سی اہم شخصیات کی حمایت حاصل ہے۔ یہ ہے ایجنڈا آئی ڈی 2020ء دنیا بھر میں 7/ارب افراد کی ویکسی نیشن کی جانی ہے۔ یہ ویکسی نیشن کورونا وائرس کے انسداد کے نام پر ہوگی۔ کورونا کی ایک ایسی ویکسین آزمائی جائے گی، جو اب تک آزمائی نہیں گئی اور جس کے ممکنہ نتائج کے بارے میں پورے یقین سے کچھ بھی کہا نہیں جاسکتا۔ یہ کئی ارب ڈالر کا پراجیکٹ ہے، کئی بڑے دو اساز اداروں کا ایجنڈا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ویکسین کی کاک ٹیل میں ہے کیا۔ ویکسی نیشن ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک سے شروع ہوگی اور مرحلہ وار ترقی یافتہ معاشروں تک پہنچے گی۔

کورونا وائرس کیلئے جامع اور دیرپا نوعیت کی ویکسی نیشن تیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور لطیفہ یہ ہے کہ کورونا وائرس کیلئے کسی ویکسین کی ضرورت ہے ہی نہیں۔ اس کے بہت سے علاج موجود ہیں۔ فرانس کے پروفیسر ڈیڈیئر راؤلٹ متعدی امراض کے پانچ بڑے ماہرین میں سے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملیریا اور ''سارس'' کے تدارک کیلئے ہائیڈرا گزی کلورو کوئن انتہائی موثر ہے۔ یہ سستی بھی ہے اور آسانی سے دستیاب بھی۔ یہ دوا کورونا وائرس کے تدارک کیلئے بھی انتہائی کارگر ہے۔ فروری کے وسط تک ڈاکٹر ڈیڈیئر راؤلٹ کی لیب میں ہائیڈرا گزی کلورو کوئن کی مدد سے کورونا وائرس کے تدارک سے متعلق تجربات شروع ہو چکے تھے۔ چین میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہائیڈرا گزی کلورو کوئن کورونا وائرس کے حوالے سے صورتِ حال کو قابو میں رکھنے میں بھرپور مدد کر سکتی ہے۔ چائنیز نیشنل ہیلتھ کمیشن نے بھی کورونا وائرس کے تدارک کے طور پر ہائیڈرا گزی کلورو کوئن کے استعمال کی سفارش کی ہے۔

بروز سوموار 18 رمضان الکریم 1441ھ 11 مئی 2020ء

کرونا.....مکافاتِ عمل

کورونا وائرس کے ہاتھوں عالمی معیشت کو جو دھچکا لگا ہے اُس کے اثرات سے نمٹنے میں مدت لگے گی۔ لاک ڈاؤن نے دنیا بھر میں غیر معمولی معاشی مشکلات پیدا کی ہیں۔ امریکا سمیت ترقی یافتہ دنیا بھی مسائل سے دوچار ہے۔ امریکی معیشت کو پہنچنے والا نقصان بھی اتنا شدید ہے کہ ابھی سے کچھ ایسا کرنے کی بات کی جارہی ہے جس کے نتیجے میں کساد بازاری کو روکا جاسکے۔ 1930ء کے عشرے کی کساد بازاری کو یاد کرکے لوگ آج بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکا کے سامنے مسابقت کے میدان میں صرف سابق سوویت یونین رہ گیا تھا۔ یورپی استعماری قوتوں کی کچھ کرنے کی صلاحیت ختم ہوچکی تھی۔ وہ مزید کچھ کرنے کی بجائے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے پر متوجہ تھیں۔ برطانیہ نے ایسے میں کھل کر امریکا کا ساتھ دینے کا سوچا۔

فرانس اور دیگر ترقی یافتہ یورپی ممالک بھی امریکا کے ہم نوا ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی عالمی طاقت بننے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ یہی سبب ہے کہ امریکا اور برطانیہ مل کر سابق سوویت یونین کے خلاف صف آرا رہے۔ سرد جنگ کے پچاس برسوں میں امریکا نے کئی بحران پیدا کیے اور کئی بحران بھگتے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکا نے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کیلئے بہت کچھ کیا۔ کئی ممالک کو تاراج کیا گیا۔ مسلم دنیا سے امریکا کی دشمنی کھل کر سامنے آگئی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکا نے حسب عادت چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے عالم اسلام کو اپنے لئے خطرہ جان لیا۔ امریکا نہیں چاہتا تھا کہ پاکستان سمیت کوئی بھی مسلم ملک اتنا مستحکم ہو کہ کل کو امریکی مفادات کیلئے خطرے کی صورت میں اٹھ کھڑی ہونے والی کسی قوت کا ساتھ دینے کے قابل ہو۔

امریکا جانتا تھا کہ چین تیزی سے ابھر رہا ہے۔ ایسے میں لازم تھا کہ بند باندھا جاتا۔ نائن الیون اور ایسے ہی دوسرے واقعات کے ذریعے امریکا اور یورپ (بالخصوص برطانیہ) نے مل کر مسلم دنیا کو کنٹرول کیا۔ 20 برس کے دوران امریکا اور اس کے ہم نوا ممالک نے مسلم دنیا کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اب چین مستحکم ہو کر سامنے آچکا ہے تو امریکی پالیسی سازوں کی راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ چین کو کنٹرول کرنا بہت بڑا دردِ سر ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایسا بہت کچھ کیا جارہا ہے جو بدحواسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کورونا وائرس نے امریکا کی مشکلات دوچند کردی ہیں۔ واحد نام نہاد سپر پاور کو کساد بازاری سے بچانے کے سلسلے میں کسی بڑی ڈیل کا ذکر شروع ہوچکا ہے۔

ٹرمپ نے دھمکی دی ہے کہ وہ یو ایس پوسٹل سروس کو مکمل ناکامی سے دوچار ہونے دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو 245 سال پرانا ادارہ ختم نہیں ہوگا بلکہ 6 لاکھ سے زائد افراد بے روزگار ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک اچھے خاصے براعظم کے حجم کا ملک سب کو ایک لڑی میں پروئے رکھنے والی قوت سے محروم ہوجائے گا۔ دی یو ایس پوسٹل سروس ٹرمپ کو اُن کے ایک پیش رَو روزویلٹ سے جوڑتا ہے جنہوں نے غیر معمولی نوعیت کے معاشی بحران کا سامنا کیا تھا۔ شدید معاشی بحران کے دوران روزویلٹ نے معاشی سرگرمیوں کو تیز کرنے کیلئے ایک کام یہ کیا کہ ملک بھر میں ڈاک خانے تعمیر کرائے اور جو پہلے سے موجود تھے اُن کی مرمت اور تزئین و آرائش پر توجہ دی۔ 1930ء کے عشرے میں اس کھاتے میں سوا لاکھ عمارتیں بنائی گئیں۔ ان میں سے بہت سے ڈاک خانے آج بھی دیہی علاقوں اور چھوٹے قصبوں میں موجود ہیں۔ 1933ء سے 1941ء کے دوران امریکا بھر میں کم و بیش 6 لاکھ 50 ہزار میل طویل سڑکیں، 78 ہزار پُل اور کئی سو ایئرپورٹ تعمیر کیے گئے۔ تب امریکا کی آبادی موجودہ آبادی کا ایک تہائی تھی۔

ملک کو شدید معاشی بحران کے چنگل سے نکالنے کیلئے روزویلٹ نے جو کچھ بھی کیا وہ ''نیو ڈیل'' کی چھتری تلے تھا۔ روزویلٹ نے لاکھوں امریکیوں کو کام پر لگایا اور ملک سے افلاس ختم کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس بات کو بھی یقینی بنایا کہ مزدوروں کو منافع میں حصہ ملے۔ 1935ء کے دی ویگنر ایکٹ کے ذریعے امریکا میں محنت کشوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس ایکٹ کے ذریعے حکومت کو موقع ملا کہ یونین کی راہ مسدود کرنے والے آجروں کے خلاف کچھ کرے۔

1930ء کی دہائی کے دوران امریکا میں صرف 10 فیصد محنت کش متعلقہ انجمنوں کے تحت کام کرتے تھے اور اُن کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو پاتا تھا۔ 1950ء کی دہائی تک انجمنوں کے تحت کام کرنے والے امریکی محنت کشوں کی تعداد 30 فیصد تک ہو گئی۔ اجتماعی سودا کاری نے امریکی محنت کشوں کے حالات بہتر بنانے میں مثالی کردار ادا کیا۔ انہیں بے روزگاری الاؤنس سمیت بہت سے حقوق ملنے لگے۔ بے روزگاری الاؤنس اب تک برقرار ہے۔ اس وقت امریکا میں بے روزگار افراد کی تعداد کم و بیش 2 کروڑ 60 لاکھ ہے۔ اگر محنت کشوں کی انجمنوں کا دور شروع نہ ہوا ہوتا تو آج امریکا میں اتنے سارے بے روزگار افراد دو وقت کی روٹی کو بھی ترس رہے ہوتے۔ ملک بھر میں معمر افراد کو سوشل سیکیورٹی کے سیٹ اپ کے تحت افلاس سے غیر معمولی تحفظ حاصل ہے۔ اگر یہ سیٹ اپ نہ ہوتا تو امریکا بھر میں 65 سال سے زائد عمر کے افراد میں افلاس زدگان کا تناسب 7ء9 فیصد کی بجائے 8ء37 فیصد ہوتا۔

صدر روزویلٹ کی نیو ڈیل نے سیاسی اور معاشی طور پر انتہائی پریشان کن صورتِ حال سے دوچار ملک کو دوبارہ متحد کیا۔ اگر یہ ڈیل نہ ہوتی تو امریکا کیلئے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ممکن نہ ہوتا اور اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو امریکا دوسری جنگِ عظیم کے غیر معمولی اثرات سے کماحقہ نمٹنے میں کامیاب نہ ہو پاتا اور بقول شخصے دوسری جنگِ عظیم میں امریکا کی شکست دنیا بھر میں آزادی کی لہر کو شدید نقصان پہنچاتی۔ نئی ڈیل نے امریکا میں کاروباری طبقے کو مستحکم کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ محنت کشوں کو اجرت اور ریٹائرڈ ملازمین کو پنشن کی شکل میں جو کچھ ملا اُس سے اشیا و خدمات خریدی گئیں، معیارِ زندگی برقرار رکھنے اور پھر بلند کرنے میں مدد ملی۔ یوں معیشت کا پہیہ تیزی سے گھومنے لگا۔ نئی ڈیل کے تحت جو بنیادی ڈھانچا کھڑا کیا گیا اُسی کے توسط سے امریکا دوسری جنگِ عظیم کے بعد کی صورتِ حال میں پیداواری صلاحیت برقرار رکھنے کے قابل ہو سکا۔

کم و بیش چار عشروں کے دوران روزویلٹ کے دور کی نئی ڈیل کے اثرات کم کرنے، بلکہ مٹانے پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اکیسویں صدی کا امریکا بہت سے معاملات میں 90 سال پہلے جیسا امریکا دکھائی دے رہا ہے۔ آج انفرادی سطح پر آمدنی کا فرق وہی ہے، جو نئی ڈیل سے پہلے کے دور میں تھا۔ نجی شعبے میں یونین ازم صرف 6ء2 فیصد کی سطح پر ہے۔ روزویلٹ اور آئزن ہاور کے دور میں تعمیر کیے جانے والے بنیادی ڈھانچے کو مرمت کی ضرورت ہے۔ 2013ء میں دی امریکن سوسائٹی آف سول انجینئرز کے تخمینے کے مطابق پُلوں، سڑکوں اور سرنگوں کی مرمت کیلئے کم و بیش 3600 ارب ڈالر درکار ہیں۔

کورونا وائرس کی روک تھام کیلئے نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن کے نتیجے میں غیر معمولی بے روزگاری پھیلی ہے۔ بے روزگاری کے اعداد و شمار 1930ء کے عشرے کی کساد بازاری کے شروع ہونے سے پہلے کے اعداد و شمار سے خاصے ملتے جلتے ہیں۔ ایسے میں یہ بات کسی بھی سطح پر حیرت انگیز نہیں کہ کسی نئی ڈیل کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔

آزاد منڈی کی معیشت نے امریکی سیاست کو پوری طرح شکنجے میں کس رکھا ہے۔ یہ آزاد منڈی کی معیشت ہی ہے جو امریکا کو 1930ء کی دہائی کے دی گریٹ ڈپریشن کی سطح یا پھر اُس سے بدتر ڈپریشن کی طرف لے جاسکتی ہے۔ نوبیل انعام یافتہ معاشیات داں ملٹن فرائیڈمین کی سرکردگی میں نئی ڈیل کے امکانات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ نئی ڈیل کے تحت آزاد منڈی کی معیشت کی ورک فورس سے لاکھوں نوجوانوں کو نکالکر ڈاک خانوں، پُلوں اور سڑکوں کی تعمیر جیسے ''فضول'' کاموں میں لگادیا گیا تھا۔ یہ تمام منصوبے چونکہ سرمایہ داروں کے بینک اکاؤنٹس مستحکم نہیں بناتے اس لیے آج فضول سمجھے جاتے ہیں۔

امریکا کے سیاسی و معاشی نظام میں وال اسٹریٹ (اسٹاک مارکیٹ) کے سوا ہر گلی کو بھلایا جاچکا ہے۔ معاملات معیشت سے شروع ہوکر معیشت پر ختم ہوتے ہیں۔ کنزیومرازم نے پورے امریکی معاشرے کو دبوچ رکھا ہے۔ لوگ زیادہ سے زیادہ کمانے اور زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ذہنیت کے پنجرے میں بند ہوچکے ہیں۔ زندگی کا صرف ایک مقصد رہ گیا ہے... خوب کمایئے اور جو کچھ بھی کمایے وہ خرچ کرڈالئے۔

آزاد منڈی کی معیشت اپنی اصل میں انتہا پسند اور بے رحم ہے۔ اس کی عمر بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ سخت جان ہے۔ اس نے 2008ء کی کساد بازاری کے دوران لیمین برادرز کی تباہی کو بھی بہت خوبصورتی سے چھپاکر کچھ اور رنگ دے دیا تھا۔ امریکی مرکزی بینک ''دی یو ایس فیڈرل ریزرو'' نے سینکڑوں ارب ڈالر سسٹم میں ڈال کر مالیاتی بحران ٹالا۔ کئی بینکوں کو بیلنس شیٹس درست کرنے کیلئے خطیر رقوم دی گئیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس حوالے سے کم از کم 500 ارب ڈالر خرچ کیے گئے۔ اب دی ٹربلڈ ایسیٹ ریلیف پروگرام (ٹی اے آر پی) کے ذریعے ٹرمپ بینکوں اور بڑے کاروباری اداروں کو مکمل تباہی سے بچانے کی منصوبہ سازی کررہے ہیں۔ تھوڑا بہت کیش صارفین کو بھی دیا جارہا ہے۔ یعنی یہ کہ مجموعی طور پر کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ اسٹیمیولس فنڈ کے نام پر ڈھائی ہزار ارب ڈالر مختص کرنا دراصل عالمی معیشت کو ایک مقام پر روک دینے کیلئے تھا۔ سوچا یہ گیا کہ جب ملک دوبارہ کھلے گا تب اچھا زمانہ پلٹ آئے گا۔

2017ء میں ٹیکسوں میں کی جانے والی کٹوتیوں کے باعث امریکی حکومت معاشی سرگرمیوں کے بھرپور عمل کے دوران پہلے ہی بجٹ میں کم و بیش ایک ہزار ارب ڈالر کے خسارے سے دوچار تھی۔ اب حکومت کو بجٹ میں کم و بیش چار ہزار ارب ڈالر کے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چھوٹے کاروباری اداروں کو چلتا رکھنے، وفاقی اور ریاستی حکومتوں کے اداروں کے استحکام اور بے روزگاروں کو فاقوں سے بچانے کیلئے مزید ہزاروں ارب ڈالر درکار ہوں گے۔

تاہم کورونا وائرس نے امریکی معیشت کا بھانڈہ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اقوام متحدہ سے لیکر ٹرمپ تک ہر ایک نے بتایا کہ امریکا ایک ترقی یافتہ معیشت ہے۔

اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں میں الجھا کر دنیا کی سٹاک مارکیٹس میں مصنوعی برتری کے ساتھ دنیا بھر کے ممالک کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر امریکا کے بینکوں کو خوب استعمال کیا گیا جبکہ کرونا وائرس نے امریکا کے صحت کے دیکھ بھال کے نظام کی کئی خطرناک کمزوریوں کا انکشاف کر دیا کہ کس طرح ایک مشہور امریکی صحافی کی موت کی کہانی شائع ہونے پر سرمایہ داری کے اس نظام کی قلعی کھل گئی۔ سوسن فنلی میں جب فلو جیسی علامات پیدا ہوئیں تو وہ ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی کیونکہ وہ اس لاگت سے گھبراتی تھی۔ بعد میں فنلی کے دادا دادی نے اسے اپنے اپارٹمنٹ میں مردہ پایا۔ وہ 53 سال کی تھیں۔ کرونا کے نتیجے میں فنلی کا انتقال نہیں ہوا۔ وہ 2016 میں امریکا کے صحت کی دیکھ بھال کے نظام کے نتیجے میں فوت ہو گئی۔ ایسا نظام جس کی وجہ سے وہ قرض سے بچنے کیلئے عام فلو کے علاج سے گریز کر سکے۔ یہ وہی نظام ہے جو اس وقت وبائی مرض کے دباؤ میں ہے جس کے بارے میں ماہرین نے خبردار کیا تھا لیکن حکومتیں اس کی تیاری میں ناکام رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو "ترقی یافتہ" کی اصطلاح کے لئے اہل نہیں ہے۔

ہمیں امریکی صدر سے اقوام متحدہ تک ہر ایک نے بتایا کہ امریکا ایک ترقی یافتہ معیشت ہے لیکن یہ تو اس کے برعکس ہے جو اس کی تعریف بتائی گئی۔ ترقی یافتہ معیشتیں تب ہی واقع ہو سکتی ہیں جب ان کا موازنہ ان کے غریب "ترقی پذیر" ہم منصبوں سے کیا جائے۔ کرونا نے صرف ایک ہی حملے سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ کامیابی کا دعویٰ کرنے والے امریکی نظام کی ایسی دراڑیں دکھائیں ہیں جن کے بارے میں امریکا یا اس کے ہم نوا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

عالمی مالی تجزیہ نگاروں کے مطابق اس صورتِ حال میں اب لازم ہے کہ یو ایس پوسٹل سروس اور امریکی ادارہ صحت کو مکمل ناکامی یا تباہی سے بچایا جائے۔ ٹرمپ انتظامیہ کو معاشی بحران سے بہ طریق احسن نمٹنے کیلئے بہت کچھ کرنا ہے۔ امریکی معیشت کو مکمل تباہی سے بچانے کیلئے جو کچھ کرنا ہے وہ موجودہ امریکی حکومت کو روزویلٹ سے سیکھنا چاہیے لیکن تیسری دنیا کے ممالک کا ان داتا جس کے جنبش ابرو پر حکومتیں تہہ و بالا ہو جاتی تھیں، جس کے ایک اشارہ پر سینکڑوں سال کی روایات کے امین ممالک کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا گیا، لاکھوں افراد کے پرخچے اڑا دیئے گئے۔ جس کسی ملک نے اپنی خود مختاری کی حفاظت کیلئے سر اٹھایا، وہاں ایسا بحران پیدا کر دیا جاتا کہ ان کی سلامتی اور امن وامان کو تباہ و برباد کر دینا اپنا مادری حق سمجھتا تھا لیکن آج ایک ان دیکھے جرثومے کے سامنے بے بس دکھائی دیتا ہے۔ یہ ہے وہ مکافات عمل جس سے وہ اب بھی بھارت سمیت کچھ ممالک سبق سیکھنے کو تیار نہیں۔

بروز منگل 19 ورمضان الکریم 1441ھ 12 مئی 2020ء

کورونا.....وائرس کے ذمہ دار۔۔۔پناہ گزیں یا سیاح

فضائی سفر، سمندر میں تفریحی سفر، مخلوط رہائش، مل بیٹھنے کے مقامات، سنیما ہال، اوپن ایئر تھیٹر، مارکیٹس، کھیل کے میدان، تماشائیوں کے بیٹھنے کا اہتمام... کیا یہ سب کچھ خواب و خیال ہو جائے گا؟ جب سے کورونا نے دہشت پھیلائی ہے، کروڑوں بلکہ اربوں ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات سر اٹھا رہے ہیں۔ خدشات ہیں کہ محض پیدا نہیں ہو رہے بلکہ خطرناک رفتار سے پنپ بھی رہے ہیں. کورونا کے اثرات غیر معمولی حد تک دور رس ہیں۔ یہ اثرات نادیدہ ہیں جو تیزی سے زور پکڑ رہے ہیں۔ یہ انتہائی مضبوط ہے، تیزی سے متحرک ہوتا ہے، علامات کے بغیر متاثر کرتا ہے اور پھر جب تک تدارک کا سوچیے اور کچھ کیجیے تب تک یہ جڑ پکڑ چکا ہوتا ہے۔

یہ کسی کو بھی لاحق ہو سکتا ہے، اس لیے مشکوک یا مشتبہ مریضوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اب تک اس کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتیں اچھی خاصی ہیں۔ یہ پوری دنیا کو مستقل نوعیت کے دردِ سر سے دوچار کر سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدحواسی بہت زیادہ ہے۔ ایک دنیا ہے کہ پریشانی کے دائرے سے نکل نہیں پا رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ بدترین فلو کے مقابلے میں کورونا سے ہونے والی ہلاکتیں بیس سے تیس گنا ہوں گی۔ ایک زمانے سے ہم مصنوعی ذہانت کا شور سنتے آئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس معاملے میں شور زیادہ تھا اور کام کی بات بہت کم۔ کورونا کہاں سے ابھرے گا، کہاں پروان چڑھے گا اور کس طور پھیلے گا، اس حوالے سے کوئی بھی پیش گوئی کرنے میں مصنوعی ذہانت مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔

دنیا بھر میں لوگ اب بایو ٹیک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اس شعبے نے اب تک تو ایسا کچھ خاص نہیں کیا، جس پر غیر معمولی حد تک فخر کیا جا سکے۔ اب بڑا موقع موجود ہے۔ بایو ٹیک کے ماہرین کو کورونا اور ایسی ہی دیگر بیماریوں اور وباؤں کی روک تھام کے حوالے سے کچھ کر کے دکھانا ہے۔ ان کے کاندھوں پر بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ اس چیلنج سے بطریقِ احسن نمٹ پانے کی صورت میں معاملات اس کے حق میں ہو سکیں گے۔ بایو ٹیک کے شعبے کو سب سے پہلے تو کورونا کی موثر، قابلِ اعتماد ویکسین تیار کرنی ہے۔ اس مرحلے سے گزرنے کی صورت ہی میں اُس کے مزید پنپنے کی راہ ہموار ہو گی۔

ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کورونا کا نقطۂ عروج کیا ہو گا۔ بہت سے معاملات اب تک سمجھ میں نہیں آسکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ عمومیت تبدیل ہونے والی ہے یعنی نیا ''نارمل'' سامنے آنے والا ہے۔ دنیا کو اب کورونا سے پہلے اور بعد کی کہا جائے گا۔ مستقبل میں ایسا بہت کچھ ہو گا، جو پہلے کبھی نہیں تھا اور جو کچھ اس وقت موجود ہے اس کا بڑا حصہ جاتا رہے گا۔ زیادہ پُرامید ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں کچھ مدت کے بعد پھر نئے سوالوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔ پوری دنیا میں یہ سوال اربوں ذہنوں میں کلبلا رہا ہے کہ ''نیا نارمل'' کیا ہو گا اور ہمیں اس کی کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کچھ ہمارے لیے نیا نارمل ہو گا، اُس کی شکل کیا ہو گی۔

سیاحت دنیا بھر میں بڑے معاشی شعبوں میں سے ہے۔ کورونا کی وبا نے سیاحت کے شعبے کو خطرناک حد تک متاثر کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد سمندری جہاز پر دنیا کی سیر اب ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گی۔ ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ ایئر لائنز کا کیا ہو گا۔ اکیسویں صدی میں عالمگیریت کی سب سے بڑی لائف لائن ایئر لائنز ہیں۔ فضائی سفر ہی نے کرۂ ارض کو گاؤں کی سی شکل دے دی ہے، فاصلے یوں مٹا دیے ہیں کہ بہت سی ثقافتیں ایک

دوسرے میں ضم ہو گئی ہیں۔ فضائی سفر میں لوگ کئی گھنٹوں تک ایک دوسرے سے جڑ کر بلکہ ایک دوسرے میں ٹھنس کر سفر کرتے ہیں۔ کروز شپ میں اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ ایک دوسرے سے دور رہتے ہوئے سفر کریں۔ مشکل یہ ہے کہ کورونا کی علامات ہر مریض میں پہلے مرحلے میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ کوئی ایک مسافر بھی بہت سوں کو اس کے دام میں لانے کا باعث بن سکتا ہے۔ فروری کے آخر میں آسٹریا اور اٹلی کے تفریحی مقامات پر ایسا ہی ہوا تھا۔ اسکیئنگ سیزن شروع ہونے پر بڑی تعداد میں سیاح آئے اور کورونا کے تباہ کن پھیلاؤ کا سبب بن گئے۔ ''2003ء میں چین سے ''سارس'' ابھرا تھا۔ تب ایک ارب 65 کروڑ افراد نے فضائی سفر کیا تھا۔ 2018ء میں فضائی سفر کرنے والوں کی تعداد 4 ارب 20 کروڑ تک تھی۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کورونا یا کوئی دوسرا فضائی سفر کرنے والوں کے ذریعے کتنی تیزی سے اور کتنے بڑے پیمانے پر پھیل سکتا ہے۔

1۔ کیا بڑے اجتماعات اور اجتماعات والے کاروبار ختم ہونے کو ہیں؟ شراب خانے، ریسٹورنٹ، کیفے، ڈسکوز، سنیما گھر ماضی کا قصہ ہو کر رہ جائیں گے؟
2۔ کیا گھر بیٹھے علم حاصل کرنے کا رجحان اِتنی تیزی سے پروان چڑھے گا کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے ڈھانچے تبدیل ہو جائیں گے؟ کیا اینٹ اور سیمنٹ سے بنے کیمپس خواب و خیال ہو کر رہ جائیں گے؟
3۔ خوراک اور پھل کس طور محفوظ بنائے جاسکیں گے؟ کھانے پینے کی اشیا اور پھل یا پھلوں کے جُوس سے بھی تو کوئی بھی تیزی سے پھیل سکتا ہے۔ اس وقت بھی اشیائے خورد و نوش اور پھل کس حد تک محفوظ ہیں؟
4۔ کیا اب غیر قانونی تارکین وطن کا سلسلہ رک جائے گا؟
5۔ اس وقت دنیا ہنگامی کیفیت سے دوچار ہے۔ کورونا نے حقیقی عالمگیر وبا کی صورت اختیار کی ہے اور اس کے نتیجے میں شدید بدحواسی کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ ایسے میں دہشتگردی کا خطرہ بڑھ گیا ہے؟ اور اگر دہشتگردی ہوئی تو ریسپانس کس حد تک جاندار ہوگا؟
6۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ لاک ڈاؤن کے دوران دہشتگردی کی صورت میں ہلاکتیں کم ہوں گی کیونکہ بھیڑ بھاڑ والے مقامات ناپید سے ہیں مگر اسپتال؟ وہاں تو بھیڑ ہی بھیڑ ہے۔

کورونا کی کامیاب اور دیرپا اثرات کی حامل ویکسین کا انتظار ہے تاہم ایسی کوئی بھی ویکسین رواں سال کے آخر تک تو سامنے آتی دکھائی نہیں دے رہی اور اگر ویکسین بنا بھی لی جائے تو اربوں خوراکیں تیار کرنا پڑیں گی۔ سوال یہ ہے کہ فارما انڈسٹری کتنوں کا علاج کرسکے گی؟ کورونا کے مریضوں میں سے 5 تا 10 فیصد کو وینٹی لیٹرز کی ضرورت پڑے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ مستقبل میں وینٹی لیٹرز کی فراہمی کس حد تک ممکن بنائی جاسکے گی۔

اس وقت یورپ عجیب کیفیت سے دوچار ہے۔ کورونا کے بطن سے پیدا ہونے والا بحران شدت اختیار کرتا جارہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ کامیابی کے دعوے بھی کیے جارہے ہیں۔ منصوبہ بندی کے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں میں جرمن بہت نمایاں ہیں۔ یورپ کی حد تک سوچیے تو جنگ کا دور اب رہا نہیں۔ اس کا اسلحہ خانہ کمزور پڑتا جارہا ہے۔ یورپ کے بیشتر ممالک کے ٹینک، ہیلی کاپٹر اور آبدوزیں مطلوب معیار کے مطابق نہیں۔ آزمائش کی کسوٹی پر ان میں بہت سی اشیا بہت حد تک ناکام رہی ہیں۔
جرمنی میں بائیں بازو اور وسط کی لڑائی جاری ہے۔ معاملات میں بگاڑ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اٹلی میں فیس ماسک کی قلت سمجھ میں نہ آنے والی بات نہیں مگر

جرمنی میں یہ قلت کیوں ہے؟ معمر افراد کی بڑھتی ہوئی تعداد والے معاشروں میں نرسوں اور لیب ٹیکنیشنز کی کمی تو سمجھ میں آتی ہے مگر فیس ماسک کی قلت؟

کورونا کے نمودار ہونے سے پہلے کیفیت یہ تھی کہ پلاسٹک سے ہمارا جی بھر گیا تھا۔ اس سے جان چھڑانے کی بھرپور کوشش کی جارہی تھی۔ کورونا کی وبا میں پلاسٹک اہم ڈھال بن کر سامنے آیا ہے۔ دنیا ایک بار پھر پلاسٹک پر متوجہ ہے اور پلاسٹک کی عظیم واپسی کی دعائیں مانگی جارہی ہیں!

کورونا کی وبا نے جو چند باتیں سکھائی اور سُجھائی ہیں اُن میں دو بہت اہم ہیں:

1۔ غیر ضروری اشیا سے جان چھڑانے کا زمانہ آگیا ہے۔ معاشیات میں پڑھائی جانے والی چیزوں میں قانونِ تقلیلِ افادۂ مختتم بہت اہم ہے۔ یعنی کسی بھی چیز کی اُتنی ہی قیمت ادا کی جائے، جس قدر اُس سے تسکین مل سکتی ہو۔ کورونا کے ہاتھوں عالمگیر کساد بازاری بالکل یقینی ہے۔ یہ شدید تر بھی ہو سکتی ہے۔ عالمی معیشت معاملات کو بحال تو کر ہی لے گی مگر کس حد تک؟ اس کا مدار ہم پر ہے۔

2۔ کورونا کی مہربانی سے لوگوں کو گھروں میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ معیشتوں کا ڈھانچا تبدیل ہو جائے اور انسان کو کم محنت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع ملے۔ اب زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ زیادہ محنت اس لیے کی جاتی ہے بعد میں فراغت میسر ہو۔ اگر فراغت میسر رہے تو زیادہ کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حرفِ آخر یہ ہے کہ کورونا کی وبا پناہ گزینوں سے نہیں، سیاحوں سے پھیلی ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام مہاجر کیمپ کرونا وبا سے محفوظ ہیں لیکن اس وقت یورپی یونین کیلئے کرونا سب سے بڑا امتحان بن گیا ہے۔ پچھلے پانچ ہفتوں کے بحران نے یورپی یونین کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی تانے بانے کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔ یورپی یونین ابھی تک 2015ء کے تارکین وطن کے سیلاب کے بعد عوامی مقبولیت اور قوم پرستی کی لہروں سے نمٹنے کا مقابلہ کر رہا تھا کہ کرونا نے اسے دہرا جھٹکا دے ڈالا ہے۔ برطانیہ کا یورپی یونین سے دستبرداری، اور چانسلر انجیلا مرکل کی کمزوری کے پیچھے جرمنی کا سیاسی ٹکراؤ کی دراڑیں مزید گہری ہو گئی ہیں۔ یورپی یونین نے شام کے مہاجرین کو یورپ میں داخلے سے روکنے کیلئے ترکی کو 6 بلین یورو کا پیکج دینے کا لالچ بھی دیا تھا جسے ترکی نے مسترد کر دیا تھا۔ ترکی نے پولیس، کوسٹ گارڈ اور سرحدی سیکیورٹی کے عہدیداروں کو یہ حکم دیا کہ وہ پناہ گزینوں کو یورپی یونین میں جانے میں رکاوٹ نہ بنے جس کے جواب میں بلغاریہ نے ترکی کی سرحد پر ایک ہزار اضافی فوج بھیج کر ان کو روکنے کی کوشش کی اور یونانی نے تو تارکین وطن پر ایک کراسنگ پر دھواں دار دستی بموں سے حملہ کر کے ان کو واپس ترکی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی۔

ادھر ٹرمپ نے تو باقاعدہ چین کو کرونا وبا پھیلانے کا ذمہ دار قرار دینے کی کوشش بھی کی ہے جس کے جواب میں چین نے اسے باہم سفارتکاری کو نقصان پہنچانے کی سازش قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ وقت تناؤ بڑھانے کا نہیں بلکہ مل کر ساری دنیا کو اس بحران سے نجات دلانے کا ہے۔ چونکہ دنیا اس وقت

کرونا جیسی مہلک وبائی بیماری سے ہونے والی انسانی اور معاشی تباہی سے دوچار ہے لیکن چین اور امریکا کے درمیان سرد جنگ میں پیدا ہونے والا تناؤ بھی وبائی امراض سے لڑنے کی کوششوں میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ اس کے چند گھنٹے کے بعد ٹیلیویژن انٹرویو کے دوران، امریکی وزیر خارجہ مائک پومپیو نے کہا کہ "اس کے بہت سارے ثبوت موجود ہیں کہ نئی کورونا وائرس کا آغاز ووہان لیبارٹری سے ہوا ہے لیکن اس نے کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔ سائنس دانوں، صحت کے عہدیداروں اور امریکی انٹیلی جنس کمیونٹی نے پہلے کہا ہے کہ کرونا وائرس انسان ساختہ یا جینیاتی طور پر تبدیل شدہ نہیں تھا بلکہ "فطری طور پر قدرتی تھا"۔

ادھر 30 اپریل 2020 کو امریکی انٹیلی جنس نے فوری طور پر ایک مختصر پریس ریلیز جاری کی ہے کہ "پوری انٹیلی جنس کمیونٹی امریکی پالیسی سازوں اور کرونا وائرس کا جواب دینے والے افراد کو مستقل طور پر چین میں پیدا ہونے والی تنقیدی مدد فراہم کرتی رہی ہے۔ انٹیلی جنس کمیونٹی بھی وسیع سائنسی اتفاق سے اتفاق کرتی ہے کہ کرونا وائرس کو انسان ساختہ یا جینیاتی طور پر تبدیل نہیں کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم اس وقت شدید بحرانوں کی زد میں ہیں، اس کمیونٹی کے ماہرین امریکا کی قومی سلامتی کیلئے ضروری امور پر وسائل میں اضافے اور تنقیدی ذہانت پیدا کر کے جواب دیتے ہیں۔ آئی سی ابھرتی ہوئی معلومات اور انٹیلی جنس کی سختی سے جانچ پڑتال کرے گا تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ یہ وبا متاثرہ جانوروں کے ساتھ رابطے کے ذریعے شروع ہوئی ہے یا اگر وہ ووہان کی لیبارٹری میں ہونے والے کسی حادثے کا نتیجہ میں پھیلی ہے"۔

ڈبلیو ایچ او کی ترجمان فدیلہ چائب نے کہا کہ "تمام دستیاب شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ وائرس جانوروں میں پایا جاتا ہے لیکن اسے لیب میں یا کسی اور جگہ جوڑ توڑ یا تعمیر نہیں کیا گیا ہے۔ ایک امریکی محقق جس نے ووہان وائرولوجی لیب کے ساتھ کام کیا وہ 4 وجوہات بتاتا ہے کہ کورونا وائرس لیک ہونے کا انتہائی امکان نہیں ہے۔

(1) ایک منجمد تھیوری سے پتہ چلتا ہے کہ کورونا وائرس چین کے ووہان انسٹی ٹیوٹ آف ویرولوجی کی ایک لیب سے لیک ہو سکتا تھا، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(2) ایک امریکی محقق جس نے ووہان لیب میں سائنس دانوں کے ساتھ مل کر کام کیا ہے، نے بزنس انسائیڈر کو سمجھایا کہ حادثاتی لیب کا رساؤ کا کیوں انتہائی امکان نہیں ہے۔

(3) اعلیٰ سیکیورٹی لیب کا کہنا ہے کہ ناول کرونا وائرس کے جینوم کا کوئی ریکارڈ نہیں ملا ہے اور لیب میں تمام سخت عالمی حفاظتی اقدامات کی پیروی کی جاتی ہے۔

(4) اس سے کہیں زیادہ امکان ہے کہ یہ وائرس قدرتی طور پر چمگادڑوں سے پھیلا ہو، جہاں کسی دوسرے جانور نے اسے کھالیا ہو اور اس سے کورونا وائرس بن گیا ہو اور اس وائرس نے کسی انسان پر حملہ کر دیا ہو۔

نیویارک ٹائمز کے مطابق ٹرمپ کے قومی سلامتی کے نائب مشیر میتھیو پوٹنجر نے جنوری میں انٹیلی جنس ایجنسیوں سے کہا کہ وہ کرونا وائرس کے ووہان لیب سے لیک ہونے کے خیال پر غور کریں لیکن سی آئی اے افسران کو اب تک کوئی ثبوت نہیں ملا۔ گویا ٹرمپ انتظامیہ کے پاس چین کو مورد الزام

ٹھہرانے کا کوئی واضح ثبوت نہیں اور امریکا اور اس کے تمام اتحادی اس بات سے باخبر ہیں کہ یہ معاملہ کسی تیسری دنیا کے پسماندہ ملک یا کسی مسلمان ملک کے ساتھ نہیں جیسا کہ عراق اور افغانستان کے ساتھ کیا گیا بلکہ چین کے ساتھ ہے جو نہ صرف ایک ایٹمی قوت کے علاوہ ایک مضبوط معاشی ملک ہے اور امریکا 1.7 ٹریلین ڈالر کا صرف چین کا مقروض ہے۔ یہ 6.7 ٹریلین ڈالر کا 16 فیصد ٹریژری بل، نوٹ اور بیرونی ممالک کے بانڈز کی شکل میں خود امریکی حکومت کے پاس ہے۔

بروز اتوار 24 رمضان الکریم 1441ھ 17 مئی 2020ء

کورونا....امریکااوریورپی یونین میں تجارتی فاصلہ

کوروناوائرس کے ہاتھوں پھیلنے والی تباہی کے اثرات دیکھتے ہوئے یورپ کیلئے مارشل پلان کی طرز پر کسی بڑے امدادی پروگرام کی بات کی جارہی ہے۔یورپی یونین کمیشن کے صدر،اطالوی وزیراعظم اور ہسپانوی وزیراعظم یورپ کے اُن رہنماؤں میں نمایاں ہیں جو ابھی سے مارشل پلان کی طرز پر کوئی بڑاامدادی پیکیج متعارف کرانے کے حق میں بات کرنے لگے ہیں۔یورپی یونین کمشنر تھیئری بریٹن نے تو یہ بھی کہاہے کہ یورپ میں سیاحت کے شعبے کی مکمل اور بروقت بحالی کیلئے بھی الگ سے کوئی بڑاامدادی پیکیج آناچاہیے۔

یادرہے کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر یورپ کودوبارہ اپنے پیروں پر کھڑاہونے کے قابل بنانے کیلئے امریکانے ایک بڑا منصوبہ شروع کیاتھا،جسے مارشل پلان کانام دیاگیاتھا۔اس پروگرام کے تحت یورپ کے 18 ممالک کو12/ارب ڈالردیے گئے جوآج کی قدر کے اعتبار سے کم وبیش200/ارب ڈالرہوتے ہیں۔ برطانیہ کومارشل پلان کے تحت کی جانے والی فنڈنگ کا26فیصد،فرانس کو18فیصداور مغربی جرمنی کو11فیصد ملا۔مارشل پلان یورپ کودوبارہ معاشی استحکام کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کا پھیلاؤروکنے کیلئے بھی تھا۔دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس اور جرمنی میں اشتراکیوں نے مستحکم ہوناشروع کردیاتھا۔سرمایہ دارانہ نظام کے ہاتھوں ہونے والی تباہی سے بدظن عوام اشتراکیت کی طرف جھک رہے تھے۔ایسے میں امریکااوراُس کے حاشیہ برداروں کیلئے لازم ہوگیاتھاکہ اشتراکیت کی راہ روکنے کیلئے کھل کر میدان میں آئیں اور کمزور ممالک کوامداد دے کراشتراکی بلاک کی طرف جانے سے روکیں۔مارشل پلان شرائط سے پاک نہ تھا۔یورپ کے کمزور ممالک کوامریکااور مضبوط یورپی ممالک کی بہت سی باتیں ماننا پڑیں۔

مارشل پلان کواُس وقت کے امریکی وزیرخارجہ جنرل جارج مارشل سے موسوم کیاگیاتھا۔اُس وقت کے امریکی صدرہیری ٹرومین کے دستخط سے یہ پلان 3/اپریل1948ء کونافذ کیاگیاتھا۔(بحالیٔ یورپ)پروگرام کہلانے والے اس منصوبے کو بعد میں یوروپین ریکوری ایکٹ میں تبدیل کردیاگیا۔

آج کے یورپی قائدین کاحافظہ کمزورہوچلاہے۔اُنہیں75سال پہلے کے حالات کاکچھ اندازہ ہی نہیں۔دوسری جنگ عظیم نے یورپ کو تباہی سے دوچار کردیاتھا۔ایسے میں لازم تھاکہ یورپ کی تعمیرنوپر توجہ دی جاتی۔یورپ کو جس معاشی بدحالی کاسامناتھا،وہ ایک بڑی جنگ کا نتیجہ تھی۔آج حالات بہت مختلف ہیں۔ایک وائرس کے ہاتھوں پیداہونے والی پیچیدگیوں کوکسی بھی اعتبار سے اُن حالات پر منطبق نہیں کیاجاسکتاجو عالمی نوعیت کی جنگ کی کوکھ سے پیداہوئے تھےاور یہ بات بھی قابلِ غورہے کہ جس طورمارشل پلان کونافذ کیاگیاتھااگرآج اُسی طرز کے کسی امدادی پیکیج کواُسی انداز سے نافذ کرنے کی کوشش کی گئی توبیورپ ہی میں اِس کی مخالفت میں آوازیں اٹھنے لگیں گی۔یہ حقیقت یانکتہ کسی بھی طور نظرانداز نہیں کیاجاناچاہیے کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر فرانس، جرمنی اور دیگر یورپی ممالک میں اشتراکیوں کی پوزیشن مستحکم ہونے لگی تھی۔یہ امریکااوراس کے ہم نوا ممالک کیلئے خطرے کی گھنٹی تھی۔اشتراکیت کی راہ روکنے کیلئے امدادی پیکیج کامتعارف کرایاجانالازم تھا۔سابق سوویت یونین کے راہنماسٹالن نے ترکی اوریونان میں اشتراکیت کی جڑوں کو مستحکم کرناشروع کردیاتھا۔مشرقی یورپ کے جن ممالک میں اشتراکی مستحکم تھے،وہاں غیراشتراکیوں کاصفایا کرنے

کی مہم شروع کر دی گئی تھی۔

آج کے یورپ میں کئی ممالک ایسے ہیں جنہیں کورونا وائرس کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کرنے کیلئے تنہا چھوڑ دیا گیا تو وہاں دائیں بازو کی عوامیت پسند اور قوم پرست جماعتوں کے ذریعے یورپی یونین مخالف جذبات کو تیزی سے فروغ پانے کا موقع ملے گا۔ آج یورپی یونین کے ارکان میں عوامی جذبات کے اُچھال کی بنیاد پر سیاست کرنے کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے مگر یہ جذبات کسی بھی طور اِتنے طاقتور نہیں کہ اشتراکیوں کی طرح پوری قوت سے معاشرت و معیشت کو دبوچ سکیں۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ مارشل پلان کے تحت یورپ کو دی جانے والی رقم آج کی قدر کے اعتبار سے 200 ارب ڈالر تھی جبکہ اس وقت یورپی یونین کمزور پڑ جانے والے ارکان کی بحالی کیلئے کم و بیش 1500/ارب ڈالر کا اہتمام کر رہی ہے۔ یہ فنڈنگ یوروپین اسٹیبلٹی میکینزم اور یورپین سینٹرل بینک کے ذریعے ممکن بنائی جائے گی۔ ہاں، اس فنڈنگ کی تقسیم کے طریق کار پر اختلافات ضرور پائے جاتے ہیں۔ شمالی یورپ کے مضبوط اور خوش حال ممالک (سوئیڈن، ڈنمارک، جرمنی وغیرہ) نہیں چاہتے کہ امدادی رقوم شرائط کے بغیر دی جائیں۔ جنوبی یورپ کی کمزور اور قدرے بدحال ریاستوں کی بھرپور مدد کرنے کے حوالے سے اختلافات اور تحفظات پائے جاتے ہیں۔

مارشل پلان کے تحت دی جانے والی رقوم بنیادی طور پر انتہائی آسان شرائط کے تحت دیے جانے والے قرضوں پر مشتمل تھیں اور اس میں بھی امریکا کا مفاد نمایاں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کی صنعتی برآمدات بڑھیں۔ مشین ٹولز اور مشینری کی یورپ کو اشد ضرورت تھی۔ پیداواری عمل بھرپور انداز سے شروع کرانے کیلئے امریکا نے یورپ کی اِس طور مدد کی کہ اُس کی اپنی برآمدات کو بھی فروغ ملا۔

امریکا کی سربرآوردہ کاروباری شخصیات نے مارشل پلان پر عمل کی بھرپور نگرانی کی۔ انہوں نے امداد وصول کرنے والے ہر یورپی ملک کے دارالحکومت میں اپنے دفاتر کھولے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ امداد امریکا کے طے کردہ طریق کار کے مطابق ہی تقسیم اور استعمال ہو رہی ہے۔ صنعتی پیداوار کے امریکی ماہرین اور ٹریڈ یونین راہنماؤں نے یورپ کے دورے کیے جن میں وہاں کی حکومتوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کاروباری نظم و نسق کے جدید ترین اصول اور اطوار ہی حقیقی خوش حالی یقینی بنانے کیلئے ناگزیر ہیں۔ اٹلی نے کہا ہے کہ اُسے شرائط کے بغیر امداد کی ضرورت ہے۔ اُس نے ابھی سے اعلان کر دیا ہے کہ مارشل پلان کی طرز پر دی جانے والی امداد اُسے قبول نہ ہوگی اور اُسے کسی بھی منصوبے کے حوالے سے بیرونی نگرانی قبول نہیں۔

اشتراکیوں نے مارشل پلان قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سابق سوویت یونین کے زیرِ اثر مشرقی یورپ کے ممالک نے تعمیرِ نو کیلئے اپنے زورِ بازو پر بھروسا کرنے کی ٹھانی۔ مارشل پلان کے تحت دی جانے والی امداد قبول کرنے سے انکار کیا گیا۔ فرانس میں امریکی مخالفت اس قدر بڑھی کہ مارشل پلان کے تحت لائی جانے والی امداد کو منزل تک پہنچنے سے روکنے کیلئے ایک ٹرین پر حملہ کرکے 16/افراد کو قتل بھی کر دیا گیا۔ یہ انتہائی رویہ بیک فائر کر گیا۔ 1950ء کی دہائی کے دوران برطانیہ، فرانس، اٹلی اور جرمنی پر رجعت پسندوں کی حکومت رہی۔

مارشل پلان آزاد تجارت پر مبنی تھا اور دوسری جنگِ عظیم کے ہاتھوں تباہ ہونے والی یورپی ریاستوں کو سیاسی اعتبار سے مربوط ہونے کی تحریک دی گئی۔ اس وقت یورپ کو معیشتی بحالی کیلئے امداد کی ضرورت ہے۔ مارشل پلان کی طرز پر کوئی پیکیج پر کشش تو دکھائی دیتا ہے مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس وقت یورپ میں وہ حالات نہیں جو مارشل پلان کے وقت تھے۔

بروز بدھ 4 شوّال المعظم 1441ھ 27 مئی 2020ء

کورونا تائیوان میں ناکام

تائیوان جو چین کے ساحل سے صرف 80 کلو میٹر دور ہے اور جان ہاپکنز یونیورسٹی کے ماہرین نے پیش گوئی کی تھی کہ کورونا وائرس سے چین کے بعد سب سے زیادہ تائیوان متاثر ہو گا لیکن دنیا حیران ہے کہ نہ لاک ڈاؤن نہ ایسے ہی دوسرے اقدامات۔ عالمی ادارۂ صحت کی رکنیت بھی نہیں، اس کے باوجود تائیوان کورونا وائرس کو اس طور شکست دینے میں کامیاب رہا ہے۔ تائیوان کی آبادی 2 کروڑ 40 لاکھ ہے۔ تائیوان کے 4 لاکھ باشندے چین میں کام کرتے ہیں۔ اپریل کے وسط تک تائیوان میں کورونا وائرس کے صرف 400 کیس سامنے آئے اور صرف 6 اموات واقع ہوئی۔ تائیوان میں جن 400 افراد کو کورونا وائرس نے اپنی لپیٹ میں لیا اُن میں سے بیشتر کہیں گئے نہیں تھے یعنی یہ وائرس اندرونی سطح پر پھیلا۔ تائیوان کی حکومت نے لاک ڈاؤن متعارف کرایا نہ اِسی نوعیت کا کوئی اور انتہائی اقدام کیا۔ سب کچھ چلتا رہا مگر کورونا نے تباہی نہیں مچائی، کیوں؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔ کیا تائیوان نے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جو باقی دنیا کو معلوم نہ تھا۔ تائیوان کیسے بچ گیا؟

امریکا نے کورونا سے نمٹنے کیلئے سخت ترین اقدامات کیے۔ لاک ڈاؤن نافذ کرکے پوری قوم کو قرنطینہ کر دیا گیا۔ معیشت کا پہیہ رک گیا۔ یہ معاملہ پوری دنیا کا ہے۔ اب امریکی قیادت عالمی ادارۂ صحت کو خدا حافظ کہنے کے بارے میں غور کر رہی ہے۔ تائیوان تو اس عالمی ادارے کا رکن ہے ہی نہیں۔ تائیوان کو عالمی ادارۂ صحت کی رکنیت اس لیے نہیں دی گئی کہ چینی قیادت تائیوان کو باغی، الگ ہو جانے والا صوبہ قرار دیتی ہے۔

کیا تائیوان کو پہلے سے اندازہ تھا کہ کورونا یا اِس سے ملتی جلتی کوئی وبا پھیلے گی؟ معاملہ تو کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ تائپے ٹائمز کے مطابق 31 دسمبر 2019ء کو تائیوان کی حکومت نے چین کو خبردار کیا کہ کورونا کی وبا پھیل سکتی ہے، اس لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔ تب تک چین ایسی کسی وبا کے پھیلنے کا امکان مسترد کرتا آیا تھا۔ تائیوان نے اُسی دن سے ہر اس شخص کی نگرانی شروع کر دی، جو چین سے واپس آیا۔ ساری توجہ اس نکتے پر مرکوز تھی کہ چین سے واپس آنے والا کوئی بھی فرد تائیوان میں کورونا وائرس پھیلانے کا سبب نہ بنے۔ تائیوان اُن پہلے ممالک میں شامل تھا جنہوں نے چین جانے اور واپسی کے سفر پر پابندی عائد کی۔

2003ء میں چین سے ''سارس'' کی وبا پھیلی تھی۔ تائیوان چونکہ اس وبا سے نمٹنے میں بھی کامیاب رہا تھا اس لیے اُسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ صحتِ عامہ کے نظام کو کس طور ہمہ وقت تیاری کی حالت میں رکھنا ہے۔ چین کے معاملے میں تائیوان غیر معمولی سطح پر محتاط رہا۔ اُسے چین کے ساتھ ساتھ عالمی ادارۂ صحت پر بھی بھروسا نہ تھا۔ اُس نے تمام متعلقہ معاملات اور حقائق پر نظر رکھی۔ اُس نے اپنے تمام منصوبے اپنے حالات اور وسائل کو ذہن نشین رکھتے ہوئے تیار کیے۔

امریکا اور باقی دنیا نے پوری پوری قوم کو قرنطینہ کر دیا مگر تائیوان کی قیادت نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ ساری توجہ صرف اس نکتے پر مرکوز کی گئی کہ چین سے آنے والوں کو الگ تھلگ رکھا۔ باقی لوگوں کو کام کرنے کی آزادی تھی۔ شاپنگ سینٹر کھلے رہے۔ فیکٹریاں کام کرتی رہیں۔ دفاتر میں بھی حاضری معمول

کے مطابق رہی۔ ماسک لگانے اور سماجی فاصلہ اختیار کرنے پر ضرور غیر معمولی توجہ دی گئی۔ کورونا کی وبا نے بہت کچھ بے نقاب کر دیا ہے۔ دنیا بھر میں صحتِ عامہ کا معیار بلند رکھنے کیلئے ہر سال ہزاروں ارب ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں صحتِ عامہ کے حوالے سے ذرا ذرا سی بات کا نوٹس لینے کی روایت سی پڑ گئی ہے۔ ایسے میں کورونا پر قابو پانے کے حوالے سے ترقی یافتہ دنیا ناکامی سے دوچار کیوں ہوئی؟ امریکا اور یورپ اس وبا کی موثر روک تھام میں اس حد تک ناکام کیوں ہوئے؟ کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ کوئی وبا اتنے بڑے پیمانے پر پھیلے گی اور یوں عالمی معیشت کو اپنی گرفت میں لے گی۔ ماہرین بہت سے جواز تلاش اور بیان کر سکتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ طبّی ماہرین کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہ تھا یا تو جانیں بچانے کو ترجیح دی جاتی یا پھر معیشت کی بحالی۔ ٹھیک ہے مگر ایسے تمام سوالوں کا ایک جواب ہے.....تائیوان۔

تائیوان چھوٹا سا ملک ہے مگر دنیا کی اکیسویں بڑی معیشت ہے۔ قوتِ خرید کے پیمانے پر معاشی اعتبار سے اس کا انیسواں نمبر ہے۔ فی کس خام قومی پیداوار کے نقطۂ نظر سے تائیوان گیارہویں نمبر پر ہے۔ اس اعتبار سے وہ سوئیڈن اور ڈنمارک سے بھی بہتر ہے۔ تجارت اور سرمایہ کاری کے حوالے سے تائیوان اور چین میں غیر معمولی اشتراکِ عمل ہے۔ تائیوان بہت سے معاملات میں چین کیلئے بینکاری کی خدمات بھی انجام دیتا ہے۔ چین سے رابطے غیر معمولی رہے ہیں۔ اس کے باوجود کورونا کی وبا کے خلاف تائیوان کی کارکردگی انتہائی حیرت انگیز رہی ہے۔ دنیا بھر میں کورونا کے مریضوں کا تناسب 337 فی دس لاکھ ہے جبکہ تائیوان میں یہ تناسب 3ء0 فی دس لاکھ ہے۔

تائیوان کی معیشت بھی متاثر ہوئی ہے۔ بیرونی تجارت بند ہے۔ دنیا بھر کی معیشتیں رکی ہوئی ہیں اس لیے تائیوان بھی کچھ زیادہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں مگر ملک میں سب کچھ کھلا ہے۔ صنعتی اور تجارتی سرگرمیاں جاری رہنے سے اندرون ملک لوگ زیادہ مشکلات سے دوچار نہیں ہوئے۔ کورونا کی وبا سے بچنے کیلئے دنیا نے بہت کچھ کیا، بظاہر کچھ زیادہ نہیں کیا تاہم اِسے مثال نہیں بنایا جاسکتا۔ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ تائیوان میں حقیقی آزادی دکھائی دی ہے۔ کسی پر کوئی بھی حکم مسلط نہیں کیا گیا۔ لوگوں نے بہت کچھ رضاکارانہ طور پر کیا۔ ماسک کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا اور سماجی فاصلے کی پالیسی بھی پوری سنجیدگی سے اپنائی گئی۔ اب یہ بات صاف محسوس کی جاسکتی ہے کہ 2003ء میں ''سارس'' سے نمٹنے کے بعد اپنے تجربے کو بروئے کار لاتے ہوئے تائیوان کی حکومت نے عوام کی قوتِ مدافعت بڑھانے پر خاص توجہ دی۔ خطِ اُستوا کے نزدیک کے ماحول بالخصوص گرمی نے کورونا کی روک تھام میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

''ویکسین گاڈ''، بل گیٹس اور ڈاکٹر فوشی کو تائیوان میں کورونا کی روک تھام کے حوالے سے کریڈٹ لینے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کوئی کردار ادا نہیں کیا۔

بروز جمعرات 5 شوّال المعظم 1441ھ 28 مئی 2020ء

کورونا.... بین الاقوامی تحقیقات کا مطالبہ

دنیا ابھی تک کورونا کی ہولناکیوں سے نجات نہیں پا سکی کہ چین کے خلاف امریا کے شدید ترین احتجاج کے بعد اب اس کے اتحادی بھی میدان میدان میں اتر رہے ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ کرونا کے بعد اقوام عالم کو ایک اور خطرناک سرد جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آسٹریلوی حکومت نے کورونا کے حوالے سے غیر جانبدار اور خود مختار نوعیت کی بین الاقوامی تحقیقات کی تجویز پیش کی ہے۔ صورتِ حال کی مناسبت سے یہ بظاہر ایک عمدہ اور بروقت تجویز ہے لیکن ان سازشوں کی چنگاریاں ایک بڑی آگ کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہیں۔

کورونا دوسری جنگ عظیم کے بعد سب سے بڑی تباہی ہے جس کا دنیا کو سامنا کرنا پڑا ہے۔ ایسے میں چین اور عالمی ادارۂ صحت دونوں کی ذمہ داری ہے کہ معاملات کو درست اور شفاف بنائیں تاکہ دنیا کو دوبارہ ایسی کسی بھی صورتِ حال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ امریکا کے مطابق کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والے بحران نے چینی قیادت کی خامیوں اور مطلق العنانیت پر مبنی طرزِ حکمرانی کے دیوالیہ پن کو بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ چینی طرزِ حکمرانی کے تحت حقیقت سے دور بیانیے جاری کیے جاتے ہیں اور ہر ایسے ویسے معاملے کو پروپیگنڈا مشینری کے ذریعے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عمل عالمی آبادی کو صحت کے شدید خطرات سے دوچار کرتا ہے۔

کورونا کے حوالے سے چین کی طرف سے معاملات درست کرنے سے متعلق کوششیں حقائق کو چھپانے اور عالمی ادارۂ صحت پر اثرانداز ہونے سے شروع ہوئیں۔ چینی قیادت نے عالمی ادارۂ صحت کے ماہرین کو چین کے دورے کی اجازت دینے سے انکار کیا اور جنوری کے آخر میں چینی صدر سے عالمی ادارۂ صحت کے سربراہ کی ملاقات کے بعد معاملات کو درست کرنے کی راہ کچھ ہموار ہوئی۔ تب تک کورونا کا معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس کے بعد چین نے درست اور اعلیٰ معیار کا ثابت کرنے کے حوالے سے غیر معمولی کوششوں کا آغاز کیا۔ سوفٹ پاور سے متعلق چین کی کوششیں مجموعی طور پر اب تک ناکام رہی کیونکہ اس نے کورونا سے نمٹنے کیلئے جو ماسک اور کٹس فروخت کیں وہ کمتر معیار کی تھیں۔ چین کے بارے میں یہ تصور پوری دنیا میں عام ہے کہ اس کا مال پست معیار کا ہوتا ہے، جس پر پورا بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ چین نے اس تاثر کو محض ایک پروپیگنڈہ قرار دیا ہے۔

چند ایک ترقی یافتہ ممالک ہی چین کی سوفٹ پاور ڈپلومیسی کے آگے جھکنے پر مجبور ہوئے ہیں یا اُسے تسلیم کر لیا ہے۔ ٹرمپ کے مطابق اگر کورونا واقعی چین کا پھیلایا ہوا ہے تو پھر اُسے اِس کی سزا بھی دی جانی چاہیے۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ ڈومینک راب نے کہا ہے کہ چین کو بتانا پڑے گا کہ کورونا کیسے پھیلا اور کیا اس کا پھیلاؤ روکا جا سکتا تھا۔ فرانس کے صدر نے ''فائنانشل ٹائمز'' سے انٹرویو میں کہا کہ یہ تسلیم کرنا سادہ لوحی پر مبنی ہوگا کہ چین نے کورونا کی وبا پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کی کیونکہ بہت سے ایسے معاملات بھی ہیں جو ہوئے مگر ہمارے علم میں نہیں۔

چند ایک پسماندہ ممالک کیلئے چین بہت کچھ کرتا ہے۔ انہیں چین کی طرف سے کسی نہ کسی شکل میں امداد ملتی رہتی ہے۔ کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کیلئے چین نے منصوبہ بندی کی ہے اور وہ ایسے اقدامات کر رہا ہے، جن کے نتیجے میں اُسے بھی فائدہ پہنچے اور اُس سے کسی نہ کسی

شکل میں امداد کی توقع رکھنے والے ممالک بھی محروم نہ رہیں۔

کورونا کے حوالے سے عالمی ادارۂ صحت کی کارکردگی بھی کسی اعتبار سے قابلِ فخر نہیں رہی۔ ایبولا اور دیگر وباؤں کے حوالے سے نیز خطۂ بحرالکاہل میں اس نے جو کامیابیاں حاصل کی تھیں، وہ اس بار دکھائی نہیں دی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ دیگر تمام عالمی تنظیموں کی طرح عالمی ادارۂ صحت کو بھی رکن ممالک کی طرف سے دباؤ کا سامنا رہتا ہے مگر کسی بھی عالمی ادارے کو اپنی ساکھ برقرار رکھنے کیلئے بحرانی کیفیت میں ڈٹ کر کسی بھی نوع کا غیر ضروری دباؤ قبول کرنے سے صاف انکار کرنا چاہیے۔ کورونا کے معاملے میں عالمی ادارۂ صحت نے چین کی مرضی کے آگے غیر ضروری طور پر جو سر جھکایا ہے، اس کو کسی بھی طور قبول نہیں کیا جاسکتا۔ عالمی ادارۂ صحت نے پورا جنوری اور فروری کا بڑا حصہ بھی ضائع کیا اور وہی باتیں کرتا رہا جو چین اُس سے کہلوانا چاہتا تھا۔ آسٹریلیا کی حکومت نے معاملات کو بھانپتے ہوئے یکم فروری کو عالمی ادارۂ صحت کی ہدایات نظرانداز کرتے ہوئے چین سے آنے والوں پر پابندی عائد کردی۔ صرف دو دن بعد عالمی ادارۂ صحت کے ڈائریکٹر جنرل نے چین سے متعلق سفری پابندیاں عائد کیے جانے کے حوالے سے آسٹریلیا کو ہدفِ تنقید بنایا۔ یہ اقدام عالمی صحت کے حوالے سے کسی بڑے ادارے کا نہیں۔ یہ تو صاف صاف کسی ملک کا کاروباری ایجنڈا لگتا ہے۔ اس کی واضح ذمہ داری ہے کہ صحتِ عامہ کا تحفظ یقینی بنانے کیلئے احتیاطی تدابیر کے اصول کی بنیاد پر بروقت اور جامع اقدامات کریں۔

عالمی ادارۂ صحت نے ویسے تو اور بہت سے ایسے اقدامات کیے ہیں جنہیں کسی طور قبول نہیں کیا جاسکتا تاہم سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ چین کے کہنے پر تائیوان کو تنظیم سے نکال دیا گیا ہے۔ کورونا سے نمٹنے کے حوالے سے تائیوان کا شمار کامیاب ترین ممالک میں ہوتا ہے اس لیے عالمی ادارۂ صحت سے اس کا نکالا جانا کسی بھی طور برداشت یا قبول نہیں کیا جاسکتا۔

ٹرمپ حال ہی میں عالمی ادارۂ صحت کی فنڈنگ 60 تا 90 دن معطل کرکے اچھی خاصی تنقید کا نشانہ بنے۔ انہوں نے یہ اعلان کورونا سے متعلق انتباہ اور چین کی طرف عالمی ادارے کے جھکاؤ کی بنیاد پر کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں عالمی ادارۂ صحت سے جواب طلبی کا ٹرمپ کے پاس ٹھوس جواز ہے مگر اس کے باوجود اُن کے اس اقدام کو اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کی کوشش سمجھا جارہا ہے۔ اختلافی امور اپنی جگہ، لیکن عالمی ادارۂ صحت ایک اہم عالمی ادارہ ہے۔ اُس نے ماضی میں خاصی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اب اُس کا کردار مزید مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر امریکا عالمی ادارۂ صحت سے نکل جائے تو؟ اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔ عالمی ادارۂ صحت سے امریکا کے نکل جانے سے جو خلا پیدا ہوگا اُسے فوری چین پر کرکے اس صورتِ حال کا بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ ایسی صورت میں عالمی ادارۂ صحت کو چین کی مرضی کے مطابق چلانے کا بھرپور موقع ملے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالمی ادارۂ صحت نے اپنے فکر و عمل سے امریکا سمیت بہت سے ممالک کو پریشانی سے دوچار کیا ہے مگر پھر ٹرمپ کا امریکا کو عالمی ادارۂ صحت سے نکالنے کا فیصلہ اُن کے ذاتی مفادات کے تابع سمجھا جائے گا۔ سرِ دست معاملات کو بہتر بنانے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے

کہ آسٹریلیا کی جانب سے پیش کی جانے والی اس تجویز پر عمل کیا جائے کہ کورونا کے پھیلاؤ اور روک تھام سے متعلق اقدامات کی تحقیقات کی جائیں اور معلوم کیا جائے کہ یہ کس ملک میں پیدا ہوا یا بنایا گیا، اس کا پھیلاؤ روکنے سے متعلق کیا اقدامات کیے گئے۔

بروز ہفتہ 7 شوّال المعظم 1441ھ 30 مئی 2020ء

نیٹو کا مستقبل اور کرونا؟

مورخہ 26 نومبر کو برلن میں جرمن وزیر خارجہ ہیکوماس برلن کی کاربر فاؤنڈیشن کے تحت ایک کانفرنس سے خطاب کر رہی تھیں کہ مالی میں عسکری کاروائی کے دوران دو ہیلی کاپٹر ٹکرانے سے فرانس کے 13 فوجی ہلاک ہو گئے۔ جو کچھ ہیکوماس کی زبان سے نکل رہا تھا، وہ ٹی وی کی اسکرین پر نمودار ہونے والی تفصیلات کے خلاف تھا۔ جرمن وزیر خارجہ نے ٹھوس لہجے میں کہا کہ "نیٹو آج بھی مستحکم ہے اور کسی بھی جگہ کاروائی کرنے کی پوزیشن میں ہے اور یہ کہ جرمن خارجہ پالیسی صورتِ حال کی تبدیلی سے متاثر نہیں ہوئی ہے۔ نیٹو کی خرابیوں کے حوالے سے تشخیص میں اگرچہ فرق پایا جاتا ہے تاہم حقیقت یہ ہے کہ نیٹو اب بھی ہے اور اپنا کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے"۔

جرمن وزیر خارجہ کا اشارہ بہت حد تک فرانس کے صدر ایمانویل میکراں کی طرف تھا جنہوں نے ستمبر میں کہا تھا کہ نیٹو کی ''برین ڈیتھ'' واقع ہو چکی ہے یعنی وہ دماغی طور پر مر چکا ہے۔ معروف برطانوی جریدے دی اکنامسٹ کو دیے گئے انٹرویو کے مندرجات نے یورپ بھر میں خارجہ پالیسی اسٹیبلشمنٹ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس انٹرویو سے جرمن بہت برافروختہ ہوئے۔ بنڈسٹیگ میں خارجہ امور سے متعلق کمیٹی کے سربراہ اور پارلیمان کے رجعت پسند رکن نار برٹ روٹجن نے کہا کہ نیٹو کے حوالے سے انتہائی مایوس کن بات کہنا محض حماقت ہے اور کچھ نہیں۔

فرانس کے فوجی افریقا میں ایک ایسی جنگ لڑ رہے ہیں جس کی کامیابی کا یقین نہیں۔ دوسری طرف برطانیہ خود کو یورپی یونین کو خیر باد کہنے کے بعد بیرون ملک فوجی مشن شروع کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس حوالے سے اس کے دیگر یورپی ممالک کے ساتھ اختلافات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ لندن میں حال ہی میں نیٹو سربراہ کانفرنس ختم ہوئی ہے جس میں رکن ممالک نے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے رہنے کا رسمی نوعیت کا عزم ظاہر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نیٹو کے حوالے سے غیر یقینیت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ کوئی بھی پورے یقین کے ساتھ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں۔

نیٹو کیلئے سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ امریکا! جی ہاں، امریکا کی پالیسیوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں نے نیٹو کیلئے غیر معمولی مسائل پیدا کیے ہیں۔ عالمی امور میں اپنی پوزیشن میں کمزوری محسوس کرتے ہوئے امریکا نے مغربی دنیا کی قیادت سے خود کو مرحلہ وار الگ کیا ہے۔ نیٹو کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ امریکا پیچھے ہٹتا جا رہا ہے اور یورپی طاقتوں میں کوئی بھی امریکا کے پیدا کردہ خلاء کو پُر کرنے کیلئے تیار نہیں۔

امریکا کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اُس کی افواج پر غیر معمولی دباؤ بھی ہے۔ امریکا نے دنیا بھر میں پاؤں پھیلا رکھے ہیں۔ وہ ہر ابھرتی ہوئی طاقت پر نظر رکھنا چاہتا ہے اور اس کیلئے لازم ہے کہ فوجی اڈے قائم کیے جائیں۔ چند ایک ممالک میں اس نے اپنے فوجیوں کو براہِ راست میدان جنگ میں بھی بھیجا ہے۔ شام کا بھی یہی معاملہ تھا۔ امریکی قیادت کو بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ شام میں فوجی پھنسانے سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ گزشتہ اکتوبر میں جب ٹرمپ نے شام سے فوجی واپس بلانے کا اعلان کیا تو جرمنی نے اِسے سراسر غیر سفارتی طریقہ قرار دیا۔ فرانس کیلئے معاملہ اِس سے کہیں آگے کا تھا۔ شام میں فرانس کے فوجی بھی لڑ رہے ہیں۔ امریکا کا اپنے فوجی نکال لینا فرانس کیلئے انتہائی پریشان کن امر تھا اور ہے۔ امریکی فوجیوں کی موجودگی میں نیٹو اتحادیوں کی کسی نہ کسی حد تک ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ اب فرانس کے فوجی شدید الجھن کا شکار ہیں۔

دفاع کے حوالے سے جرمنی اور فرانس کے نقطۂ نظر اور فلسفے میں بہت فرق ہے۔ جرمنی نے اپنے دفاع کی ذمہ داری بالعموم نیٹو اور بالخصوص امریکا پر ڈال رکھی ہے۔ جرمن سرزمین پر اس وقت بھی 35 ہزار سے زائد امریکی فوجی تعینات ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی دفاعی صلاحیت کے اعتبار سے قدرے غیر موثر ہو کر رہ گیا اور وہ اپنی اس حیثیت کے ساتھ زیادہ خوش ہے۔ دوسری طرف فرانس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ جوہری قوت ہونے کے ناطے آج بھی خود کو ایک طاقت سمجھتا ہے اور اوسط درجے کی قوت ہونے پر بھی اپنے دفاع کیلئے کسی اور پر انحصار سے گریز کرتا ہے۔

فرانسیسی صدر نے دی اکنامسٹ کو جو انٹرویو دیا ہے، اس کے مندرجات بیشتر یورپی ممالک میں خوش دلی سے قبول نہیں کیے گئے۔ جرمنی میں اس حوالے سے شدید ردعمل پیدا ہوا۔ روس سے جڑی ہوئی ریاستوں بالخصوص پولینڈ، بالٹک خطے اور شمالی یورپ کے ممالک میں فرانسیسی صدر کا انٹرویو شدید پریشانی پیدا کرنے کا باعث بنا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایمانویل میکراں نے روس سے غیر مشروط وسیع البنیاد مذاکرات کی بات کی ہے۔ بیشتر یورپی طاقتوں کو کچھ اندازہ نہیں کہ فرانس آخر روس سے مذاکرات کے ذریعے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔

نیٹو کو مردہ قرار دینا جرمنی کیلئے ایسا ہی ہے جیسے اس کے پیروں تلے سے غالیچہ کھینچ لیا جائے۔ اس حوالے سے برلن میں بدحواسی کا پیدا ہونا لازم ہے۔ پیرس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ فرانسیسی قیادت نے غالیچے کے کنارے کنارے چلنا سیکھ لیا ہے۔ جرمنی میں قائم ٹرانس اٹلانٹک تھنک ٹینک ''جرمن مارشل فنڈ'' کے ڈائریکٹر ٹامس کلائن بروکوف کہتے ہیں ''یہ تو کیپوچینو (جھاگ والی کافی) کا کیس ہے۔ فرانس کے پاس کڑک کافی اور جھاگ کافی دونوں ہیں مگر جرمنی صرف جھاگ کے سہارے نہیں جی سکتا''۔

گھوم پھر کر یہ معاملہ امریکا تک پہنچتا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ نیٹو میں کوئی گڑبڑ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امریکا پیچھے ہٹ رہا ہے۔ ٹرمپ نے بھی نیٹو کو متروک obsolete کہا تھا مگر اس پر کوئی ہنگامہ کھڑا نہ ہوا۔ فرانس کے صدر نے نیٹو کو مردہ کہا ہے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا کیوں؟ اس لیے کہ ایمانویل میکراں کے انٹرویو نے یورپ میں کھلبلی مچادی ہے۔ نیٹو کے آئین کے آرٹیکل 5 کے تحت کسی بھی رکن ملک پر حملہ تمام ارکان پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ فرانسیسی صدر اس آرٹیکل کے خلاف بول گئے ہیں۔ یورپ کی بیشتر قوتیں اس حوالے سے پریشان ہیں ۔ اب تک تو معاملہ یہ تھا کہ دفاع کی ذمہ داری نیٹو کو سونپ کر سکون کے سانس لیے جاتے رہے ہیں۔ بیشتر یورپی ممالک میں آج بھی یہ امید پائی جاتی ہے کہ نومبر 2020ء میں امریکی صدارتی انتخاب میں ٹرمپ دوبارہ منتخب نہ ہوئے تو سب کچھ پلٹ جائے گا، امریکا دوبارہ نیٹو کی طرف پلٹ آئے گا اور نیٹو کے ارکان کی سلامتی یقینی بنانے کے حوالے سے اپنے وعدے ضرور پورے کرے گا۔ فرانسیسی صدر کے پریشان کن انٹرویو نے نیٹو کے دوبارہ طاقتور ہونے سے متعلق بیشتر یورپی ممالک کی توقعات کو بُری طرح جھنجھوڑ دیا ہے۔

فرانسیسی قیادت نے یہ بات بہت پہلے اچھی طرح محسوس ہی نہیں کی بلکہ سمجھ بھی لی تھی کہ ٹرمپ ہر معاملے میں یک طرفہ طور پر کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے امریکی مزاج کی انتہائی شکل یا علامت ہیں۔ فرانسیسی صدر کہتے ہیں کہ انہوں نے نیٹو کے حوالے سے جو کچھ بھی کہا ہے اس پر یورپی طاقتوں کو پریشان ہونے یا بُرا ماننے کی بجائے اِس انتباہ کو ایک ویک اپ کال کے طور پر لینا چاہیے کہ اب امریکا اُن کے دفاع کی ذمہ داری سے دستبردار ہوتا جارہا ہے۔ ایسے میں لازم ہے کہ اپنے دفاع کیلئے سبھی اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی ٹھانیں اور حکمتِ عملی تبدیل کرلیں۔ ہوسکتا ہے کہ یورپ کے بہت سے قائدین کو فرانسیسی صدر کی بات معقول لگی ہو اور وہ نجی گفتگو میں اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے ہوں مگر منظرِ عام پر آکر تو انہوں نے یہی کہا ہے کہ فرانسیسی صدر نے جو کچھ کہا ہے، وہ بہت ''تیکھا'' ہے۔ بیشتر یورپی قائدین کا موقف ہے کہ فرانسیسی صدر نے جو انداز اختیار کیا ہے وہ اُن کا یعنی مجموعی طور پر پورے یورپ کا انداز نہیں۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اب نیٹو کیلئے سیاسی میدان میں کیا بچا ہے؟ فرانسیسی صدر بہت خوش ہیں کہ اُن کی باتوں سے یورپی قائدین کو سوچنے کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ اب مستقبل کے حوالے سے کچھ سوچ رہے ہیں۔ اب ایسا تو نہیں ہے کہ وہ شترمرغ کی طرح اپنے سر ریت میں دبا کر مشکلات کے ٹل جانے کی امید وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ ایک اور انٹرویو میں ایمانویل میکراں نے کہا ہے کہ ''جب برف بہت سخت ہو جاتی ہے تو آئس بریکر استعمال کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اِس سے شور تو مچتا ہے اور دھماکا بھی ہوتا ہے مگر خیر، راہ اِسی سے ہموار ہوتی ہے''۔ اب معاملہ یہ ہے کہ یورپی طاقتوں کی میز پر تمام اہم مسائل دھرے ہوئے ہیں۔ چین، روس اور ترکی کے درمیان بڑھتی ہوئی ہم آہنگی، انسدادِ دہشتگردی اور مزید ہتھیاروں کے ساتھ تخفیفِ اسلحہ سے متعلق نئے معاہدے... ہر معاملہ فوری توجہ چاہتا ہے اور یورپی طاقتیں اس حوالے سے بیدار مغز دکھائی دے رہی ہیں۔

ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ ان تمام چیلنجوں کا بھرپور انداز سے سامنا کرنے کیلئے یورپ کی قیادت کون سنبھالے گا۔ نیٹو کی صورت میں یہ قیادت امریکا نے سنبھال رکھی تھی۔ یہ بات تو اب بہت حد تک طے دکھائی دیتی ہے کہ اگر آئندہ برس ٹرمپ دوبارہ منتخب ہوگئے تو وہ یورپ کا دفاع یقینی بنانے اور اُس کے حتمی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے حوالے سے قائدانہ کردار ادا نہیں کریں گے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ تین برس کے دوران یورپی قائدین نے سیکھ لیا ہے کہ ٹرمپ سے معاملات کس طور نمٹائے جائیں... اور اُن کے بغیر بھی! بکنگھم پیلیس میں کینیڈا، برطانیہ اور ہالینڈ کے قائدین نے ٹرمپ کی جو نقّالی کی تھی، اُس کی ویڈیو چونکانے والی تھی مگر اِس سے زیادہ چونکانے والی بات اِس ویڈیو کے ریلیز ہونے سے قبل امریکا اور فرانس کے صدور کے درمیان ہونے والی گفتگو تھی۔ فرانسیسی ہم منصب سے پوچھا ''آپ چند اچھے آئی ایس آئی ایس (داعش) فائٹر زلینا پسند کریں گے؟'' یہ سوال ایک ایسے ملک کے صدر سے کیا گیا تھا جہاں چار سال قبل داعش کے جنگجوؤں نے ایک شام صرف ایک حملے میں 130 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور فرانس ہی نے کچھ دن قبل داعش کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارے جانے والے 13 فوجیوں کو دفنایا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ سوال بہت دل دُکھانے والا تھا۔ فرانس کے صدر نے نہایت سنجیدگی سے حقائق کی روشنی میں مشورہ دیا کہ امریکی صدر ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ داعش میں حالات کا دباؤ برداشت کرنے کی صلاحیت کس حد تک ہے۔ اس بار کسی نے اُن کا تمسخر نہیں اُڑایا۔

لندن میں نیٹو سربراہ کانفرنس کے دوران ہی فرانس کے صدر ایمانویل میکراں اور جرمن چانسلر اینگلا مرکل نے ڈنر پر ملاقات کی۔ ہوسکتا ہے انہوں نے دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ کاربر فاؤنڈیشن کیلئے کیے جانے والے پیو ریسرچ سینٹر کے حالیہ سروے پر بھی بات کی ہو جس کے مطابق 52 فیصد جرمن

چاہتے ہیں کہ اُن کا ملک دفاع کے معاملے میں امریکا پر غیر معمولی انحصار ترک کر دے، خواہ دفاعی اخراجات دگنے ہو جائیں۔ سروے کے مطابق 40 فیصد جرمنوں کا خیال ہے کہ ان کے ملک کو فرانس اور برطانیہ سے جوہری تحفظ یقینی بنانے پر متوجہ ہونا چاہیے۔ عالمی تجزیہ نگاروں کے مطابق 9/دسمبر 2019 کو فرانس اور جرمنی کے قائدین کی پیرس میں امریکا کے بغیر روس اور یوکرین کے صدور سے ملاقات بڑی معنی خیز قرار دی جارہی ہے۔

بروز سوموار 9 شوّال المعظم 1441ھ یکم جون 2020ء

کورونا.....بیروزگاری ایک چیلنج

کورونا کی روک تھام کیلئے نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن نے دنیا بھر میں معیشتوں کا پہیہ جام کر دیا۔امریکا جیسی طاقت کو بھی لاک ڈاؤن کے ہاتھوں غیر معمولی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔لاک ڈاؤن کے دوران ہر طرح کی معاشی سرگرمیاں بالکل ماند پڑ جانے سے مالیاتی بحران سر اٹھا رہا ہے۔دو ماہ سے بھی زائد مدت کے دوران لاک ڈاؤن سے جو الجھنیں پیدا ہوئیں اُن کے تدارک کیلئے جب امریکا کی چند ریاستوں نے سوچنا شروع کیا تو اُنہیں ایک عجیب الجھن کا سامنا کرنا پڑا۔

ری پبلکن پارٹی کی حکومت والی ریاستوں میں لاک ڈاؤن نرم کرنے اور لوگوں کو کام پر واپس لانے کے حوالے سے مشکلات یوں درپیش تھیں کہ لاک ڈاؤن کے باعث پیدا ہونے والی بے روزگاری سے نمٹنے کیلئے لوگوں کو وفاقی حکومت کی طرف سے دی جانے والی امداد انتہائی پرکشش تھی۔آیووا، ٹینیسی، اوکلاہوما اور دیگر ریاستوں میں جب لوگوں سے کہا گیا کہ کام پر واپس آئیں تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔سبب اس کا یہ تھا کہ بے روزگاری الاؤنس اور دیگر مدوں میں ملنے والی امداد اچھی خاصی بلکہ پرکشش تھی۔جب لوگوں کو اچھی خاصی رقم گھر بیٹھے مل رہی ہو تو کام کریں اُن کے دشمن۔

امریکا میں وفاقی حکومت نے مارچ میں کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے نمٹنے کیلئے دو ہزار ارب ڈالر کا امدادی پیکیج منظور کیا۔اس پیکیج کے تحت ملک بھر میں لوگوں کو ہزار ڈالر سے زائد دیے گئے۔یہ رقم ایک عام سا گھر، خوراک اور یوٹیلیٹیز کے حوالے سے، کم و بیش دو ماہ تک چلانے کیلئے کافی ہے۔اوکلاہوما، آیووا اور چند دوسری ریاستوں میں چھوٹے پیمانے کے آجروں نے اپنے ورکرز سے کہا ہے کہ کام پر واپس آئیں۔اسٹور، ریسٹورنٹ اور اِسی نوعیت کے دوسرے چھوٹے کاروبار دوبارہ شروع کرنے کیلئے لازم ہے کہ ورکر کام پر واپس آئیں۔اب مسئلہ یہ ہے کہ لوگ کام پر کیوں واپس آئیں؟ایک طرف تو یہ حقیقت ہے کہ کورونا کی وبا نے ابھی دم نہیں توڑا یعنی کام پر واپس آنا صحت کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے اور دوسری طرف یہ بات کہ بے روزگاری کی حالت میں ملنے والے سرکاری مالیاتی فوائد غیر معمولی ہیں۔چھوٹے ورکر عام سے کام کر کے جو کچھ کماتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ جب کچھ کیے بغیر گھر بیٹھے مل رہا ہے تو کام پر جانے کی ضرورت کیا ہے؟

جن ریاستوں میں ری پبلکن پارٹی کی حکومت ہے، وہاں ریاستی مشینری لوگوں کو زیادہ دیر تک امداد دینے کے حق میں نہیں۔ان ریاستوں کا سرکاری موقف یہ ہے کہ گھر بیٹھے خطیر رقوم دیے جانے سے ورکرز میں کام کرنے کی لگن کچھ مدت کیلئے بالکل ختم ہو جائے گی۔چھوٹے کاموں میں الجھے ہوئے لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ آرام ملے اور ساتھ ہی ساتھ گھر کا چولہا بھی جلتا رہے۔ری پبلکن لیڈر معیشت کی تیزی سے بحالی چاہتے ہیں۔انہیں اندازہ ہے کہ لاک ڈاؤن نے صرف ڈیڑھ ماہ میں معیشت پر آرا چلا دیا ہے تو مزید دو تین ماہ اِسی طور گزرنے کی صورت میں کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔چھوٹے آجروں کو شدید الجھن کا سامنا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ اُن کے اسٹور، ریستوراں وغیرہ کھل جائیں مگر لوگ نچلے درجے کی جاب کیلئے تیار نہیں۔ان کا موقف یہ ہے کہ چھوٹے اور غیر اہم کاموں میں اجرت بھی کم ہے اور خطرات بھی بہت زیادہ ہیں۔کورونا کی وبا برقرار ہے۔ایسے میں چھوٹے معاوضے کیلئے اپنی

زندگی خطرے میں کون ڈالے؟

آیووا میں حکومت نے کمپنیوں سے کہا ہے کہ وہ اپنے ملازمین کو کام پر واپس بلائیں اور اگر کوئی ملازم کام پر واپس آنے سے انکار کرے تو ریاستی مشینری کو مطلع کیا جائے۔ حکومت نے واضح انتباہ کیا ہے کہ لوگوں کو گھر بٹھا کر زیادہ دیر تک کھلا یا نہیں جا سکتا۔ ایسے میں لازم ہے کہ کام پر واپس آیا جائے یا پھر امداد کی بندش کیلئے تیار رہا جائے۔ یہ انتباہ بھی لوگوں کو کام پر واپس آنے کی بھرپور تحریک دینے میں ناکام رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بے روزگار ہونے والوں کی اکثریت کورونا کی وبا کے پھیلنے کے وقت بہت معمولی نوعیت کے کام کر رہی تھی۔ ان کاموں کا معاوضہ بھی کچھ خاص نہ تھا۔ دن بھر بدن توڑ قسم کی محنت کر کے بھی ورکرز کو کچھ زیادہ نہیں مل پاتا تھا۔ اب وہ ایسے کسی بھی کام کیلئے گھر سے کیوں نکلیں جبکہ کورونا کا شکار ہو جانے کا خطرہ بھی برقرار ہے؟ بزنس لیڈرز چاہتے ہیں کہ چھوٹے کاروباری اداروں کے ورکرز جلد از جلد (ترجیحاً تو فی الفور) کام پر واپس آجائیں۔ بہت بڑا مالیاتی بحران ٹالنے کیلئے یہ ناگزیر ہے۔ یونین لیڈرز کہتے ہیں کہ ورکر کی مشکلات کا بھی کچھ اندازہ لگایا جائے، احساس کیا جائے۔ ان کی صحت کو خطرات لاحق ہیں۔ وہ پہلے ہی کم کما رہے تھے۔ ایسے میں قلیل اجرت کیلئے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالیں گے؟

معاشی سرگرمیوں کی بحالی سے متعلق بعض ریاستوں کے رویے سے قانون ساز، مزدور رہنما اور صحتِ عامہ سے متعلق حکام پریشان ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ لاک ڈاؤن ختم کرنے کے معاملے میں زبردستی اور لوگوں کو کام پر لانے کے معاملے میں عجلت پسندی اور جذباتیت خطرناک اثرات کی حامل ہوگی۔ اِس سے کورونا پر قابو پانے کی کوششوں کو دھچکا لگے گا۔ اِن ریاستوں پر لوگوں کو دھمکانے کا الزام بھی عائد کیا جارہا ہے کہ یا تو زندگی خطرے میں ڈالو یا پھر فاقوں سے مرو۔

بہت سے مبصرین اس بات سے نالاں ہیں کہ بعض ریاستیں معیشت کو عوام کی سلامتی پر ترجیح دے رہی ہیں۔ نیشنل ایمپلائمنٹ لاء پراجیکٹ کی سینئر تجزیہ کار مچل ایور مور کہتی ہیں کہ بے روزگاری الاؤنس اور دیگر بینیفٹس نہ دیے جانے کو لوگ چیلنج بھی کر سکتے ہیں مگر ایسا کرنا قانونی اعتبار سے پیچیدہ ہے۔ ملک بھر میں کم و بیش تین کروڑ افراد کورونا کی روک تھام کیلئے نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن کے ہاتھوں بے روزگار ہوئے ہیں۔ محکمۂ محنت نے تازہ ترین ہدایت نامے میں لوگوں سے کہا ہے کہ وہ ترجیحی بنیاد پر کام پر واپس آجائیں۔

ٹینیسی میں بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی بے روزگار فرد کو روزگار کی آفر آجائے اور وہ کام پر جانے سے انکار کرے تو اس کا بے روزگاری الاؤنس ختم کیا جا سکتا ہے۔ اوکلاہوما میں حکام برملا کہہ رہے ہیں کہ لوگ تیزی سے کام پر واپس آئیں۔ کورونا کی وبا کے ہوتے ہوئے لوگ کام پر واپس جانے کو ترجیح نہیں دے رہے۔

بعض صورتوں میں گھر بیٹھے ہوئے افراد کو محنت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ماہانہ رقم سے 600 ڈالر تک زیادہ مل رہے ہیں۔ اوکلاہوما کی اعلیٰ افسر ٹیریسا ٹامس کیلر کہتی ہیں کہ یہ عارضی صورتِ حال ہے۔ ایسا زیادہ دن نہیں چل سکتا کہ کسی کو کچھ کیے بغیر ہی بہت کچھ ملتا رہے۔ ریاستی وزیر تجارت سین کوپلین کہتے ہیں کہ بہت سی کمپنیاں کوشش کر رہی ہیں کہ لوگ کام پر واپس آجائیں۔ کچھ لوگ ضرور ایسے ہیں جو کام کیے بغیر مزے سے دن گزارنا چاہتے

ہیں۔ ہم اس حوالے سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اگر کوئی کام پر آنے سے انکار کرے تو اُس کے سوشل سینیفٹس روکے یا ختم کیے جا سکتے ہیں۔ فی الحال وفاقی امداد میں کٹوتی کا کوئی ارادہ نہیں۔ لوگوں کو تحریک دی جا رہی ہے کہ کسی نہ کسی طور کام پر واپس آئیں۔

اس وقت امریکا بھر میں چھوٹے درجے کے آجروں کو اپنی کاروباری سرگرمیاں بحال کرنے میں غیر معمولی مشکلات کا سامنا ہے۔ بے روزگاری الاؤنس پانے والے فی الحال چھوٹے اسٹور، ریستوراں اور پٹرول پمپس وغیرہ کی ملازمتوں کے موڈ میں نہیں۔ معیشت کی بحالی کیلئے کئی ریاستی حکومتوں کو ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ سلامتی یقینی بنانے والے انتظامات کیے جائیں۔

امریکا میں وفاق اور ریاستوں کے درمیان رسّاکشی بڑھتی جا رہی ہے۔ متعدد ریاستوں پر سیاسی تجزیہ کار یہ الزام عائد کر رہے ہیں کہ وہ معیشت کی بحالی کو عوام کی زندگی کے تحفظ پر ترجیح دے رہی ہیں۔ ری پبلکن گورنر چاہتے ہیں کہ سب کچھ تیزی سے معمول پر جائے۔ معاملات کو معمول پر لانے کے چکر میں عوام کی سلامتی یقینی بنانے پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا رہی۔ سینیٹ کی فائنانس کمیٹی کے ٹاپ ڈیموکریٹ رکن ران وائڈن کہتے ہیں کہ جب تک کورونا کی وبا موجود ہے، تمام معاملات کو مکمل طور پر معمول کے مطابق بنانا انتہائی دشوار ہے۔

بروز منگل 10 شوّال المعظم 1441ھ 2 جون 2020ء

ہوش کے ناخن

تاریخ گواہ ہے، جب بھی کوئی ملک اپنی سرحدوں کو توسیع دیتے ہوئے سلطنت یا استعماری قوت کا درجہ پاتا ہے تب بڑے پیمانے پر جنگیں بھی چھڑتی ہیں اور اِن جنگوں کے نتیجے میں نقل مکانی کے نتیجے میں وبائیں بھی پھیلتی ہیں۔ ان وباؤں کے ہاتھوں کئی سلطنتیں تباہی سے دوچار ہو چکی ہیں۔ آج کی استعماری قوتوں کو اس بنیادی تاریخی حقیقت کا نوٹس لینا چاہیے تاکہ تباہی کو ٹالا جا سکے۔

کورونا محض ہیلتھ ایمرجنسی کا معاملہ نہیں۔ یہ ایک بڑا سیاسی معاملہ یا موڑ بھی ہے۔ ماحول عجیب رنگ کا ہو چلا ہے۔ ایسے میں کوئی بڑی جنگ بھی چھڑ سکتی ہے۔ اگر ہم یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے دوران رونما ہونے والی ''سیاہ موت'' (طاعون کی وبا) سے 1918ء میں پھیلنے والے ''اسپینش فلو'' تک جتنی بھی وبائیں پھیلیں اُن کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ سوال صرف صحتِ عامہ کا نہ تھا بلکہ معاشروں اور سیاست پر بھی اِن وباؤں کے شدید اثرات مرتب ہوئے۔

رومن سلطنت سے اب تک توسیع پسند قوتوں اور وباؤں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ ایک صدی کے دوران جدید ترین علوم و فنون میں پیش رفت اور سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ عالمگیر نوعیت کی وباؤں پر قابو پانا اب بھی انسان سے ممکن نہیں ہو سکا۔ ''سیاہ موت'' چوہوں نے پھیلائی تھی۔ اب مورخین ریکارڈ کھنگال کر بتا رہے ہیں کہ یورپ میں انتہائی تباہ کن طاعون چوہوں نے نہیں، بلکہ انسانوں نے پھیلایا تھا۔ یہ وبا ایشیا سے یورپ پہنچی تھی۔ ایسے میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ استعماری قوتوں کے درمیان رسّاکشی یا جنگ نے وباؤں کو پھیلانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

کرائمیا میں کافہ شہر کا محاصرہ تو منگولوں نے کر لیا مگر اِس شہر کو اطالوی قوت کے پنجے سے چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ منگولوں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے طاعون پھیلایا۔ وہ ایسے کہ طاعون سے مر جانے والوں کی لاشیں شہر میں پھینکی گئیں۔ یہ عیسائی تاجروں (جینوز) کا شہر تھا۔ منگولوں نے انہیں بعض معاملات میں رعایت دے رکھی تھی۔ یورپ سے تجارت کے علاوہ غلاموں کی تجارت پر بھی ان کی اجارہ داری تھی۔ مسلم منگولوں اور عیسائی تاجروں میں (جنہوں نے مشرقی بحیرۂ روم کے خطے میں صلیبی جنگوں کے حوالے سے کلیدی کردار ادا کیا تھا) غیر معمولی کشیدگی چل رہی تھی۔ مذہب کے اختلاف نے اس کشیدگی کو مزید ہوا دی۔ پہلے حملے میں 15 ہزار منگول مارے گئے۔ جب شہر فتح ہو گیا تو فرار ہوتے ہوئے عیسائی تاجر اپنے ساتھ طاعون لے کر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) پہنچے۔ وہاں سے یہ وبا پورے یورپ میں پھیل گئی۔ اس وباء نے ایک عظیم سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں اور بالآخر اُسے ختم کر کے دم لیا۔

دورِ جدید کی بدترین وبا ''اسپینش فلو'' تھی۔ یہ نام بھی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حال ہی میں ریکارڈ کی چھان بین سے معلوم ہوا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے دوران برطانوی اور فرانسیسی افواج کے پیچھے کی صف میں چین سے محنت کشوں کی منتقلی ہوئی اور انہی سے یہ فلو پھیلا۔ کینیڈا سے یورپ منتقل ہونے والے تین سے پچیس ہزار چینی محنت کشوں کو فلو کی علامات ظاہر ہونے پر قرنطینہ کیا گیا تھا۔ کینیڈا کی ولفرڈ لوریئر یونیورسٹی کے تاریخ دان مارک ہمفریز کہتے

ہیں کہ آرکائیو سے معلوم ہوا ہے کہ نومبر 1917ء میں چین میں سانس سے متعلق ایک بیماری کو اسپینش فلو کے مماثل قرار دیا گیا۔ بعض تجزیہ کار کہتے ہیں کہ اسپینش فلو نے پہلی جنگِ عظیم کی بساط لپیٹنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

جنگیں اور وبائیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے دوران جسٹن کے مقام سے پھیلنے والے طاعون نے روم کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یہ وبا 542ء میں قسطنطنیہ پہنچی۔ صرف ایک سال قبل یہ وبا رومی سلطنت کے باہری صوبوں تک محدود تھی۔ چھٹی صدی عیسوی سے آٹھویں صدی عیسوی کے دوران بحیرۂ روم کے خطے میں طاعون کسی نہ کسی شکل میں کم و بیش 225 سال تک تباہی و بربادی کا بازار گرم کرتا رہا۔ قسطنطنیہ تک طاعون شمالی افریقا کی نوآبادیوں سے آیا تھا۔ اُس زمانے میں رومن سلطنت کیلئے خوراک، تیل، ہاتھی دانت اور غلاموں کی رسد کے حوالے سے مصر کلیدی کردار کا حامل تھا۔ جارجیا یونیورسٹی کے جان ہارگن نے لکھا ہے کہ طاعون چوہوں اور پسوؤں سے پھیلا۔ ان دونوں کو بھرپور انداز سے پنپنے کیلئے مصر میں اناج کے بڑے بڑے گودام میسر آئے۔ اب طاعون کو پھیلنے سے کون روک سکتا تھا۔

ایک طرف طاعون تھا اور دوسری طرف ماحول میں رونما ہونے والی تبدیلیاں۔ سردی بڑھ گئی۔ سورج کی روشنی کم کم میسر ہوتی رہی۔ بہت سے آتش فشاں پھٹ پڑے اور فصلیں تباہی سے دوچار ہوئیں۔ خوراک کی شدید قلت نے کئی خطوں کو لپیٹ میں لیا۔ مورخین بتاتے ہیں کہ طاعون اور اسپینش فلو جیسی وبائیں جنگوں کے نتیجے میں پھیلیں اور توسیع پسندانہ عزائم بھی اِن وباؤں کی پشت پر تھے۔ فوجی، ان کا سامان اور اُن کا سامان اٹھانے والی گاڑیاں اور جانور وباؤں کو پھیلانے میں معاون ثابت ہوئے۔

''سیاہ موت'' کے زمانے میں قسطنطنیہ رومن سلطنت کا سب سے بڑا کاروباری مرکز تھا۔ یہی طاعون کا مرکز بھی بنا۔ معاملہ اِتنا بگڑا کہ بحالی ممکن نہ ہو سکی۔ ایک صدی بعد اسلام آیا جس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ چودھویں صدی میں سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں طاعون کا نیا سلسلہ شروع ہوا۔ آخری بار یہ وبا پوری شدت کے ساتھ قسطنطنیہ میں 1812ء میں نمودار ہوئی اور کئی عشروں تک برقرار رہی۔ یہ زمانہ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کا تھا۔ چیچک بھی ایشیا سے افریقا پہنچی۔ عیسائی مغرب نے مشرق کے نزدیک ترین علاقے فتح کیے تو یہ وبا یورپ بھی پہنچی۔ ارضِ مقدس کو فتح کرنے والے صلیبی جنگوں کے سپاہی شان و شوکت کے ساتھ گھر ضرور پہنچے مگر چیچک کے ساتھ۔

تین صدیوں کے بعد ایک بار پھر ثابت ہوا کہ وبائیں بڑی طاقتوں کو گھٹنے ٹیکنے ہی پر مجبور نہیں کرتیں بلکہ بسا اوقات اُن کے خاتمے کا اعلان بھی کرتی ہیں۔ 1521ء میں ہرنن کورٹیز نے محض چند سو سپاہیوں کی مدد سے ایزٹیک حکمران کو شکست دی مگر حقیقی فاتح چیچک تھی۔ چیچک اور دوسری بہت سی بیماریاں اس خطے کیلئے بالکل نئی تھیں اور مقامی باشندوں کو اُن کے موثر علاج کے حوالے سے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ ایزٹیک دارالحکومت تینوچ ٹٹلن کے مقدر میں صرف تباہی لکھی تھی۔ فتح کے صرف ایک سال بعد اس شہر کی 40 فیصد آبادی چیچک اور دیگر وباؤں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئی۔

وباؤں میں غیر معمولی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ہر دور کی طرح اس بار بھی ایک بڑی وبا ایشیا سے اٹھی ہے اور عالمگیریت نے اسے تیزی سے پھیلانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ ایک دور تھا کہ کسی وبا کو کہیں اور پہنچنے اور پھیلنے میں سال نہیں بلکہ عشرے لگ جاتے تھے مگر اب فضائی سفر نے وبا کا پھیلاؤ بہت آسان بنا دیا ہے۔ چین اور امریکا کے درمیان بہت کچھ ماضی کی سلطنتوں سے مماثل ہے۔ امریکا موجودہ دور کا روم ہے یعنی دم توڑتی ہوئی

سلطنت۔ چین اُس کیلئے حقیقی خطرہ بن کر ابھرا ہے۔ دیگر تاریخی وباؤں کے برعکس کورونا کی وبا کسی جنگ کے بطن سے پیدا ہوتی نظر نہیں آئی ہے۔ ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی سازش تلاش کرنے والوں کا البتہ یہ کہنا ہے کہ کورونا دراصل دو بڑی طاقتوں کے درمیان جراثیمی ہتھیاروں کے استعمال کا معاملہ ہی تو ہے۔

کورونا کا پامردی سے مقابلہ کرنے اور اُسے شکست دینے میں امریکا ناکام رہا ہے۔ چین کی کامیابی نے امریکا اور اس کے حلیفوں کیلئے خِفّت کا سامان کیا ہے۔ سیاسی موازنے کی فضا تیزی سے پنپ رہی ہے۔ ٹرمپ کی طرف سے چین پر الزام تراشی نے نئی سرد جنگ کو جنم دینے کی کوشش کی ہے۔ امریکا کے پاس دنیا کی طاقتور ترین فوج ہے اور دنیا بھر میں اس کے فوجی اڈے ہیں مگر وہ ایک نادیدہ کیڑے سے جنگ ہار گیا ہے۔ امریکا کی طاقتور دکھائی دینے والی اسٹاک اور منی مارکیٹ کریش ہوگئی ہے۔ لاکھوں افراد ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ٹرمپ اقتصادی امور میں غیر معمولی قیادت کا دعویٰ ضرور کر رہے ہیں مگر یہ دعویٰ کسی کو قائل کرتا دکھائی نہیں دے رہا۔ اب ٹرمپ کو کسی ایسے بہانے کی ضرورت ہے جس کی مدد سے وہ عالمی برادری کی توجہ کورونا کی روک تھام کے حوالے سے امریکی قیادت کی ناکامی سے ہٹا سکیں۔ گزشتہ ہفتے خلیج فارس میں ایرانی جہازوں کو نشانہ بنانے کی دھمکی کو اِسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

ادھر مودی کی لاک ڈاؤن کی ناقص منصوبہ بندی نے انڈیا کی معیشت کا پہیہ تیزی سے زوال کی طرف موڑ دیا ہے اور تمام کاروباری طبقوں کی طرف سے اس لاک ڈاؤن کو قومی کرفیو سے تشبیہ دیکر شہریوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا نیا منصوبہ قرار دے دیا ہے۔ تجارتی حلقوں کا کہنا ہے کہ مودی کا ناقص منصوبہ بند لاک ڈاؤن نہ تو ہمیں کورونا وائرس سے بچا سکا بلکہ تیزی سے بھارت کی آبادی کو بھوک کے ذریعے پھانسی پر لٹکا دیا ہے۔ یہ امر اہم ہے کہ جن ممالک نے ابھی تک کورونا وائرس کی روک تھام کیلئے جن بہتر احتیاطی تدابیر پر نسبتاً اچھا کام کیا ہے، انہوں نے ایک مکمل، ملک گیر، کرفیو نما لاک ڈاؤن لگانے سے گریز کیا ہے لیکن مودی نے 1.3 بلین افراد کو کرفیو جیسے لاک ڈاؤن کے نیچے اس طرح دبا دیا ہے کہ اسے "جبری پھانسی بذریعہ قومی کرفیو" کہنا مناسب ہے۔

بھارتی میڈیا بھی چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ بھارت میں پہلے 21 دن تک قومی کرفیو نے یقینی طور پر مہلک وائرس کی منتقلی کو کم کرنے میں جہاں منفی کردار ادا کیا ہے وہاں سرکاری حکام کیلئے کرپشن کے کئی نئے راستے مہیا کر دیئے ہیں۔ تاہم اب یہ بات طے پا چکی ہے کہ اس کرونا وبا سے اتنی دیر تک چھٹکارہ نہیں مل سکتا جب تک اس کی کوئی ویکسین نہیں مل جاتی ہے اور یہ ویکسین تیار ہونے کے بعد بھی ہر ہندوستانی کو ہنگامی بنیادوں پر ٹیکہ لگانے میں کم سے کم ایک سال درکار ہوگا۔ تاہم بھارت کا محکمہ صحت کرونا وائرس سے بچاؤ کیلئے قومی جانچ پڑتال کے پروگرام میں بھی بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اپنے شہریوں کو قومی لاک ڈاؤن میں ہنگامی بنیادوں پر بڑے پیمانے پر کورونا سے بچاؤ کیلئے حفاظتی ماسک اور دیگر ادویات فراہم کی جاتیں تاوقتیکہ کرونا وائرس کی کوئی ویکسین مارکیٹ میں آجاتی اور اس کے ساتھ ساتھ جانچ پڑتال کے دوران کرونا وائرس سے متاثر لوگوں کو دوسری آبادی سے الگ

کرنے کا کوئی طریقہ وضع کیا جاتا لیکن مودی کے منظور نظر اس بہتی گنگا میں پوری طرح ہاتھ دھو کر اپنی دولت میں اضافہ کر رہے ہیں جبکہ بادی النظر میں یہ بہت جلد ملکی سلامتی کیلئے ایک بہت بڑا خطرہ بن کر سامنے آنے والا ہے۔

ہندوستان کی معیشت پہلے ہی 2019ء سے مینوفیکچرنگ کا شعبہ کساد بازاری کا شکار تھا جیسے بنیادی شعبوں تیل، گیس، بجلی وغیرہ مسلسل منفی نمو کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ایک طرح سے کرونا وائرس نے ایک انتہائی خطرناک وقت پر ہندوستان کی معیشت پر چوٹ لگائی ہے۔ خشک سالی، زیادہ بے روزگاری اور دیہی اجرت میں ناقابل یقین حد تک منفی گراوٹ نے کھپت کو بھی شدید متاثر کیا ہے اور بیرونی سرمایہ کاروں نے جو وعدے وعید کئے تھے، انہوں نے بھی فی الحال سرمایہ کاری کے عمل کو مؤخر کر دیا ہے یا پھر انکار کی حد تک خاموشی اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے اعلان کردہ تمام صنعتی منصوبوں پر پانی پھر گیا ہے اور 45 سالوں کے بعد پہلی مرتبہ بیروزگاری نے منفی ریکارڈ قائم کیا ہے۔

پورے شہروں میں لاک ڈاؤن اور اس کے نتیجے میں تمام معاشی سرگرمیوں کی معطلی نے پہلے غریب افراد کی آمدنی کو ختم کیا اور اب نوبت فاقوں تک پہنچ چکی ہے۔ بھارتی سیاسی تجزیہ نگاروں نے اس حقیقت کو پہنچانتے ہوئے جس طرح امریکا اور برطانیہ دونوں حکومتوں نے معاشی سرگرمیاں بند ہونے کے خطرہ کے پیش نظر انفرادی کارکنوں کیلئے فوری طور پر انکم سپورٹ شروع کی ہے۔ ایسی ہی مودی حکومت کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ ہندوستان کو بغیر کسی تاخیر کے ایسا کرنے کی ضرورت ہے ہندوستان کے لئے یہ ایک زیادہ مشکل مسئلہ ہے کیونکہ اس کی تقریباً 50 فیصد افرادی قوت خود ملازمت میں ہے اور ٪95 سے زیادہ کارکن غیر منظم شعبے میں ہیں لیکن مودی سرکار نے اپنے ملک کے سرمایہ داروں کی طرف سے جمع کئے ہوئے عطیات کو بھی اس سلسلے میں ہوا نہیں لگنے دی۔ غیر منظم اور غیر رسمی شعبے کے کارکنوں کی آمدنی پہلے ہی اس لاک ڈاؤن کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے اور اس دیہاڑی دار طبقے کے پاس تو اتنی بھی بچت نہیں ہوتی کہ اگلے دن کا گزارہ ہو سکے۔ اب یہ عین ممکن ہے کہ ان حالات میں جرائم میں اضافہ ہو اور لوگ سول نافرمانی کی طرف بھی جا سکتے ہیں۔

ادھر کشمیر میں پچھلے نو ماہ سے زائد لاک ڈاؤن کے بعد کشمیری نوجوانوں نے ایک مرتبہ پھر کشمیر میں قابض فورسز پر حملے شروع کر کے بھارت سمیت دنیا بھر کو یہ پیغام دیا ہے کہ کورونا وائرس کی دہشت میں مبتلا اقوام عالم کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت کی مقبوضہ کشمیر میں خوفناک کاروائیوں کے نتیجے میں کشمیر کی آبادی کا گراف تبدیل کرنے کی سازش کو کبھی بھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور سات لاکھ سے زائد ظالم فورسز کے دن بدن بڑھتے ہوئے اخراجات بھی بھارتی معیشت کی تباہی کا اسی طرح سبب بنیں گے جس طرح سوویت یونین جیسی سپر پاور انہی حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر چھ ٹکڑوں میں تبدیل ہو گئی۔

بازنطینی مورخ پروکوپیس نے طاعون کیلئے شہنشاہ کو موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جسٹن شیطان صفت تھا اور یہ کہ طاعون کی شکل میں خدا نے اُسے اس کے بُرے اعمال کی سزا دی تھی۔ مودی اور ٹرمپ کو اب تو ہوش کے ناخن لینے چاہییں۔

بروز جمعۃ المبارک 13 شوّال المعظم 1441ھ 5 جون 2020ء

کرونا.....چین بھارت تناؤ

ایک طرف پوری دنیا کورونا سے لڑ رہی ہے۔انڈیا میں اس کے متاثرین کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہو چکی ہے اور چین پر یورپ اور امریکا بار بار سوال اٹھا رہے ہیں۔ایسی صورتحال میں دونوں ممالک کے درمیان ایک نئے تنازعے میں پڑنے کی کیا وجہ ہے ؟ایس ڈی منی کا کہنا ہے کہ اس وقت انڈیا ان علاقوں میں اپنے دعوے کو مزید مضبوط بنانا چاہتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہے درحقیقت یہ متنازع علاقے ہیں۔اس کی شروعات 1958 میں اس وقت ہوئی جب چین نے اکسائی چن میں ایک سڑک بنائی جو شاہراہ قراقرم سے جڑتی ہے اور پاکستان کی طرف بھی جاتی ہے۔جب سڑک تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت انڈیا کی توجہ اس طرف نہیں گئی لیکن سڑک تعمیر ہونے کے بعد انڈیا کے اس وقت کے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے اس پر اعتراض کیا تھا۔اس وقت سے ہی انڈیا واویلا کر رہا ہے کہ چین نے اکسائی چن پر قبضہ کر لیا ہے لیکن اس وقت انڈیا نے اس پر کوئی فوجی کاروائی نہیں کی۔اب کاروائی کی جا رہی ہے کیونکہ انڈیا کو اپنا دعویٰ کرنا ہے۔جس طرح انڈیا نے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان سے متعلق اپنے دعوے کو مستحکم کرنا شروع کر دیا ہے۔اسی تناظر میں اکسائی چن میں بھی سرگرمیاں جاری ہیں لیکن اب چین کو اس سے پریشانی ہو رہی ہے۔

ایس ڈی منی کا کہنا ہے کہ چین گالوان کی وادی میں انڈیا کی تعمیرات کو غیر قانونی قرار دے رہا ہے کیونکہ انڈیا اور چین کے مابین ایک معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ایل اے سی قبول کریں گے اور وہاں نئی تعمیرات نہیں کریں گے لیکن چین پہلے ہی وہاں ضروری فوجی تعمیرات کر چکا ہے اور اب وہ موجودہ صورتحال کو برقرار رکھنے کی بات کرتا ہے۔اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنے کیلئے اب انڈیا بھی وہاں سٹریٹجک عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے۔آزاد کشمیر سے لے کر اکسائی چن تک انڈیا کی حکمت عملی میں تبدیلی کی کیا وجہ ہے ؟کیا انڈیا غیر محفوظ محسوس کر رہا ہے اور آیا وہ جارحانہ ہو گیا ہے ؟

دراصل مقبوضہ کشمیر میں غیر آئینی کاروائی کے بعد ہندو سامراج سمجھتا ہے کہ جس طرح دنیا میں کشمیر کے معاملے پر اتنا پرزور احتجاج نہیں ہوا،اس لئے اب کورونا وبا کی وجہ سے ساری دنیا کی توجہ اپنے داخلی مسائل پر ہے،اس لئے لداخ میں اپنا اختیار جتانے کا مناسب وقت ہے کیونکہ 1962 کے مقابلے میں آج کا انڈیا فوجی لحاظ اور معاشی نقطہ نظر سے بھی مضبوط ہے اس کے علاوہ جس طرح سے چین سامنے آیا ہے،خطرہ بڑھا ہے۔پاکستان کے ساتھ انڈیا کے تعلقات ہمیشہ سے بہت خراب ہیں اور وہ گزشتہ برس پاکستان کی عسکری قوت نے اسے اس کی اوقات یاد دلادی تھی،ایسی صورتحال میں اکسائی چین میں فوجی تعمیرات سے وہ پاک چین فوجی سرگرمیوں کو نقصان پہنچانے کی سازش کر رہا ہے۔

دوسری جانب گلوبل ٹائمز نے ایک ریسرچ فیلو کے حوالے سے بتایا ہے کہ وادی گالوان میں ڈوکلام جیسی صورتحال نہیں ہے۔اکسائی چن میں چینی فوج مضبوط ہے اور کشیدگی بڑھانے کیلئے انڈین فوج کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑ سکتی ہے۔اس سلسلے میں ماہرین کا خیال ہے کہ چین وہاں مضبوط حالت میں ہے اور وہ انڈیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے تاہم کورونا کی وجہ سے چین سفارتی طور پر کمزور ہو چکا ہے۔یورپی یونین اور امریکا اس پر کھلے عام الزامات عائد کر رہے ہیں جبکہ انڈیا نے ابھی تک چین سے متعلق کچھ نہیں کہا ہے۔ایسی صورتحال میں چین انڈیا سے متوازن طرز عمل کی توقع کر رہا ہے۔انڈیا اس محاذ پر چین سے مذاکرات کرنے کی حالت میں ہے۔کیا ان ممالک پر دباؤ بڑھے گا؟

چین نے انڈیا پر الزام لگایا ہے کہ وہ کورونا کے معاملات سے توجہ ہٹانے کیلئے ایک سرحدی تنازع پیدا کر رہا ہے۔ چین بحیرہ جنوبی چین میں اپنی فوجی تعمیر کو بھی بڑھا رہا ہے۔ دنیا کورونا سے نمٹنے میں مصروف ہے لیکن فوج کورونا سے لڑ نہیں رہی ہے۔ فوج اپنا کام کرے گی۔ یہ سٹریٹجک اہمیت کے امور ہیں جو کورونا سے پہلے تھے، اب بھی ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گے لہذا چین قومی سلامتی کے معاملے میں کوئی رعائت دینے کو تیار نہیں

نیپال میں آئے سیلاب کی وجہ انڈیا اور نیپال کے سرحدی علاقوں میں انڈیا کی طرف باندھے گئے ڈیم ہیں جس وجہ سے نیپال انڈیا سے ناراض ہے۔ دوسری جانب چین نے نیپال کے سیلاب سے متاثر علاقوں کیلئے 10 لاکھ ڈالر امداد دینے کا اعلان کیا ہے۔ کیا نیپال کی انڈیا سے ناراضی اور نیپال کی چین سے دوستی کی وجہ سے انڈیا کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے؟ نیپال میں اس بار سیلاب پچھلے 21 سالوں کا سب سے بڑا سیلاب ہے۔ سیلاب میں اب تک کم از کم 120 افراد ہلاک ہو گئے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں متاثر ہوئے ہیں۔ چین کے نائب وزیر اعظم نے نیپال کو 10 لاکھ ڈالر کی فوری طور پر امداد کا اعلان کیا ہے اور وہ اس وقت نیپال میں پہلے سے طے شدہ دورے پر ہیں۔ دو سال قبل نیپال میں زلزلہ آنے پر بھی چین نے امداد دی تھی۔ چین کی نیپال کو دی جا رہی امداد پر انڈیا کی طرف سے اب تک کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا ہے لیکن انڈیا کیلئے یہ پریشانی کی وجہ ضرور ہے۔ نیپال میں جو سیلاب آیا ہے اس کی وجہ انڈیا کی طرف سے سرحدی علاقے میں باندھے گئے یک طرفہ تقریباً 15 بند ہیں۔ انہیں کی وجہ سے نیپال کا بالائی علاقہ سیلاب کی زد میں ہے۔ نیپال اس لئے ناراض ہے کہ انڈیا نے یہ ڈیم اپنے طور پر تعمیر کیے ہیں۔ ایسے میں چین کے نیپال کی مدد کرنے سے انڈیا کو ایک پیغام جاتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب انڈیا اور چین کے درمیان کشیدگی بڑھی ہوئی ہے۔ انڈیا اور نیپال کے رشتے 2015 میں اقتصادی محاصرے کے بعد بگڑ گئے تھے اب ون روڈ ون بیلٹ کے سلسلے میں چین نیپال میں بڑی سرمایہ کاری بھی کر رہا ہے۔

اس وقت مودی سرکار نے امریکا اور اسرائیل کی شہ پر تمام ہمسایوں کے ساتھ تعلقات خراب کر کے انڈیا کی قومی سلامتی کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ اندرون ملک علیحدگی کی دو درجن سے زائد تحریکیں جلد یا بدیر اپنی منزل کو پہنچنے والی ہیں اور مہابھارت کا خواب دیکھنے والا جلد ہی دنیا کے نقشے سے محو ہونے جا رہا ہے۔

بروز جمعرات 19 شوّال المعظم 1441ھ 11 جون 2020ء

کورونا.... گڈ گورننس کی ضرورت

پچھلے ہفتے میں نے کورونا کی تائیوان میں ناکامی کے بارے میں لکھا جس کے بعد قارئین کا مطالبہ ہے کہ بالآخر باقی ممالک تائیون کے تجربے سے کیوں فائدہ نہیں اٹھارہے۔اس وقت جب کہ دنیا بھر میں امریکا سمیت تمام ممالک کی حکومتیں اور عوام کورونا کی وبا سے نمٹنے کی کوششیں کررہے ہیں، تائیوان اور جنوبی کوریا کا تجربہ اس وبا سے نمٹنے میں کافی معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

تائیوان کو 2003ء میں SARS وائرس سے نمٹنے کا تجربہ ہوچکا تھا اسی وجہ سے کورونا کے پھیلاؤ کے خلاف بھی تائیوان بہت تیزی سے حرکت میں آیا ۔تائیوان میں ہیلتھ انشورنس کی شرح 99ء9 فی صد ہے اور گلوبل ہیلتھ کیئر انڈیکس کے مطابق یہ دنیا کا بہترین ہیلتھ کیئر سسٹم ہے۔ جلد ردِ عمل، وبا سے تحفظ کی ایک جامع حکمت عملی، میڈیکل ڈیٹا کا موجود ہونا اور معلومات فراہم کرنے کے نظام کی وجہ سے تائیوان میں کورونا کے بہت کم واقعات سامنے آئے۔ کورونا کے خلاف تائیوان کے رد عمل میں دنیا کیلئے کچھ ایسے سبق موجود ہیں جو اس وبا کے خلاف اقدامات میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔

کورونا کے خلاف اقدامات کے آغاز میں ہی ملکوں کو وبائی امراض سے تحفظ کے محدود وسائل، طبّی آلات کی کمی اور عوام میں خوف وہراس کی صورت حال کا سامان کرنا پڑرہا ہے۔ جیسے ہی وائرس بڑے پیمانے پر پھیلنا شروع ہوا تو برطانیہ، اٹلی اور دیگر ممالک نے طبّی سہولیات کی کمی کے باعث ان کا استعمال وائرس سے متاثرہ ان مریضوں کیلئے مخصوص کردیا جن کی حالت نازک تھی۔اس وائرس کے بارے نسبتاً کم معلومات ہونے کی وجہ سے عوامی سطح پر اس کے بارے میں آگہی پھیلانا پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔

تائیوان میں Central Epidemic Situation Command Center کے تحت اطلاعات اور آگہی دینے کیلئے ایک پلیٹ فارم بنایا گیا۔اس پلیٹ فارم سے روزانہ کی بنیاد پر پریس کانفرنس کی جاتی، جس میں تازہ صورت حال کے حوالے سے اطلاعات دی جاتیں۔اسی طرح متعلقہ سرکاری ادارے بھی تازہ ترین اطلاعات فراہم کرتے رہتے۔ حکومت نے وائرس کے حوالے سے درست رہنمائی فراہم کرنے کیلئے خاکوں اور دیگر بصری ذرائع کا استعمال بھی کیا۔ حکومت نے سول سوسائٹی کے ساتھ مل کر ماسک اور دیگر حفاظتی اشیا کی طلب اور رسد کا نظام وضع کیا جس میں عوام کے ہیلتھ انشورنس کے ڈیٹا کو مدنظر رکھ کر ماسک کی فراہمی کا انتظام کیا گیا۔

اس قسم کے بحران سے معاشرے کا غریب طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔اس وجہ سے حکومتوں کو چاہیے کہ وہ نجی شعبے کے ساتھ مل کر ایک نظام وضع کریں، جس سے ہر فرد کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔تائیوان میں این جی اوز کا ایک وسیع نیٹ ورک موجود ہے۔ مقامی حکومتوں نے ان تنظیموں کے ساتھ مل کر کورنٹائین ریلیف کا کام شروع کردیا اور ایسے افراد کو جو گھروں میں خود کو الگ نہیں رکھ سکتے تھے انھیں ہوٹل کے کمروں میں آئیسولیشن میں رکھا۔ بعض جگہوں پر حکومت کی جانب سے فنڈ بھی جمع کیا گیا جس سے ضرورت مند افراد کو کم قیمت میں ماسک اور دیگر حفاظتی سامان فراہم کیا گیا۔

تائیوان میں اطلاعات اور رابطے کا مضبوط انفرااسٹرکچر موجود ہے۔ کورونا کے پھیلاؤ کے دوران حکومت نے نجی میڈیا کمپنیوں کے ساتھ مل کر وائرس سے بچاؤ کی تدابیر پر مبنی پیغامات نشر کیے۔ حکومت نے سول سوسائٹی کے ساتھ مل کر ایسے نقشے بھی جاری کیے جن میں ملک بھر میں 6 ہزار سے زائد میڈیکل اسٹورز کی نشاندہی کی گئی جہاں ماسک اور دیگر حفاظتی سامان دستیاب تھا۔

حالیہ تاریخ میں یورپ اور امریکا نے SARS جیسی وبا کا سامنا نہیں کیا، اسی وجہ سے یہاں کے لوگ ابھی کورونا وائرس سے پیدا ہونے والے بحران سے نمٹنا سیکھ رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو اس غلط فہمی کو دور ہونا چاہیے کہ کورونا موسمی بخار کی ہی شدید قسم ہے۔ ماہرین کے مطابق کورونا سے متاثر ہونے اور ہلاک ہونے کی شرح موسمی بخار کی نسبت زیادہ ہے۔ اس وبا سے تحفظ کی بہترین حکمت عملی اپنے طرز زندگی میں تبدیلی لانا ہے۔ مغربی معاشروں میں جہاں Social Distancing اور Self-Quarantine جیسے نئے تصورات سامنے آئے ہیں، وہیں ملاقات کے دوران ہاتھ ملانے، گلے ملنے اور بوسے لینے جیسی عادات کو بھی ترک کیا جارہا ہے۔

سوشل میڈیا کے دور میں حکومت کو چاہیے کہ وہ عوام کا اعتماد حاصل کریں اور انہیں درست معلومات اور رہنمائی فراہم کریں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ کورونا کے خوف سے بہت سی بے بنیاد اور غلط خبریں بھی گردش کرنے لگتی ہیں، جن سے معاشرے میں خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے۔ یہ معاملہ دنیا بھر کیلئے چیلنج بنا ہوا ہے۔ اسی لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ افواہوں کو پھیلنے سے روکنے کیلئے خبروں اور معلومات کی بروقت فراہمی کو یقینی بنائیں۔ تائیوان نے افواہوں کو روکنے کیلئے Taiwan Fact Check Center قائم کیا جہاں کسی بھی غلط معلومات کی نشاندہی ہونے پر 6 منٹ کے اندر اس کی تحقیق کرکے اس پر وضاحت جاری کردی جاتی ہے۔

کورونا سے بچاؤ اور اس پر قابو پانے کیلئے حکومت اور عوام کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ اس بحران سے ہمیں یہ تو معلوم ہوگیا ہے وبا کسی جغرافیائی سرحد کی پابند نہیں ہوتی۔ سابق امریکی صدر اوباما نے کہا تھا کہ ”آزادی خوف سے زیادہ طاقتور ہے“۔ میں موجودہ صورت حال میں اس جملے میں کچھ ترمیم کروں گا کہ ”باہمی امداد خوف سے زیادہ طاقتور ہے“۔ عالمی سطح پر معلومات اور طبّی سہولیات کے تبادلے سے اس وائرس کے اثرات کو کم کیا جاسکتا ہے۔

ادھر حکومتی نمائندے کا کہنا ہے کہ حکومت کورونا سے نمٹنے کیلئے ملک بھر میں تشخیص کرنے کے ٹیسٹ کرنے کی صلاحیت میں تیزی سے اضافہ کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ حکومت ہنگامی بنیادوں پر پہلے ان افراد کا ٹیسٹ کریں جن کے بارے میں خدشہ ہے کہ وہ وائرس سے متاثر ہوسکتے ہیں اور اس سلسلے میں ان لوگوں کے ٹیسٹ کرنے کو ترجیح دی جائے جو استھما سے متاثرہ افراد جو کورونا وائرس والے افراد سے ملے ہوں، ذیابطیس کے مریض جن کی طبیعت بگڑ رہی ہو اور وہ افراد جو ہسپتال میں شدید بیماری کی وجہ سے داخل ہیں۔ حکومتی اطلاع کے مطابق ملک بھر میں 14 لیبز ہیں جہاں وائرس کی تشخیص کے ٹیسٹ فراہم کیے گئے ہیں اور وہ مفت ہوں گے لیکن دوسری جانب پاکستان میں کورونا کے ٹیسٹس کی تعداد پر بہت سے لوگوں نے خدشات

کا اظہار کیا کہ ٹیسٹس میں کمی کے باعث پاکستان میں کورونا کی موجودگی کے بارے میں صحیح اعداد و شمار کا علم ہو سکے گا یا نہیں۔

سب سے بہترین ماڈل تائیوان اور جنوبی کوریا کا ہے جہاں اموات کی شرح دو فیصد سے بھی کم رہی ہے۔ انہوں نے کورونا کی روک تھام کیلئے کئی طریقوں سے کام کیا ہے جن میں سے ایک بہت سے لوگوں کے ٹیسٹ کیے ہیں۔ یاد رہے کہ عید کے موقع پر لاک ڈاؤن میں رعائت دینے کی وجہ سے صرف لاہور میں 9 لاکھ افراد کے متاثر ہونے کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی ملک تمام سیاسی اختلافات اور تعصبات کو ایک طرف رکھ کر وبا سے بچاؤ کے مربوط اور بروقت انتظامات کر لے تو یہ گڈ گورننس کی طرف ایک اہم قدم ہو گا جو وبا سے نمٹنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔

بروز جمعۃ المبارک 20 شوّال المعظم 1441ھ 12 جون 2020ء

''حقیقت'' کی کورونا کے ہاتھوں ہلاکت کی ''حقیقت''

کورونا سے متعلق پائی جانے والی باتیں اب بھول بھلیوں کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ جو بھی اس گم تاڑے میں داخل ہوا پھر اس کا پتا نہ چل سکا۔ معلومات اور غلط بیانی کا فرق مٹ سا گیا ہے۔ بہت کچھ بیان کیا جارہا ہے۔ اِس میں خالص معلومات، ابہام زدہ باتیں، شدید غلط بیانی بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی۔ کورونا سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے خواہش مند بہت کوشش کرنے پر بھی درست معلومات تک نہیں پہنچ پاتے۔ دعوؤں اور الزام تراشی کا بازار گرم ہے۔ قیاس آرائیاں، ابہام اور تضادات ہیں۔ ایک بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے...اور وہ یہ کہ پورے یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

کم ہی لوگ ہیں، جو اس بات کو سمجھتے نہ ہوں کہ ٹرمپ کیلئے جھوٹ بولنا ایسا ہی عمل ہے جیسا سانس لینا۔ جس طور لوگ سانس لیے بغیر نہیں جی سکتے اُسی طور ٹرمپ جھوٹ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ غور کیجیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ٹرمپ کورونا کے حوالے سے ایک الگ حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ چین کا اپنا بیانیہ ہے اور امریکا کا اپنا۔ دونوں کی کوشش ہے کہ کورونا کے حوالے سے اُسی کی بات درست تسلیم کی جائے۔ کورونا کے حوالے سے ٹرمپ کی قومی سطح کی یومیہ بریفنگ دنیا بھر میں دیکھی جاتی ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ایک طرف تو کورونا کے ہاتھوں لاک ڈاؤن نافذ ہے اور سماجی فاصلے پر زور دیا جارہا ہے اور دوسری طرف ٹرمپ اور اُن کے قریبی ساتھی اپنی سیاسی بنیاد والی (یعنی ری پبلکن) ریاستوں میں ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں جن کے نتیجے میں سماجی فاصلہ برقرار رکھنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔

ٹرمپ کا ایک پرانا شوق یہ ہے کہ خود کو خوب سراہا جائے اور ہر معاملے میں ہر الزام دوسروں کے سروں پر تھوپ دیا جائے۔ انہوں نے کئی بار چین، عالمی ادارۂ صحت اور سابق امریکی انتظامیہ کو کورونا کے پھیلاؤ کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اب اس سے بڑا لطیفہ کیا ہوگا کہ ٹرمپ نے اوباما انتظامیہ پر کورونا کی موثر ویکسین کا معقول ذخیرہ نہ چھوڑنے کا الزام عائد کیا ہے۔ تب تو کورونا تھا ہی نہیں پھر ویکسین کہاں سے آتی؟ اعلیٰ ترین سطح پر بیٹھی ہوئی کوئی شخصیت اگر کوئی بات گھما پھرا کر کہے اور کچھ بھی واضح نہ ہونے دے تو زیادہ حیرت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک شخصیت کا معاملہ ہے لیکن اگر بیشتر حکومتی یا ریاستی ادارے الجھے ہوئے انداز سے کام کرنے لگیں تو لوگ محسوس کرتے ہیں کہ معاملات کو کچھ کا کچھ پیش کیا جارہا ہے، جھوٹ بولا جارہا ہے۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ نام نہاد ماہرین کی مدد سے سرکاری اداروں نے یہ بات کس بنیاد پر کہہ دی کہ کورونا کی روک تھام میں فیس ماسک کا کوئی اہم کردار نہیں جبکہ امریکا لاک ڈاؤن ختم کرنے اور تمام سرگرمیاں بحال کرنے کی طرف جارہا ہے، وہی سرکاری ادارے کہہ رہے ہیں کہ کورونا کی روک تھام میں فیس ماسک کا کلیدی کردار ہے! کوئی بھی شخص بہت آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب یہ کہا گیا تھا کہ کورونا کی روک تھام میں فیس ماسک کا کچھ خاص کردار نہیں تب امریکا میں ماسک کی فراہمی بہت کم تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ مریضوں اور طبّی عملے کیلئے بھی پورے ماسک نہیں تھے تو عوام کیلئے کہاں سے لائے جاتے؟ جب ماسک کو قدرے غیر اہم بتایا گیا تھا تب دراصل اس کی ذخیرہ اندوزی کی روک تھام مقصود تھی۔ اب معاملہ یہ ہے کہ حکومت اگر اس طور بیان بدلے تو اداروں پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

مکمل غلط بیانی ایک طرف رہی، امریکا بھر میں کمزور، بے بنیاد اور بے سمت کرنے والی معلومات اِس طور پھیلائی گئی ہیں گویا کھیتوں کو کھاد دی جارہی ہو۔ دائیں بازو کا مین اسٹریم میڈیا ٹرمپ کو صدر کے منصب پر دوسری مدت کیلئے بھی فائز دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ اس نے نام نہاد ماہرین کا سہارا لے کر یکے بعد دیگرے کمزور معلومات عوام کے ذہنوں میں ٹھونسنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اپریل کے وسط میں جب امریکا میں کورونا کے ہاتھوں واقع ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد 29 ہزار سے زائد ہو چکی تھی تب دائیں بازو کے ایک ماہر نے دعویٰ کیا کہ امریکا میں ہر سال سوئمنگ پولز میں حادثاتی طور پر ہلاک ہونے والوں کی تعداد اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ سینٹر فور ڈزیز کنٹرول نے امریکا میں بھر میں سوئمنگ پولز میں ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد 3700 بتائی ہے اور کسی نے اس ماہر کو یہ نہیں بتایا کہ سوئمنگ پول میں حادثات رونما ہوتے ہیں، متعدی امراض نہیں لگا کرتے۔ ایک اور نام نہاد ماہر نے اسکول کھولنے کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ امریکا بھر میں اسکول کھولنے سے ''صرف'' دو یا تین فیصد بچوں سے محروم ہو جانے کا خطرہ برقرار رہے گا! اس جاہلانہ بات پر اس نام نہاد ماہر کو بعد میں معافی مانگنا پڑی۔

عالمگیر وبا نے امریکا میں بھی پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ ایسے میں دائیں بازو کے عناصر کا بدحواس ہونا ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔ سیدھی سی بات ہے، وبا مکمل طور پر قابو میں نہیں آرہی۔ ہلاکتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایسے میں انتہائی دائیں بازو والوں کے فرد کا دوبارہ صدر بننا بہت مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ وبائی امراض سے متعلق سی ڈی سی ماہرین ڈاکٹر فوشی اور ڈاکٹر ڈیبورا برکس کو ابتدائی مرحلے میں ٹرمپ نے بہت سراہا تھا۔ اُن دونوں کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ کورونا کی وبا سے بچاؤ کے سلسلے میں جو بھی رائے وہ دیں گے وہ حتمی اور انتہائی کارآمد ہوگی۔ بعد میں جب ڈاکٹر فوشی کی رائے ٹرمپ کے دوبارہ انتخاب کے حوالے سے کچھ زیادہ کارگر ہوتی دکھائی نہیں دی تب انہیں دھمکیاں بھی دی گئیں۔ اس حوالے سے ٹرمپ خاموش رہے۔ دونوں ماہرین کی صلاحیتوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر کورونا واقعی اتنا عجیب ثابت ہوا کہ اُس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے میں دونوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

کورونا کے مریضوں اور ہلاکتوں کی ممکنہ تعداد بتانے کے حوالے سے امریکا میں بیشتر سرکردہ ڈاکٹروں نے جو ماڈل اختیار کیا وہ غلط نکلا۔ پہلے یہ کہا گیا کہ کورونا کے بارے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی شور مچایا گیا ہے پھر جب انہوں نے ممکنہ اموات کے اعداد و شمار بتائے تو لوگ حیران رہ گئے کیونکہ حقیقی اموات سے یہ اعداد و شمار خاصے کم رہے۔ بہت سوں نے قوم کو اس وبا کے بارے میں بتانے کے حوالے سے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا اور حد سے گزر گئے۔ دونوں ہی معاملات میں لوگ اس قابل نہ رہے کہ کسی پر پوری طرح بھروسا کر سکیں۔ کورونا سے واقع ہونے والی ہلاکتوں کے بارے میں بھی جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں اُنہوں نے عوام کا اعتماد متزلزل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ری پبلکن پارٹی کی حکومت والی ریاستوں میں کم ہلاکتیں دکھائی گئیں۔ بعد میں ڈاکٹروں کے اس بیان نے بھی معاملات کو مزید الجھا دیا کہ انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ اموات کے اسباب بیان کرتے وقت ریاست کے سیاسی جھکاؤ کا خیال رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تک کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں کہ صرف کورونا کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتوں کی اصل تعداد بتا سکے۔ جو لوگ مختلف امراض میں پہلے ہی سے مبتلا تھے ان کی اموات کے اسباب میں کورونا کو بھی شامل کر لیا گیا اور پھر یہ تمام اموات کورونا کے کھاتے میں ڈال دی گئیں۔ اس کے نتیجے میں شدید نوعیت کا ابہام پیدا ہوا ہے۔

کورونامیں مبتلاہونے پر جن لوگوں کواسپتال لایاگیا،ان میں سے بیشتر پہلے ہی سے مختلف امراض میں مبتلاتھے۔نیویارک اوراس کے نواح میں موجوداسپتالوں میں کام کرنے والی نارتھ ویل ہیلتھ آرگنائزیشن نے بتایاہے کہ نیویارک میں کورونامیں مبتلامریضوں میں 57 فیصدپہلے ہی سے ہائپر ٹینشن کے،33 فیصدذیابیطس کے اور 41 فیصد موٹاپے کے مریض تھے۔یہ سب کچھ اس بات کاواضح غمازہے کہ ماہرین اب تک کورونا کے ہاتھوں ہونے والی اموات کے حوالے سے محض قیاس آرائی کی بنیادپر کام کررہے ہیں۔کسی کو بالکل درست اندازہ نہیں کہ کورونا کے ہاتھوں واقعی کتنی ہلاکتیں واقع ہوئیں۔ امریکامیں کورونا ٹیسٹنگ کا معاملہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔نیویارک میں ٹیسٹنگ کے حوالے سے بہت سی باتیں پھیلائی گئیں۔عوام کورونا ٹیسٹ کا نتیجہ مثبت آنے پر بھی یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے کہ انہیں یہ لگ چکاہے۔بات ایسی الجھی ہوئی نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے۔ماہرین خود بھی پوری طرح نہیں جانتے تھے کہ کوئی بھی شخص کس بنیادپر کورونامیں مبتلا ہوسکتاہے۔اینٹی باڈیز کے حوالے سے کی جانے والی بحث الجھی ہوئی ہے اور کوئی بھی اس حوالے سے ہر بات کودرست ماننے کیلئے تیار نہیں۔

سماجی فاصلے کے حوالے سے بھی یہی کہاجاسکتاہے۔اس حوالے سے اپنائے جانے والے پروٹوکول عجیب رہے ہیں اوران پر پوری طرح عمل بھی نہیں کرایاجاسکا۔ایک تازہ تحقیق سے معلوم ہواہے کہ بہت سے لوگ کورونا کاشکاراس لیے نہیں ہوئے کہ انہوں نے لوگوں سے تعلقات برقراررکھے تھے۔اسٹورزمیں لوگ بڑی تعدادمیں جمع ہوتے رہے مگرایساکرنے سے کچھ خاص نقصان نہیں پہنچا۔نرسنگ ہومزاوراسپتالوں پر کورونا کاحملہ خاصاتیزاورہمہ گیر تھا۔بعض معاملات میں توپورے خاندان کورونا کے شکارپائے گئے۔نرسنگ اسٹاف کیلئے مشکلات غیر معمولی رہیں۔امریکامیں ریاستی حکومتیں قرنطینہ مراکز قائم کرنے میں ناکام رہیں۔نیویارک میں جب کورونا کاعفریت بے لگام ہوکرناچ رہاتھاتب ریاستی گورنرنے بتایاکہ جن لوگوں میں کورونا کی تصدیق ہوئی ہے ان میں سے 66 فیصد کوریاست کے طے کردہ پروٹوکول کے مطابق گھروں میں قرنطینہ کیاگیاہے۔ہوسکتاہے کہ ان میں سے کچھ باتیں درست یاحقیقت پر مبنی بھی ہوں مگر کورونا کی وباکوسیاسی رنگ دیے جانے کے باعث عوام اس حوالے سے اتنے ''بے حِس''ہوچکے ہیں کہ اب وہ کسی بھی بات پر پوری طرح یقین کرنے کو تیار نہیں۔

کورونا کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتیں اپنی جگہ مگر حقیقت یہ ہے کہ ''حقیقت''کو کورونا کے ہاتھوں واقع ہونے والی پہلی ہلاکت کا درجہ حاصل ہوچکاہے۔اس پورے معاملے میں اتنی تضاد بیانی اور غلط بیانی کی گئی ہے کہ ماہرین کی باتوں پر بھی لوگوں کااعتماداٹھ گیاہے۔نہ توکسی بھی بات میں قطعیت پائی جاتی ہے اور نہ ایسے ماہرین ہی پائے جاتے ہیں جن پر پوری طرح بھروسا کیاجاسکے۔

سائنس دان اب بھی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں۔کورونا کااگر کوئی مثبت پہلوہے تو یہ کہ اب ہم جان چکے ہیں کہ فطری علوم وفنون میں پیش رفت ارتقائی طریق سے ہوتی ہے،انقلابی طریق سے نہیں یعنی سب کچھ بتدریج ہوتاہے۔کورونانے یہ ثابت کردیاہے کہ ہم فطری علوم وفنون کے ماہرین کو بہت زیادہ وقعت دے بیٹھتے ہیں اور جب بھی کسی موضوع پر کچھ نہیں سُوجھتاتوماہرین کی کہی ہوئی ہر بات کودرست تسلیم کرلیتے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ کیاپاکستان کی مقتدر قوتیں کورونا کے نام پر پھیلائی ہوئی دہشت کاچہرہ بے نقاب ہونے کی حقیقت سے کوئی سبق سیکھنے کو تیار ہیں یاپھر غلامانہ روش اب بھی سرجھکانے پر مجبور رکھے گی؟

بروزاتوار22شوّال المعظم1441ھ14جون2020ء

کورونا کا مثبت پہلو

فلسطین خصوصاً مغربی کنارے میں کورونا کے پھیلاؤ کے خدشے نے اسرائیل اور فلسطین اتھارٹی کے درمیان رابطے کو بڑھادیا ہے۔ وائرس کو پھیلنے سے روکنے کیلئے دن رات کوششیں کی جارہی ہیں، اسرائیل کی براہ راست مداخلت پر فلسطین اتھارٹی نے اسرائیلی فوج سے آبادیوں میں موجود رکاوٹیں ہٹانے کی درخواست کی ہے تاکہ فلسطین کے شہروں، علاقوں اور پناہ گزینوں کے کیمپ کو کورونا سے بچایا جاسکے۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کے ساتھ مسلسل فون کالز کا انکشاف کیا ہے، سول اور سیکورٹی سطح پر دونوں اطراف سے رابطے ہورہے ہیں، اسرائیل اس حوالے سے خوفزدہ ہے کہ فلسطین میں جنگ زدہ ماحول کی وجہ سے پہلے ہی صحت اور معیشت کے شعبے تباہی کے دہانے پر ہیں۔ اسرائیل سیکورٹی ایجنسیز کورونا کی وجہ سے مغربی کنارے کے حالات اور اس کے اسرائیل پر پڑنے والے اثرات کا مطالعہ کررہی ہیں، بہت ممکن ہے کہ کورونا کی یہ وبا بین الاقوامی سطح پر طاقت کے توازن کو بدل دے یا پھر اس پر دیرپا اثرات چھوڑے۔

اسرائیلی آرمی چیف نے فلسطینی اتھارٹی کے ساتھ مل کر ایک خصوصی ٹیم بنائی ہے، جو وبا سے پیدا ہونے والے نتائج پر بحث کرے گی، ملٹری انٹیلی جنس میجر جنرل تامر ہیمن اس ٹیم کی سربراہی کررہے ہیں، افسران کے ذریعے حاصل کردہ سیکورٹی ڈیٹا کی جانچ کی جائے گی۔ مغربی کنارے میں وبا کو روکنے کیلئے فلسطینی اتھارٹی کی کوششوں کو اسرائیل نے سراہا ہے جبکہ فلسطینی اتھارٹی نے اسرائیلی نیشنل سیکورٹی کونسل کی جانب سے بڑا امدادی پیکج بھی وصول کیا ہے۔ اسرائیلی نیشنل کونسل اور مغربی کنارے کی سول انتظامیہ مسلسل رابطے میں ہے۔ فلسطینی وزیراعظم نے اسرائیل پر شدید تنقید کرتے ہوئے اسرائیلی امداد کو وبا کے پھیلنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اسرائیلی امداد اس وبا سے نمٹنے کیلئے ناکافی ہے، ان کے اس بیان کو اسرائیل نے نظرانداز کیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فلسطینی عوام کو ان کے اصل ایشوز سے ہٹانے کی حکمت عملی ہے، تاہم وسائل کی شدید قلت کے باوجود غزہ بہترین طریقے سے اس وبا کا مقابلہ کررہا ہے۔

اسرائیلی سیکورٹی ایجنسیز ہم منصب فلسطینی رہنماؤں سے اچھے تعلقات بنانے اور اعتماد قائم کرنے کیلئے کورونا کو استعمال کررہی ہیں۔ صورتحال کچھ ایسی ہے کہ اگر حالات کو صحیح طریقے سے قابو میں نہیں کیا گیا اور عالمی وبا کے بعد فلسطینیوں کو اپنے روزگار کیلئے اسرائیلی علاقوں کی طرف جانے یا غیر قانونی طور پر چینی مزدوروں کی جگہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی تو پہلے سے موجود اعتماد بھی ختم ہوجائے گا۔ فلسطینیوں کے ساتھ سیکورٹی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کیلئے دونوں ممالک کے درمیان بہتر تعلقات کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کو یہ یقین ہے کہ اگر وائرس قابو سے باہر ہوا تو مقبوضہ فلسطین کو بھی متاثر کرے گا، فلسطینی ریاست خصوصاً مغربی کنارہ اپنے محل وقوع کی وجہ سے متاثر ہوسکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وائرس پہلے فلسطین کو متاثر کرے لیکن وہاں ذرائع ابلاغ موجود نہیں ہیں، میڈیا کی ساری توجہ اس وقت اسرائیل پر لگی ہوئی ہے۔

اسرائیل یہ بات بھی جانتا ہے کہ اگر فلسطین میں کورونا قابو سے باہر ہوا تو اسرائیل میں اس کے خوفناک نتائج ہوں گے۔ وائرس دیواروں سرحدوں اور رکاوٹوں کا احترام نہیں کرتا، اگر فلسطین اتھارٹی وبا پر قابو نہ کرپائی تو اس کے اسرائیل پر بڑے بُرے اثرات پڑیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ وبا کی تباہ

کاریاں فلسطینی عسکریت پسندوں کی مزاحمت کو بڑھادیں۔یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی فوج اور سیکورٹی کے ادارے باریک بینی سے حالات کا جائزہ لے رہے ہیں تاکہ حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے اسرائیل بروقت مداخلت کرسکے،اس کیلئے اسرائیل نے مغربی کنارے پر ہنگامہ خیز صورتحال سے نمٹنے کیلئے فیلڈ اسپتال بھی تیار رکھے ہوئے ہیں اور عالمی برادری کو بھی وبا پر قابو پانے کیلئے مقبوضہ علاقے میں جانے کی اجازت ہے۔میجر جنرل کامل ابو رکون کے مطابق یہ سارے کام فلسطینی اتھارٹی کے تعاون سے اسرائیلی انتظامیہ سرانجام دے رہی ہے۔

یہ بہت اہم ہے کہ اسرائیل کے خلاف مزاحمتی حملوں میں خاصی کمی آئی ہے،اسرائیل میں کورونا کی وبا سے بچنے کیلئے کرفیو اور آئسولیشن سے مدد لی جارہی ہے۔اسرائیلی فوج یہ سمجھتی ہے کہ اس وبا کے دوران اگر سیکورٹی آپریشن کیا گیا اور فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا تو کورونا کا پھیلاؤ تیزی سے بڑھے گا، خصوصاًوہ علاقے جہاں فلسطینیوں کا کنٹرول زیادہ ہے۔یہ بھی ممکن ہے وبا کے بعد مغربی کنارے سے ایک اور تحریک انتفاضہ نکلے یا یہ کہ اسرائیل فلسطینی معیشت کو سنبھالنے کیلئے مدد کرے،اسرائیل کا موقف واضح ہے کہ وہ اسی صورت فلسطینی اتھارٹی کی مدد کرے گا،جب فلسطینی اتھارٹی تیسری عوامی بغاوت کو کچلنے میں مدد فراہم کرے گی۔

فلسطینی اتھارٹی کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ تنخواہوں کی ادائیگی نہیں کرسکتی اور اسرائیل اس بات سے پریشان ہے اگر فلسطینی سیکورٹی اہلکاروں کی تنخواہیں ادا نہیں کی گئیں تو مقبوضہ علاقے میں اسرائیل کو سیکورٹی کے انتظامات خود سنبھالنے پڑیں گے۔کورونا اس وقت اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کیلئے مشترکہ دشمن ہے،میڈیکل ڈیٹا یہ بتاتا ہے کہ فلسطین میں وبا کا پھیلاؤ کم ہے اور اصل خوف اسی بات کا ہے کہ اسرائیل کے ذریعے فلسطین کے مقبوضہ رہائشی علاقوں میں وائرس نہ پھیل جائے۔

ان سب کے باوجود وبا میں بہت ممکن ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کے تعلقات بہتر ہوجائیں،بے شک یہ ایک تاریخی موقع ہے جسے تعلقات بہتر بنانے کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے کورونا اعلیٰ سطح پر زیر بحث ہے،بہت ممکن ہے کہ وبا اسرائیل اور فلسطین کیلئے مثبت مذاکرات کیلئے معاون ثابت ہو۔اسرائیل کو لوگوں کی نوکری پر بحفاظت واپسی اور مغربی کنارے پر انتظامات کو محفوظ بنانا ہوگا ورنہ ایک لاکھ بیس ہزار افراد کی زندگیوں کو خطرات لاحق ہوں گے جس کے نتائج اسرائیل کیلئے تباہ کن ہوں گے۔یہ عالمی وبا فلسطینیوں کے رہن سہن کے طریقوں کو ان کی طرز رہائش کو تبدیل کردے گی لازمی طور پر اس کے اثرات سیکورٹی کے نظام پر بھی پڑیں گے اسرائیل کے پالیسی ساز اس معاملے کو سمجھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ فلسطین میں مکمل لاک ڈاؤن نہیں کررہے تاکہ مغربی کنارے میں معیشت بحال رہ سکے۔

کورونا کی وجہ سے اسرائیل اس وقت بدترین بحران سے گزر رہا ہے،پوری ایک صدی تک شاید دنیا اس کے اثرات سے نہ نکل پائے،لیکن یہی بحران

مستقبل میں بہتر تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جس کی توقع محض چند ہفتوں پہلے نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی دونوں سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ریاستی حدود کے معاملات کو بیٹھ کر طے کر لیا جائے اگر یہ ہو جاتا ہے تو عالمی وباسخت ترین دشمنوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے میں حیرت انگیز کردار ادا کرے گی لیکن حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ پڑوس میں سفاک ہندو اس وبا سے کوئی سبق حاصل کرنے کی بجائے مزید عذاب الہٰی کو دعوت دینے پر تلا ہوا ہے۔

بروز اتوار 29 شوّال المعظم 1441ھ 21 جون 2020ء

دنیا کا خاتمہ

مارچ 2020ء کے پہلے ہفتے میں نیویارک کے گورنر اینڈریو کیومو نے تقریباً بڑھک کے سے انداز سے کہا تھا ''ہم نیویارکرز کی "رعونت" سے درگزر کیجیے کیونکہ روئے ارض پر صحتِ عامہ کا بہترین نظام کہیں ہے تو نیویارک میں ہے۔ (کورونا کے ہاتھوں) دوسرے ممالک میں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ یقیناً ہمارے ہاں نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں ہر معاملے میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ ہم پوری طرح متحرک ہیں''۔

کچھ ہی دنوں کے بعد جب امریکا میں کورونا کی وبا پھیلی تو نیویارک ملک کا سب سے بڑا ہاٹ اسپاٹ بن کر ابھرا۔ بلی تھیلے سے باہر آگئی یعنی ثابت ہوگیا کہ اینڈریو کیومو کی بڑھک کے برعکس نہ تو ہم آہنگی تھی اور نہ ہی پوری مشینری متحرک تھی۔ امریکا میں کورونا کے سب سے زیادہ مریض نیویارک میں سامنے آئے اور سب سے زیادہ ہلاکتیں بھی وہیں واقع ہوئیں۔ صفِ اول کے طبّی عملے کو اس وبا کے سامنے واضح تیاری کے بغیر کھڑا کر دیا گیا۔ لوگ بہت تیزی سے بھول گئے کہ اینڈریو کیومو نے چند ہفتے پہلے کیا کہا تھا۔ کورونا کی وبا کے خلاف لڑنے والی ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے اینڈریو کیومو نے ڈیلی بریفنگز اور دیگر اقدامات کے ذریعے اپنی سیاسی پوزیشن مضبوط کرلی اور اب وہ قومی سطح کے سیاسی افق پر نئے ستارے کی حیثیت سے ابھرے ہیں۔
اینڈریو کیومو نے اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں اور کچھ سیکھا ہو یا نہ سیکھا ہو، ایک بات ضرور سیکھ لی ہوگی... یہ کہ وبا صرف وبا ہوتی ہے۔ یہ ایک جگہ پھوٹ پڑے تو ہر جگہ پھوٹ پڑتی ہے۔ جب بھی کہیں کوئی وبا پھوٹے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی نہ کسی طور پھیل کر رہے گی۔ اینڈریو کیومو اب کورونا کے خلاف ٹیم کی قیادت کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے مگر جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔

کورونا اس اعتبار سے منفرد ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کونا محفوظ نہیں رہا۔ 2003ء میں سیویئر ایکیوٹ ریسپیریٹری سنڈروم (سارس) آیا۔ اس کے بعد 2012ء میں مڈل ایسٹ ریسپیریٹری سنڈروم (مرس) آیا۔ 2014ء میں مغربی افریقا کے طول و عرض میں ایبولا وائرس پھیلا۔ یہ تمام وائرس ایک خاص حد تک تھے۔ کورونا نے پوری دنیا میں تباہی مچائی۔

کورونا کے ہاتھوں بہت کچھ بے نقاب ہوا ہے۔ قومی، علاقائی اور عالمی سطح پر صحتِ عامہ کے نظام کی کمزوری سامنے آچکی ہے۔ عشروں سے جو سیاسی اور معاشی پالیسیاں کام کر رہی ہیں ان کے نتیجے میں دنیا کچھ کی کچھ ہوتی چلی گئی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ان پالیسیوں پر نظرِ ثانی کی جائے، اصلاحِ احوال کی صورت پیدا کی جائے۔ کورونا وائرس کی وبا نے یہ بھی سکھایا ہے کہ اگر کسی معاشرے میں عوام کی واضح اکثریت ریاستی نظام پر بھرپور اعتماد کی حامل نہ ہو تو کسی بھی وبا پر قابو پانا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ صحتِ عامہ کے نظام میں پائی جانے والی کمزوریوں کے نتیجے میں عوام اور حکومت کے درمیان اعتماد کا رشتہ بُری طرح مجروح ہوتا ہے۔ کسی وبا کی روک تھام اُسی وقت ممکن ہو پاتی ہے جب ہنگامی حالت میں سماجی سطح پر رابطے درست رہیں، اعتماد قائم رہے۔ یہ اعتماد ہی کورونا کی وبا کو شکست دینے میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آج اگر مطلوبہ سطح پر اعتماد نہیں پایا جارہا تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ ہم اختلاف اور انحراف کے دور میں جی رہے ہیں۔ سیاسی نظام اور سیاسی قیادت پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جانے کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔

2011ء میں عرب دنیا میں بیداری کی لہر دوڑی۔ اس کے بعد امریکا میں وال اسٹریٹ کے گھیراؤ کا موسم آیا۔ چند برسوں کے دوران دنیا بھر میں عوامیت کی لہر اٹھی ہے۔ ہجوم کی نفسیات نے زور پکڑا ہے۔ بھارت میں یہ لہر بدترین شکل میں سامنے آئی ہے۔ 2019ء میں الجزائر، سوڈان، لبنان اور عراق میں بہت بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوئے۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ عوام کے بنیادی مسائل حل کرے۔ ایران میں قیادت پر سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب کورونا کی وبا پھیلی اور حکومت نے کہا کہ سماجی فاصلہ رکھا جائے تب عوام نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ حکومت چاہتی ہے کہ لوگ گھروں میں رہیں اور ایک موبائل ایپ کے ذریعے اپنی صحت کا جائزہ لیں۔ حکومت چاہتی ہے کہ لوگ اسپتالوں میں بھیڑ نہ لگائیں۔ 2019ء میں دنیا بھر میں ہنگامے پھوٹے۔ سوال کسی لیڈر کو ہٹانے کا نہیں تھا بلکہ لیڈر شپ کو تبدیل کرنے کا تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ سسٹم تبدیل ہو، معاملات درست ہوں، بنیادی مسائل حل ہوں اور زندگی ڈھنگ سے بسر کرنے کیلئے جو کچھ بھی درکار ہے وہ حکومتیں فراہم کریں۔

کورونا کی وبا کے پھیلنے سے دنیا بھر میں مظاہرے رک گئے ہیں۔ عام لوگوں کی طرح مظاہرین بھی دبکے ہوئے ہیں مگر وہ پھر ابھریں گے اور اس بار وہ صحتِ عامہ کا معیار بلند کرنے پر زیادہ زور دیں گے۔ سیاسی قائدین اپنے ذاتی سیاسی اہداف کو پورا کرنے پر زیادہ توجہ دیتے آئے ہیں۔ اب ان سے یہ سوال لازمی طور پر کیا جائے گا کہ انہوں نے صحتِ عامہ کا معیار بلند کرنے کیلئے کیا اقدامات کیے اور ملک کو معاشی بحران سے نکالنے کے حوالے سے ان کے پاس کون سے منصوبے ہیں۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب صحتِ عامہ کے حوالے سے برتی جانے والی غفلت کو جنگ کے زمانے میں ڈھائے جانے والے انسانیت سوز مظالم کے مترادف قرار دیا جائے گا!

اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحتِ عامہ کا معیار بلند کرنے کیلئے جو کچھ خرچ کیا جانا چاہیے وہ خرچ نہ کیے جانے سے ہونے والا نقصان کئی گنا ہوتا ہے۔ اب دنیا بھر میں صحتِ عامہ کا معیار بلند کرنے پر غیر معمولی توجہ دینے پر غور کیا جائے گا۔ جنگوں اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں تباہی سے دوچار ہونے والے ممالک (شام، یمن، لیبیا، یوکرین، نگورنو کاراخ، میانمار، جمہوریہ کانگو وغیرہ) کو نظر انداز کرنے کے شدید منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ لاکھوں پناہ گزینوں کو غیر معیاری حالات میں رکھنے کے بھی بہت سے نقصانات ہیں، جواب ابھر کر سامنے آئیں گے۔

کورونا کے ہاتھوں جہاں بہت سی خرابیاں پھیلی ہیں وہیں چند ایک اچھائیاں بھی سامنے آسکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اب دنیا بھر میں صحتِ عامہ کا معیار بلند کرنے پر غیر معمولی توجہ دی جانے لگے۔ امریکا دنیا کا امیر ترین ملک ہونے کا دعویدار ہے۔ اُسے اس حوالے سے کلیدی کردار ادا کرنا ہوگا اور دنیا بھر میں جنگوں پر خرچ ہونے والے وسائل کی روک تھام کیلئے عالمی مسائل پر انصاف کا ساتھ دینا ہوگا ورنہ یہ خاموش وائرس کسی نہ کسی شکل میں بالآخر دنیا کا خاتمہ کر دے گا۔

بروز ہفتہ 20 ذوالقعد 1441ھ 11 جولائی 2020ء

کورونا کا نسلِ انسانی پر اثرات

کورونا کی وبا کے حوالے سے ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ غیر موزوں اشاریے استعمال کیے جارہے ہیں اور اِسی کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ہے کہ موزوں اشاریوں کو غلط انداز سے بروئے کار لایا جارہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعداد و شمار کی مدد سے ہم کورونا کی وبا کے پھیلنے سے متعلق اہم معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور نتائج بھی اخذ کر سکتے ہیں مگر تمام اعداد و شمار کو بروئے کار نہیں لانا چاہیے کیونکہ ہر معاملہ ایک خاص تناظر میں ہے۔ کسی ایک ملک یا معاشرے کی کیفیت کو بنیاد بنا کر تمام معاشروں کیلئے کوئی جامد رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ دیکھا گیا ہے کہ لوگ مختلف ممالک کے حالات کو سمجھے بغیر یا اُن پر متوجہ ہوئے بغیر کورونا کی وبا سے متعلق اعداد و شمار کو بروئے کار لانے کا سوچنے لگتے ہیں۔

اب یہ بات بہت عمومی سطح پر کہی جارہی ہے کہ کورونا کی وبا نے کم و بیش ہر معاشرے میں عوامی سطح کی زندگی سے متعلق تمام کمزوریوں کو مکمل طور پر بے نقاب کر دیا ہے۔ جب سے کورونا کی وبا پھیلی ہے، بہت سے معاملات پر غور کیا جارہا ہے۔ ایک طرف تو بیماری کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور دوسری طرف اس کے علاج پر بھی توجہ دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کورونا کی وبا سے متعلق ایک معاملے کو مجموعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور یہ معاملہ اعداد و شمار کا ہے۔ ہر روز میڈیا کے ذریعے کورونا سے متعلق ایسے اعداد و شمار ملتے ہیں جو انتہائی پریشان کن ہوتے ہیں اور اُن سے کسی بھی معاملے میں راہ نمائی تو کیا ہوگی، الٹی الجھنیں بڑھ جاتی ہیں۔ کورونا کی وبا سے متعلق اعداد و شمار کے حوالے سے دو بڑی الجھنیں پیدا ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ غلط اشاریوں کو راہ ملی ہے اور دوسرے یہ کہ بدحواسی میں درست اشاریوں کو غلط ڈھنگ سے پیش کیا جارہا ہے۔ دونوں ہی معاملات انتہائی پریشان کن ہیں۔

کورونا سے متعلق میڈیا کی رپورٹ مجموعی واقعات کی تعداد بتاتی ہے اور یہ بھی کہ اُنہیں کس طور بروئے کار لایا جارہا ہے یعنی اُن سے کیا نتیجہ اخذ کر کے کیا اقدامات کیے جارہے ہیں۔ کسی بھی خاص ملک کے تناظر میں اعداد و شمار کا تجزیہ اور اُنہیں بروئے کار لاتے ہوئے کوئی حکمتِ عملی ترتیب دینا سمجھ میں آتا ہے۔ کورونا کے واقعات کی مجموعی تعداد صورتِ حال کی سنگینی ظاہر کرتی ہے۔ یہی اعداد و شمار صورتِ حال میں رونما ہونے والی تبدیل کو سمجھنے اور اِس حوالے سے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے کیلئے بھی بروئے کار لائے جاسکتے ہیں۔

اصل مسئلہ اُس وقت کھڑا ہوتا ہے، جب یہ اشاریہ (یعنی کیسز کی مجموعی تعداد) کئی ممالک کی صورتِ حال کو سمجھنے اور اُن کے تقابل کیلئے بروئے کار لایا جاتا ہے اور تجزیہ کار یہ کام یومیہ بنیاد پر کرتے ہیں۔ بیشتر تجزیہ کار مجموعی کیسز سے متعلق اعداد و شمار کو مختلف ممالک میں صورتِ حال کی سنگینی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ آئے دن ہم ایسے بیانات پڑھتے ہیں کہ کورونا کیسز کی تعداد کے لحاظ سے فلاں ملک سب سے بُری حالت میں ہے اور اُس کا بحران سنگین تر ہوتا جارہا ہے۔ اعداد و شمار کی بنیاد ہی پر کسی بھی ملک کو سب سے بُری حالت والا بھی ٹھہرایا جاتا ہے۔ جو بات بیان نہیں کی جاتی وہ دراصل یہ ہے کہ فلاں ملک میں کورونا کیسز کی تعداد دیگر ممالک کے مقابلے میں زیادہ ہے یعنی وہ زیادہ یا سب سے بُری حالت میں ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ خام اعداد و شمار ہی مختلف ممالک کے باہمی تقابل کیلئے بروئے کار لائے جارہے ہیں۔ مثلاً اگر چین میں کورونا کے 50 ہزار کیس ہوں

اور سنگاپور میں کورونا کے 40ہزار کیس ہوں تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ چین میں کورونا کی وبا کے حوالے سے صورتِ حال زیادہ پریشان کن ہے، ایسے موقع پر یہ حقیقت نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ چین کی آبادی سنگاپور کی آبادی سے 250 گنا ہے! کورونا کی وبا سے متعلق اعداد و شمار کے تجزیے کے وقت کسی بھی ملک میں کورونا کیسز کی مجموعی تعداد پر غور کرنے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ اُس ملک کی آبادی کے تناسب سے واقعات کی تعداد کتنی ہے۔ اگر کسی ملک کی آبادی بیس، تیس کروڑ ہے اور وہاں کورونا کے 40ہزار کیسز ہوں تو صورتِ حال کسی ایسے ملک سے بہتر ہوگی جس کی آبادی محض 50لاکھ ہو اور کیسز کی تعداد 20ہزار ہو۔ ایسی صورت میں ہم بڑی آبادی والے ملک کے 40ہزار کیسز کو خطرناک قرار نہیں دے سکتے۔ جس وقت یہ سطور لکھی جارہی تھیں تب برازیل میں کورونا کیسز کی تعداد 1.87 ملین تھی۔ یہ تعداد انتہائی خطرناک تصور کی جارہی تھی اور کہا جارہا تھا کہ لاطینی امریکا میں برازیل ہی کورونا کی وبا کا منبع ہے۔ ہمیں برازیل میں کورونا کیسز کی تعداد کا تجزیہ آبادی کے تناسب سے کرنا ہے۔ برازیل میں کورونا کیسز 1565 فی ملین ہیں جبکہ اُسی خطے کے ملک ایکواڈور میں کیسز کی تعداد 2034 فی ملین، چلی میں 3239 فی ملین اور پیرو میں 3393 فی ملین ہے۔ اسی طرح امریکا میں کورونا سے متاثرین کی تعداد 3.73 ملین اور اموات 3.71 لاکھ تک پہنچ گئی اور یورپ میں سب سے زیادہ تباہی اٹلی 242827, اسپین 253908 اور جرمنی 198804 میں ہوئی۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ برازیل میں صورتِ حال سنگین یا پریشان کن نہیں یقیناً معاملہ پریشان کن ہے اور اِس کے درست کرنے پر فوری توجہ مرکوز کی جانی چاہیے مگر یہ کہنا غلط ہوگا کہ لاطینی امریکا میں سب سے خطرناک صورتِ حال برازیل میں ہے۔ برازیل کی آبادی غیر معمولی ہے اس لیے وہاں کورونا کے کیسز کی تعداد کا بہت زیادہ ہونا پریشان کن ضرور ہے، حیرت انگیز ہرگز نہیں۔ ہمیں محض اعداد و شمار نہیں دیکھنے بلکہ اُن کا تناظر بھی دیکھنا ہے۔ کورونا سے ہلاکتوں کے معاملے میں بھی برازیل کو لاطینی امریکا کا سب سے بُرا یا سب سے بحران زدہ ملک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آبادی کے تناسب سے کورونا کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کے حوالے سے اکواڈور اور پیرو زیادہ خطرناک حالت میں ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے دو بالکل مختلف ممالک کا تقابل بھی ایسی ہی الجھن پیدا کرتا ہے۔ اعداد و شمار کا غلط استعمال کسی بھی ملک کو بلاجواز انتہائی بحران زدہ دکھا سکتا ہے اور کسی ملک کو خواہ مخواہ کلین چٹ بھی مل سکتی ہے۔ تاہم میڈیا رپورٹس اور سرکاری بیانات کی بنیاد پر ہم بہت آسانی سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ کورونا کی وبا سے متعلق بعض معاملات الجھے ہوئے ہیں اور جو کچھ دکھایا جارہا ہے، وہ زمینی حقیقت نہیں۔ اِسی طور بہت سے زمینی حقائق کو چُھپایا جارہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا دانستہ نہ کیا جارہا ہو مگر خیر جو کچھ ہو رہا ہے وہ سامنے ہے اور پریشان کن ہے۔

اب اِسی بات کو لیجیے کہ تاحال یہ طے نہیں ہوسکا ہے کہ کون کورونا کا مریض ہے اور کون نہیں۔ کوئی کورونا کی وبا میں مبتلا ہوا ہے یا نہیں، یہ جانچنے کیلئے مختلف طریقے وضع کیے گئے ہیں۔ کورونا ٹیسٹنگ کی تیکنیک کا فرق حقیقی اعداد و شمار تک رسائی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر رہا ہے۔ کسی کی موت کورونا سے واقع ہوئی ہے یا کسی اور بیماری کے ہاتھوں، اس کا فیصلہ کرنے کے معاملے میں بھی ممالک کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ برطانیہ کے معروف جریدے ''دی اکنامسٹ'' کی ایک رپورٹ میں اِسی معاملے کو موضوع بنا کر تجزیہ کیا گیا ہے۔ بہت سی میڈیا رپورٹس کے مطابق

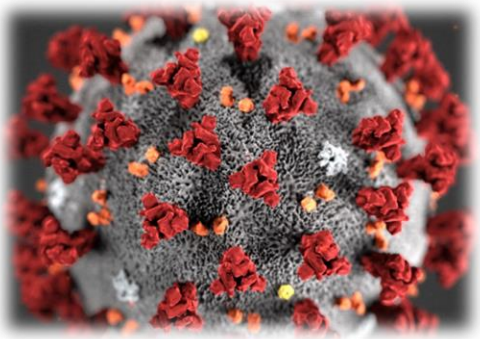

ہزاروں اموات کو بلاجواز کورونا کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک میں اِس حوالے سے صورتِ حال پریشان کن رہی ہے۔ اموات کے علاوہ کورونا کی ٹیسٹنگ کے حوالے سے بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بہت سے ممالک میں کورونا ٹیسٹنگ کی سہولت مطلوبہ حد تک میسر نہیں اور ٹیسٹ کٹس کے ناقص ہونے کی شکایات بھی عام ہیں۔ پالیسی ساز کورونا ٹیسٹنگ کے حوالے مختلف معیارات مقرر کرتے ہیں۔ عالمی ادارۂ صحت نے اس حوالے سے یکساں نوعیت کی پالیسی ترتیب نہیں دی۔ بعض ممالک میں کورونا ٹیسٹنگ کی سہولت مطلوبہ حد تک فراہم نہیں کی گئی۔ کئی حکومتیں اس بات کو ترجیح دے رہی ہیں کہ کورونا ٹیسٹنگ بہت بڑے پیمانے پر نہ کی جائے۔

اعداد و شمار سے مختلف ممالک میں مختلف حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بعض ممالک کورونا سے متعلق اعداد و شمار کو ایک خاص تناظر میں پیش کرتے اور بروئے کار لاتے ہیں۔ کورونا سے متعلق اعداد و شمار ہر ملک میں ایک مختلف تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ کسی بھی ملک میں کورونا کے مریضوں اور ہلاکتوں سے متعلق بالکل درست اعداد و شمار حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ بہت کچھ ہے جو جانچ پڑتال سے رہ جاتا ہے۔ بہت سی ایسی ہلاکتیں بھی ہیں جو مختلف بیماریوں کے باعث واقع ہوئیں مگر کورونا کے کھاتے میں ڈال دی گئیں۔ جب کورونا کی شفاف تشخیص ہی متنازع ہے تو پھر اِس کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کو کس طور شفاف اور بے عیب تجزیے کی حامل قرار دیا جاسکتا ہے؟

کورونا سے متعلق اعداد و شمار کا تجزیہ کرتے وقت ہمیں محض اعداد و شمار پر متوجہ نہیں رہنا بلکہ تناظر بھی دیکھنا ہے۔ ہر چیز اپنے سیاق و سباق میں دیکھے جانے ہی پر اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔ مختلف ممالک کے اعداد و شمار کا موازنہ اپنے آپ مشکلات میں پیدا کرنے والا ہے۔ یہ مسئلہ صرف کورونا کی وبا تک محدود نہیں۔ بیشتر معاملات میں اعداد و شمار اور اُن کے تقابلی جائزے کا یہی حال ہے۔

اعداد و شمار وہ نہیں ہوتے جو دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دھوکا بھی دیتے ہیں، صورتِ حال کو کچھ کا کچھ دکھاتے ہیں۔ لوگ اعداد و شمار کو بعض مخصوص مقاصد کیلئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعداد و شمار ہمیں کورونا کی وبا کے بارے میں بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کی تحریک دے سکتے ہیں مگر پھر بھی ہمیں پیش کیے جانے والے اعداد و شمار کی بنیاد پر کوئی ایسی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے جو حتمی نوعیت کی ہو، بدلی نہ جاسکتی ہو۔ اعداد و شمار کے ماہرین کسی بھی صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے لیے بیچ کا راستہ نکال لیتے ہیں۔ وہ ''اندازاً'' کہہ کر اپنی گردن بچا لیتے ہیں! اگر اعداد و شمار کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرلی جائے اور وہ غلط نکلے تو یہ کہتے ہوئے جان چھڑالی جاتی ہے کہ اعداد و شمار حتمی نوعیت کے نہیں تھے بلکہ ایک اندازہ قائم کیا گیا تھا۔ اعداد و شمار کو بروئے کار لاتے وقت، اُن سے کوئی نتیجہ اخذ کرتے وقت سیاق و سباق ضرور ذہن نشین رہنا چاہیے۔

اب ایشیا کی صورتِ حال ملاحظہ کریں تو سب سے زیادہ متاثر انڈیا 849553، پاکستان 248872، ترکی 211981 اور بنگلہ دیش 181129 ہیں۔ پاکستان میں متاثرین کی تعداد میں بہت زیادہ کمی آسکتی تھی لیکن یہاں اداروں میں عدم اتفاق نے کرونا کے متاثرین میں اس وقت اضافہ کردیا جب عید الفطر سے چار دن پہلے کامیاب لاک ڈاؤن کو ختم کرنے کا اعلان کردیا گیا اور عوام کی بے صبری اور عدم تعاون نے یکدم کورونا کے متاثرین میں اضافہ کردیا اور حکومت نے دوبارہ سمارٹ لاک ڈاؤن کے نام پر اپنی مجرمانہ غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش تو شروع کردی لیکن اس عرصے میں پلوں کے نیچے سے جتنا پانی بہہ گیا، اس سے غریب ملک کی معیشت کی تباہی کا ماتم اب کس کے سامنے کیا جائے۔

عیدالاضحیٰ کی آمد پر قربانی جیسے فرض کی ادائیگی کیلئے انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جس کیلئے حکومت نے قوم سے انتہائی سادگی سے منانے کی اپیل کی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مختلف بڑے شہروں میں دیہاتوں سے قربانی کیلئے بڑی تعداد میں جانور لائے جائیں گے اور خوش قسمتی سے اس وقت پاکستان کے بیشتر دیہات کورونا وبا سے محفوظ ہیں اور اب ایسا نہ ہو کہ بڑے شہروں میں جانوروں کی خرید و فروخت کے دوران وہ اس ان دیکھے جراثیم کا شکار ہو جائیں اور واپس اپنے دیہاتوں میں اس وبا کو اپنے ساتھ لیجا کر کورونا متاثرین کی تعداد میں اضافہ کر دیں۔

اس کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ جس طرح شہروں سے باہر ان جانوروں کی منڈیوں کو لگانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے، وہاں ان منڈیوں کو چاروں اطراف سے حفاظتی حدود کی سختی سے نگرانی کر کے منڈیوں میں خصوصی آمدورفت کے ایسے راستے قائم کئے جائیں جہاں جدید طبّی آلات سے ہر فرد کو چیک کر کے اندر جانے کی اجازت دی جائے اور دیہی آبادی سے آنے والے تمام افراد کا بھی طبّی معائینہ کر کے انہیں خصوصی اجازت نامے جاری کئے جائیں اور بعد ازاں ان تمام افراد کو بحفاظت ان کے گھروں کی طرف روانہ کیا جائے۔ ہر حال میں ماسک اور دیگر حفاظتی اقدامات پر سختی سے عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔ اگر ان اصولوں پر کاربند ہو کر ہم نے یہ مشکل وقت گزار دیا تو یقین ہے کہ ہم کورونا کے اثرات سے محفوظ رہنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ یاد رہے کہ اور جب تک اس کی مستند ویکسین نہیں آجاتی، اب ہمیں کورونا کے ساتھ نجانے کب تک اپنی زندگی کے ایّام کو گزارنا ہو گا۔ یورپ اور امریکا میں لاک ڈاؤن کو ختم کر دیا گیا ہے اور یہ تمام ممالک دوبارہ اپنی تباہ شدہ معیشتوں کی گاڑی کو چلانے کیلئے انتہائی محتاط انداز میں از سرنو کوششوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ تعلیمی اداروں کو بھی سخت حفاظتی تدابیر کے تحت کھول دیا گیا ہے تاکہ آنی والی نسل کو آئندہ ملک کی باگ دور سنبھالنے کیلئے تیار کیا جا سکے جبکہ کورونا کی وجہ سے تمام تعلیمی اداروں نے بہترین آن لائن تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں پہلے سے تباہ شدہ تعلیمی نظام کا مزید بیڑہ غرق ہو گیا اور ہمارے نوجوان نسل ایک مرتبہ پھر بد نصیبی کے بھنور میں غوطہ زن ہیں۔

بروز جمعۃ المبارک 26 ذوالقعد 1441ھ 17 جولائی 2020ء

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ

جنوری 2020ء کے اوائل سے چین سے اچانک ایک نئی اور خوفناک وبا کی خبریں سامنے آنے لگیں۔ یہ ایک ایسا وائرس تھا جس نے صرف ووہان شہر میں بیسیوں ہلاکتیں ایک ساتھ کر دیں۔ دنیا میں اس خبر سے ایک تہلکہ مچ گیا، لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر اچانک ہی بیماری کو ''کورونا وائرس'' کا نام دے دیا گیا۔ ابھی یہ بیماری چین میں قابو بھی نہیں آنے پائی تھی کہ یورپی ممالک سے بھی اس کے پھیلاؤ کی خبریں آنے لگیں۔ ہر طرف ایک ہاہاکار مچ گئی۔ علاج ڈھونڈا گیا۔ پابندیاں لگانی شروع کی گئیں۔ لاک ڈاؤن کا اعلان کیا گیا اور پھر رفتہ رفتہ کرفیو جیسی صورت تک معاملہ پہنچا دیا گیا۔ سیکڑوں اجتماعی ہلاکتوں کی خبریں تو گویا معمول ہی بن گئیں۔ وہاں سے ہوتے ہوتے پھر یہی خبریں مشرقِ وسطیٰ سے بھی آنے لگیں اور ان کی حکومتوں نے بھی اپنے پیشرو کے اقدامات اٹھانے شروع کیے۔ حتیٰ کہ حرمین شریفین جیسی متبرک مسجدیں بھی پہلے تو معطل کی گئیں، وہاں کرفیو نافذ کیا گیا اور پھر عمرہ پر پابندی لگا دی گئی۔ جمعہ کی نمازوں تک کیلئے پابندی لگائی گئی اور کہا گیا کہ لوگ جمعہ کے بجائے ظہر پڑھا کریں جسے علما نے بھی دباؤ کے باعث پہلی بار تو قبول کر ہی لیا تھا۔ غرض یہ سلسلہ پھیلتا ہی رہا، یہاں تک کہ لوگ طویل قید سے تنگ آ گئے، بھوکے مرنے لگے۔ پھر نت نئے نظریات بھی سر ابھارنے لگے۔ کہا گیا کہ اسے چین نے امریکا کو برباد کرنے کیلئے ایجاد کیا ہے، جبکہ جوابی طور پر چین نے اس کا الزام امریکا پر عائد کیا۔ بلکہ چین نے تو امریکا کی ایک فوجی افسر کا نام لے کر بھی الزام عائد کیا۔ ایک اور الزام اٹلی پر بھی عائد کیا گیا۔ اسی کے ساتھ یہ خبر بھی چونکا دینے والی سامنے آئی کہ 6 مئی 2020ء کو پٹسبرگ یونیورسٹی کے ایک چینی پروفیسر ''بِنگ لیو'' اپنے گھر میں مردہ پائے گئے۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ مقتول پروفیسر کورونا کے مرض پر ایک اہم تحقیق میں مصروف تھے اور عنقریب کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے ہی والے تھے۔ (مختلف قومی اخبارات۔ 2020۔7۔5)۔ شور یہ بھی ہے کہ عالمی شہرت یافتہ بِل گیٹس اس تمام سازش میں سب سے بڑا کردار ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ وہی چاہے گا تو یہ تالا بندی ختم ہو گی۔ جرمنی میں مئی میں ہونے والے مظاہرے میں اس کے خلاف بھی نعرے لگائے گئے، جبکہ اٹلی کی پارلیمان میں اس کی ایک رکن نے بل گیٹس پر ویکسین بنانے اور دنیا کی آبادی کو کم کرنے کا برسرِ عام الزام عائد کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ (روزنامہ ''جنگ'' کراچی۔ 19۔5۔2020ء) راقم نے چونکہ گزشتہ کم از کم تیس سالوں سے عیسائیت، صہیونیت اور امریکا جیسے نازک موضوعات کا کافی مطالعہ کیا ہے اور کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، اس لیے صورت حال کو سمجھنے میں بھی کافی دلچسپی رہی۔ موجودہ پُراسرار قسم کی وبا میں ایک سازش سی پوشیدہ معلوم ہونے لگی۔

آگے بڑھنے سے قبل یاد رکھنا چاہیے کہ صہیونیوں (یہودیوں کے سیاسی، سازشی اور حاوی گروہ) کا کھلم کھلا اعلان ہے کہ وہ کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کی چہیتی قوم ہے اور (تمام کی تمام) دنیا اس کی غلام کے طور پر پیدا کی گئی ہے اور ایسا ہی دعویٰ ہندو برہمن بھی کرتے ہیں۔ اپنے علاوہ باقی تمام قوموں کو یہ دونوں گروہ طنزیہ ''گویئم اور چوپائے'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ اگر کسی کو ان کے خفیہ منصوبوں سے متعلق دلچسپی ہو تو وہ فی الحال یہودیوں کے بڑوں کی مرتب کردہ خاص کتاب ''دی پروٹوکولس آف دی ایلڈرس آف زائنیس'' کا لازماً مطالعہ کرنا چاہیے، دوسرے گروہ کے بارے میں یہودیوں سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناک خیالات کے بارے میں کسی اور مضمون میں تحریر کروں گا۔ یہودیوں کی یہ ایسی کتاب ہے جس میں صہیونیوں نے کھل کر بتایا ہے کہ وہ کن کن راستوں سے دنیا کو زیر نگیں کریں گے اور کن کن طبقوں سے اپنی سازشوں پر عمل درآمد کروائیں گے۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

1)ہمارے منتخب حکام جنہیں ہم عوام ہی سے اوپر لائیں گے، وہ ہمارے تابعِ فرمان ہوں گے۔ وہ ہمارے مشیروں اور ماہروں کے محتاج ہوں گے۔ (دستاویز2)

2)رائے عامہ کو اپنے ہاتھوں میں لینے کیلئے ہمیں کشیدگی اور مایوسی کی فضا پیدا کرنی چاہیے۔ ہم عوام میں متنازع خیالات و نظریات پیش کریں گے اور انہیں بھول بھلیوں میں الجھادیں گے۔(دستاویز5)

3)ہم غیر یہود کے اندر خوف وہراس کی دیوار کھڑی کر چکے ہیں، جو ان کے مختلف طبقوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتی۔ ان کو عوام کی اندھی قوت کو ہم اپنے ہاتھ میں لے چکے ہیں۔ ہم انہیں ایسے راہبر مہیا کرتے ہیں جو انہیں ہماری مقرر کردہ منزل کی طرف لے جارہے ہیں۔(دستاویز9)

چنانچہ اپنی اسی سازشی ذہنیت اور دنیا بھر کو زیر کرنے کی خاطر انہوں نے ہر اُس یورپی ملک میں گہری سازشیں کیں، جہاں وہ رہ بس رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے کٹّر عیسائیوں اور کلیسائی حکومتوں نے جو دراصل کیتھولک (اصلی عیسائی) عقیدے کی حامل تھیں، اپنی اپنی ریاستوں سے انہیں جبری طور پر نکال باہر کیا اور کئی ممالک میں انہیں اجتماعی طور پر قتل کیا گیا۔ اب ایک طرف یہودیوں کی یہ مظلومیت تھی، وہیں دوسری جانب اپنے جنونی منصوبوں میں انہوں نے تیز رفتاری بھی اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اپنے جانی دشمن عیسائیوں ہی کے درمیان دو ایسی خونریز جنگیں برپا کروائیں کہ عیسائی سلطنتیں ایک دوسرے کے ساتھ ہی باہم ٹکرا گئیں اور اپنے ہی لاکھوں افراد کا رضاکارانہ قتل کر کے سکون محسوس کیا۔ حالانکہ ان سب کے درمیان ذاتی طور پر کوئی دشمنی نہیں تھی۔ دوسری جانب انہوں نے عیسائی واحد کیتھولک مذہب کے اندر سے ایک اور نیا عقیدہ ''پروٹسٹنٹزم'' برآمد کیا، جن کے عقائد میں انہوں نے اپنے عقائد کی بھی بہت ساری باتیں سمودیں۔ چنانچہ انہی تمام کارروائیوں کا نتیجہ تھا کہ اپنے ہی ممالک کے کسی دور کے سدا خونخوار پادری، آہستہ آہستہ کمزور ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ آخر کار وہ بالکل ہی بے اختیار ہو کر رہ گئے۔ صہیونیوں کی اندرونِ خانہ سازشوں کی یہ دو بہت کامیاب کہانیاں ہیں۔

1929ء تا1933ء کے دور میں جب یورپ میں عظیم کساد بازاری ''گریٹ ڈیپریشن'' کا راج تھا، اس دور میں بھی انہی لوگوں نے چالیں چل کر اس ڈیپریشن کو مستحکم کیا اور جن ممالک کے پاس زائد از ضرورت اشیاء تھیں، انہیں کسی نہ کسی بہانے مستحق ممالک کو برآمد کرنے سے روکے رکھا۔ ترجمہ شدہ کتاب ''بساط عالم کے مہرے''۔(مصنف ولیئم گائی کار۔ ص:322) میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 1929ء کے آخر میں آزاد دنیا پر ایک عظیم کساد بازاری مسلط کر دی گئی جس کے نتیجے میں ایک بھاری اکثریت نے خودکشی کو ترجیح دی جبکہ لاکھوں لوگ مسکین بن گئے۔ ادھر فلسطین پر قبضہ کرنے کی خاطر انہوں نے جنگِ عظیم دوم کے بعد 1948ء میں یروشلم کے کنگ ڈیوڈ ہوٹل میں، جہاں برطانوی فوجی ٹھہرے ہوئے تھے، زبردست دھماکے کیے جس کے نتیجے میں برطانیہ کے کئی فوجی اچانک ہلاک ہو گئے۔ یہودیوں کا مطالبہ تھا کہ برطانوی افواج یہاں سے نکل جائیں اور یروشلم ہمارے حوالے کریں تاکہ اسرائیل کے قیام کا اعلان آسان ہو سکے چنانچہ ٹھیک یہی ہوا۔ انہوں نے از خود ہی اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا جسے آگے بڑھ کر امریکا نے فوری طور پر تسلیم بھی کر لیا۔ ان کے سازشی کردار کی یہ ایک اور بڑی کامیابی تھی۔

دنیا کے معروف انقلابات، انقلابِ فرانس و انقلابِ اسپین بھی، جنہیں جمہوریت کی بنیاد کہا جاتا ہے، دراصل انہی صہیونیوں کی مکارانہ سازش تھی۔ جمہوریت کی آڑ میں انہوں نے اس طرح دراصل خود کو بچا لیا تھا۔ یہی وہ انقلابات تھے جن میں ملکاؤں اور بادشاہوں کے سروں کو پہلی بار گلیٹن میں ڈال

کراڑایا گیا تھا۔اس کی بہت دردناک تفصیل کینیڈا کے اعلیٰ بحری کمانڈر ''ولئیم گائی کار'' نے اپنی مذکورہ کتاب ''پانس ان دی گیم'' میں بیان کی ہے۔ ایک اور بڑا منصوبہ ان کا یہ بھی ہے کہ دنیا بھر کی تمام حکومتیں ختم کر کے ایک ''وحدانی عالمی حکومت'' قائم کی جائے جس کا دارالحکومت یروشلم ہو۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے قیام کو بھی ان کے اسی منصوبے کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔صہیونیوں کا کہنا ہے کہ عالمی حکومت کی کمان پہلے ہمارے ہاتھوں میں ہو گی اور بعد ازاں ہمارے مسیحا کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی۔پھر ہم کسی ایک بھی مذہب، کسی ایک بھی تہذیب کو دنیا میں باقی نہیں رہنے دیں گے (ان کے نزدیک مذاہبِ عالم یوں بھی استحصال کا ایک ذریعہ ہیں)۔دنیا کو اپنی مٹھی میں لینے کی خاطر انہوں نے ایک خفیہ تنظیم ''فری میسنری'' کے نام سے بھی بنائی، جس میں بہت ہوشیاری سے انسانیت کو دنیا کا سب سے ارفع مذہب قرار دیتے ہوئے اسے ساری دنیا کے مذاہب لیے کھول دیا، جس کی رکنیت وہ کسی بھی ملک کی اعلیٰ ترین سیاسی، کاروباری، فوجی اور علما کیلئے مختص کرتے ہیں۔انہی کے ذریعے وہ اپنے ایجنڈوں پر عمل کرواتے ہیں کیونکہ تب یہ کام اُن کیلئے بہت سہل ہو جاتا ہے۔کیونکہ مذکورہ شخصیات اپنے اپنے ملک کی اعلیٰ ترین ہستیاں ہوتی ہیں۔انقلاباتِ فرانس واسپین میں انہوں نے اسی فری میسن تنظیم سے بہت عمدہ کام لیا تھا۔پاکستان بھی ان کی ان سازشوں سے محفوظ نہیں تھا۔لیکن اللہ کے فضل وکرم اور عوامی دباؤ کے باعث بھٹو اور پھر ضیاء الحق کے ہاتھوں اس تنظیم کو سدا کیلئے ملک بھر میں غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔تاہم بیرونی تمام دنیا میں اس کے دفاتر آج بھی قانونی طور پر موجود ہیں اور کھلے عام کام کر رہے ہیں۔

چودہ سو سالہ خلافت اسلامیہ کو ترکی سے بالکل ختم کرنے میں صہیونیوں کی اسی سازشی تنظیم ''فری میسن'' کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔بہت زیادہ گمان کیا جاتا ہے کہ بابائے ترکی مصطفی کمال پاشا کو بھی انہوں نے اپنی اسی تنظیم کا رکن بنالیا تھا۔ادھر روس میں بھی، جبکہ درپردہ ایک اشتراکی انقلاب پرورش پا رہا تھا، کارل مارکس اور اس کے ساتھیوں نے حیرت انگیز طور پر خود گرجا کے اندر ہی سے ایک اہم پادری کو اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔اپنی مکارانہ فطرت کے باعث اس شخص نے خود بادشاہ ''زار'' کے محل میں جا کر نقب لگالی تھی اور ملکہ اور شاہ کو اپنا اس قدر دیوانہ وفریفتہ کر لیا تھا کہ انہوں نے اس سازشی فرد کو خاص اپنے ہی محل میں جگہ دے دی تھی۔وہاں رہ کر اس نے روس کی بے شمار حسین عورتیں پر اس قدر جادو کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ خوشی خوشی سونے پر خود ہی وقت مانگا کرتی تھیں۔یہاں تک کہ ملکہ زار بھی اس کے ساتھ لطف اندوز ہونے کی فرمائش کرتے ہوئے ہر گز بھی نہیں ہچکچاتی تھی۔اسی مداری و سازشی پادری کا نام تاریخ میں ''راسپوتین'' درج ہے۔شاہی محل کے اندر نفوذ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا لیکن ان کمیونسٹوں نے، جو دراصل صہیونی تھے، اس خطرناک کام میں بھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔یہ شخص اندر کے راز اور بغاوت کچلنے کے منصوبوں کو بہ آسانی باہر لا کر اپنے آقاؤں کو دے دیتا تھا۔بلکہ بعض اوقات بادشاہ کو گمراہ کن مشورے تک دے دیتا تھا۔اس کے شاہی اثر ورسوخ کا یہ حال تھا کہ حکامِ بالا جب زار روس کو اس چالاک وعیار فرد سے ہوشیار رہنے کو کہتے تھے، تو زار اسے کوئی بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔چنانچہ ان محب وطن ومحب عوام حکام نے ایک دن پوری تیاری کے ساتھ رات کے اندھیرے میں اسے قتل کر کے پتھر باندھ کر اس کی لاش سمندر میں پھینک دی تھی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔تاہم وقت کافی گزر چکا تھا اور بہت سے راز پہلے ہی محل سے باہر جا چکے تھے۔اس لیے اشتراکی انقلاب وہاں آ کر ہی رہا اور پھر ستر سالوں تک اس نے روسی عوام کو بدترین دہشت گردی اور شدید ترین خون ریزی سے دوچار کیے رکھا۔آزادی سے نکل کر وہ ایک دم سے عظیم قیدی بنا دیے گئے تھے۔

اگر کسی نے ''الیومیناتی'' کا نام سنا ہے تو واضح رہے کہ وہ بھی یہودیوں کا ایک خفیہ ومتحرک ادارہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہی سب سے باعلم اور

روشن خیال لوگ ہیں اور ہمارے ہی پاس دنیا کے ہر قسم کے مسئلے کا حل ہے۔ اس نام کے تحت بھی وہ لوگ بہت کچھ کارنامے انجام دیتے ہیں۔ خود کو ''الیومیناتی'' قرار دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ باقی ساری دنیا جاہل و گنوار ہے۔ کتاب ''کمیٹی آف تھری ہنڈرید'' مصنفہ ڈاکٹر جان کولمین سابق ڈائرکٹر سی آئی اے امریکا (ترجمہ راقم) میں مصنف نے واضح طور پر بتایا ہے کہ صہیونی ایک ایسی دنیا قائم کرنا چاہتے ہیں جو مکمل طور پر ان کی مٹھی میں ہو اور جہاں گرجے اور مسجدیں کچھ بھی نہ پائی جائیں۔ آبادی ایک خاص حد تک رکھی جائے گی جن کی گردنیں انہی کے قبضے میں ہوں گی۔ باقی آبادی کو مار دیا جائے گا۔ ڈاکٹر جان کولمین بتاتا ہے کہ یہ صہیونی طبقہ عالمی معاشی نظام کو پوری طرح اپنی گرفت میں رکھنا چاہتا ہے۔ مزید ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو بالکل سیکس فری ہو۔ ان کی عالمی حکومت میں لڑکیوں کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا اور انہیں سب کیلئے کہیں بھی دستیاب کیا جائے گا۔ جو والدین یا لڑکی اس قانون سے انحراف کرے گا، اس کا راشن پانی بند کر دیا جائے گا۔ مصنف انکشاف کرتا ہے کہ عالمی آبادی کے خاندانی و مالیاتی جزوی تمام کوائف ان کے میگا کمپیوٹر میں موجود ہوں گے۔ کریڈٹ اور ڈیبٹ کارڈ، سب کے سب اسی جانب پہنچنے کے راستے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ''الیومیناتی'' کو کوئی ایک مذہب بھی زمین پر پسند نہیں ہے۔ ایک اور مسلم مصنف احمد تھامسن نے بھی اپنی انگریزی کتاب ''Dajjal'' میں اسی قسم کا چونکا دینے والا انکشاف کیا ہے۔ صہیونی اپنے انسان دشمن منصوبوں کو روبکار لانے کیلئے کسی حد تک بھی جا سکتے اور کسی بھی قوم کو استعمال کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے یہودی بھائیوں کو بھی قربانی کی بھینٹ چڑھا سکتے ہیں۔ اس کا بہتر انکشاف ایک اور امریکی مصنف ڈیوڈ ڈیوک نے اپنی کتاب '' Arabs and Israel'' جس کا ترجمہ ''قومیں جو دھوکا دیتی رہیں'' بھی ہو چکا ہے۔

ایک واحد عالمی حکومت ان کا بہت ہی قدیم ایجنڈا ہے جس پر وہ دو سو سال سے کام کر رہے ہیں۔ معلوم رہنا چاہیے کہ جو بھی منصوبے یہ بناتے ہیں، انہیں پورا کر کے ہی رہتے ہیں۔ یورپ کا قبضہ، خلافت عثمانیہ کا مکمل خاتمہ، عورتوں کی جانب سے سر عام بے حیائی، آبادی کا کم سے کم تر کیا جانا، عیسائیوں کے درمیان دو بین الاقوامی ہولناک جنگیں اور اقوام متحدہ کے نام سے ایک عالمی ادارے کا قیام وغیرہ، ان کے انہی تجویز کردہ ناپاک منصوبوں کے عملی مظاہر ہیں۔ اس لیے اپنے ایجنڈے کی خاطر (تمام دنیا کی آبادی کو کامل طور پر اپنے آہنی شکنجے میں کس لینا، مذاہب عالم سے لوگوں کو بیزار کر دینا، اور ایک عالمی وحدانی حکومت کو بالفعل قائم کرنا) وہ اب یا کبھی بھی کوئی عالمی تباہ کن منصوبہ بنا سکتے ہیں۔

اس تمام طویل پس منظر میں جب ہم موجودہ وبا اور لامتناہی لاک ڈاؤن (تالا بندی) کو دیکھتے ہیں تو نگاہ اس گروہ کی جانب جائے بغیر نہیں رہتی۔ اس وقت جو وبا پھیلی ہوئی ہے، وہ چونکہ جراثیمی (وائرل) ہے، اس لیے ہمیں اس بارے میں بھی ضرور کچھ جان لینا چاہیے۔ ایک امریکی مصنفہ ''گریس ہالسیل'' (سابق تقریر نویس امریکی صدر جانسن) نے، اپنی کتاب ''فورسنگ گاڈس ہینڈس، ترجمہ ''خوفناک جدید صلیبی جنگ'' راقم میں، جو اس نے یہودی سازشوں کا آشکار کرنے ہی کیلئے لکھی تھی، امریکی پادریوں کے حوالے سے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل ایک ایسی بیماری پیدا ہو گی جس سے لوگوں کی زبانیں اندر ہی سے گل جائیں گی، ان کی آنکھیں خود ہی دھنس جائیں گی اور لوگ کھڑے کھڑے گر کر خود ہی مر جائیں گے۔ ہماری احادیث بھی آگاہ کرتی ہیں کہ حضرت امام مہدی کی آمد کے دور میں شام کی افواج کے اوپر سے اگر ایک پرندہ اڑ کر دوسری طرف جانا چاہے گا تو وہ نہیں جا سکے گا اور راستے ہی میں گر کر مر جائے گا۔ ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم میں ایک ایسی ہلاکت خیز وبا پھیلے گی جیسی کہ بھیڑوں میں ہوتی ہے (جو نزلے کی قسم کی ہے۔ صحیح بخاری، نمبر ۱۰۴)۔ اسی طرح یاجوج ماجوج کے لشکر کی گردنوں میں بھی اللہ تعالیٰ ایسا کیڑا پیدا کرے گا جو ان سب کو گلا کر رکھ دے گا اور وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اس قسم کی تفصیلات سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ

آئندہ کی جنگ جراثیمی ہو۔ چنانچہ اس تمام پس منظر کے بعد کورونا کی اس موہوم وبا کو بھی ہمیں اسی انداز سے دیکھنا چاہیے۔ ''لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجیے'' والا حساب ہے۔ کیونکہ ہوشیار قومیں اپنے دشمن کے خفیہ منصوبوں پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ دنیا بھر کے مفکرین ایسے خفیہ دشمن اور ان کے شیطانی منصوبوں کو آشکار کرتے بھی رہے ہیں۔ عالمی حکومت کی خاطر یہ صہیونی گروہ، دنیا میں کچھ بھی انہونا کام کر سکتا ہے۔ یہ وہ شیطانی گروہ ہے جسے مذہب تو کیا، کسی انسان سے بھی دلچسپی نہیں ہے۔ اسی تمام صورت حال میں ہمارا تصور ہمیں ہالی ووڈ امریکا کی اسی انداز کی اس فلم کی طرف بھی لے جاتا ہے جسے 2011ء میں CONTANGIN کے نام سے بنایا گیا تھا اور کچھ ایسی ہی صورتِ حال اس میں بھی پیش کی گئی تھی۔ ''چین، ووہان اور کورونا'' کے الفاظ اس میں بھی استعمال کیے گئے تھے اور بتایا گیا تھا کہ اس وقت کی وبا بالآخر پوری دنیا میں پھیل کر رہتی ہے اور سڑکیں اور بازار آج ہی کی مانند سنسان ہو جاتے ہیں۔ فلم میں سائنسدان پیشگی آگاہ کرتے ہیں کہ مذکورہ وبا کے وائرس سے دنیا بھر میں اسّی لاکھ لوگ مریں گے۔ کیا اس دور کی فلم اور موجودہ حالات میں یہ مماثلت حیرت انگیز نہیں ہے؟ اور کیوں انہوں نے اس قدر پہلے یہ آگہی فلم دنیا کے سامنے پیش کی تھی؟ آج ان صہیونیوں نے گزشتہ تین ماہ مارچ تا مئی تک دنیا بھر کے سات ارب انسانوں کو مسلسل قید میں رکھا ہوا ہے جبکہ ان کی قید کو لوگ چپ چاپ سہتے بھی چلے جا رہے ہیں۔ یہ گویا انہوں نے واشگاف آشکار کیا ہے کہ ہم جب چاہیں، ارب ہا ارب کی آبادی کو لامحدود مدت کیلئے بالکلیہ اپنے رحم و کرم پر رکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ ان کی ریہرسل ہے تو بہت کامیاب ٹھہری ہے۔

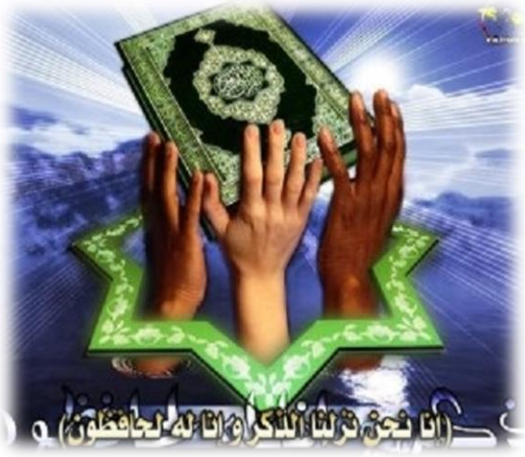

ایک اور ہائی فائی ٹیکنالوجی کا ذکر بھی ان دنوں بہت عام ہے۔ یہ 'جی فائیو'' ٹیکنالوجی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ٹاورز کی عالمی تنصیب سے دنیا بھر کے انسان ایک نامعلوم گروہ کے قبضے میں از خود چلے جائیں گے۔ ان کے ذہن اور ان کے خاندان سب کے سب گروہ کے میگا کمپیوٹرز میں قید ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ لندن میں لوگوں نے مشتعل ہو کر ایک آدھ مقام پر یہ ٹاور اکھاڑ کر پھینک دیے اور کہا کہ کورونا دراصل انہی ٹاورز سے پھیل رہا ہے اور یہی ٹاورز ہیں جن سے ہماری آزادی سلب ہو رہی ہے۔ انہی عوام نے بعد میں ٹاور نصب کرنے والے مرد و خواتین انجینئرز پر تشدد اور جنسی حملے بھی کیے۔ اسی کے ساتھ ایک خبر سرکاری طور پر یہ بھی سامنے آئی کہ مستقبل میں ایک ''ڈیجیٹل کرنسی'' بھی جاری کی جائے گی جس میں نقد کوئی رقم ہاتھ میں نہیں ہو گی۔ سو یہ حربہ تو بذاتِ خود انسانوں کو قابو کرنے کا ایک مزید آسان نسخہ ہے۔ ''پوشیدہ جنونی گروہ'' کی بات جو لوگ تسلیم کریں گے، انہی کو وہ یہ ''کمپیوٹر کرنسی'' نوازیں گے۔ ورنہ سب کچھ سے محروم کر دیں گے۔ ٹاور نصب کرنے والی کمپنی ''ٹیلی نار'' کے پاکستانی سربراہ ''عرفان وہاب خان'' کی ایک ٹی وی چینل کی گفتگو بھی اس ضمن میں بہت معنی خیز ہے۔ انہوں نے اصرار سے کہا کہ پاکستان میں فائیو جی سروسز کا آغاز دو سے تین سال میں ممکن ہے اور ''یہ ایک ''گیم چینجر'' ثابت ہو گی۔ یہ بھی بتایا کہ آہستہ آہستہ ہمیں کیش لیس سوسائٹی کی طرف بھی جانا ہو گا۔ لیکن ان کے الفاظ ''گیم چینجر'' اور ''کیش لیس'' خاصے چونکا دینے والے ہیں۔ سو وہ یہ تمام پہلو ہیں جن کی طرف سے موجودہ صورت حال ہمیں کسی سازشی منصوبے کی جانب رہنمائی کر رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس طرف سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ کسی دن یہ ہمارا ایمان اور ہمارا مذہب بھی اچک کر لے جائیں گے۔

''خوف، خوف اور خوف''! اس وبا کے دوران صہیونی گروہ کا طریقِ کار یہی رہا ہے۔ ہر ہر ملک اور دور دراز ترین ایک ایک خطے میں لوگوں کو اس قدر

خوف زدہ کر دیا جائے کہ وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں، ان کا اعتماد کچلا جائے، اور وہ خود کو مایوسی کے اندھے کنویں میں دھکیلا ہوا پائیں۔ ہر چہار طرف سے پکار پکار کر یہی بتایا جائے کہ ''کہیں دور دور تک بھی کوئی روشنی، کوئی اجالا تمہارے مقدر میں نہیں ہے''۔ مزید ایک طویل مدت تک انہیں گھروں میں بھی غیر محسوس طور پر قید و محبوس کیا جائے اور ایک دوسرے سے باہمی خوف بٹھا دیا جائے۔ ''اپنے بھائی اور ماں سے بھی تمہیں دور رہنا چاہے، تین تین چار چار فٹ پرے رہ کر بات کرنی چاہیے کہ وہ تمہارے جانی دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہارا کوئی بھائی، کوئی بہن، کوئی ماں، اور کوئی باپ، نہ جانے کس وقت تمہارے لیے نقصان کا سبب بن جائے''۔ ذہنوں میں اندر تک ٹھونسا جائے کہ ''چھوت والا یہ مرض جان لیوا اور ہلاکت خیز ہے۔ اس لیے احتیاط کیجیے ہر فرد سے دور رہیے اپنے پیاروں سے! مناسب فاصلہ رکھیے ایک دوسرے سے، قریب نہ جایئے کسی ایک کے بھی'' اور پھر سخت ترین صدمے کی ''طویل ترین'' حالت میں بالکل اچانک ہی، یکایک کوئی نجات دہندہ، کوئی مسیحا بن کر سب کے سامنے آجائے اور اعلان کرے کہ ''میں ہوں تمہارا مسیحا۔ تمہاری امیدوں کا مرکز۔ تمہارے تمام دکھوں کا علاج صرف اور صرف میرے پاس ہے۔ وہ دوا جس سے تمہارا ذہنی سکون واپس لوٹ سکتا ہے، میرے ہی پاس ہے''۔ ''تو اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں'' کے مصداق وہ شخص، مایوس فرد، پھر چار و ناچار اس کے آگے اپنی سپر ڈال دے گا، اپنا آپ اس کے حوالے کر دے گا، اپنی معلومات اس کی جھولی میں انڈیل دے گا۔ کیونکہ اس جاں کنی، اس عذاب سے نکلنے کا راستہ اب اس کے پاس اور کوئی رہ ہی کیا گیا ہو گا؟ تاہم یہ سب بھی ایک دھوکا ہو گا، ایک سراب ہو گا۔ نیک رنگ و روپ میں سامنے آنے والا یہ مسیحا دراصل اس کا اصل دشمن ہو گا۔ اور سارا کھیل ہی اصل میں اسی کی خاطر ہی رچایا گیا ہو گا۔

یہی صورتحال ہے جو کورونا کی وبا کے دنوں میں آج دیکھی جا رہی ہے۔ دنیا بھر کے ٹی وی چینل، سوشل میڈیا، حکومت کے وزرا، ڈاکٹر، وکلا، صحافی، اور تنخواہ دار ایجنٹس، دن رات چیخ چیخ کر لوگوں کو ''موت، موت، موت اور موت'' کے ڈراؤنے اعداد و شمار بھیج رہے ہیں۔ چیخ رہے ہیں کہ یہ پُراسرار وبا، یہ ناقابلِ علاج بیماری، ابھی اور بھی لمبی مدت تک موجود رہے گی۔ شاید جون تک چلی جائے یا شاید ستمبر تک بھی نہ جانے پائے۔ اور ابھی اور بھی نہ جانے کتنی مزید ہلاکتیں کر کے جائے۔ کوئی سا بھی مریض ہو، سب سے پہلے کورونا کے خانے میں ڈال دو۔ اور اس وقت تک اس کا علاج نہ کرو جب تک کہ وہ ''کورونا کلیئر'' نہ قرار پا جائے۔ خواہ اس دوران اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اور پھر جب جان چلی جائے تو اس موت کو کورونا کے کھاتے میں ڈال کر روزانہ کے اعداد و شمار کو مزید ہولناک بناؤ۔ ڈراؤ کہ اس مرض کی کوئی بھی دوا اب تک تیار نہیں ہو سکی ہے۔ تالا بندی کے صاحبانِ اختیار کو دنیا میں بڑھتی ہوئی شرحِ اموات پر تو حد درجہ تشویش ہے لیکن نتیجے میں ارب ہا ارب انسانوں کے بیروزگار ہونے کی چونکا دینے والی شرح سے سراسر لاتعلقی ہے۔ کوئی بھی اس پر بات کرنے کو تیار نہیں ہے جو خود اپنی جگہ سوچنے کا ایک سوال ہے؟ سو سمجھنے کی خاطر اس تمام کھیل کو اگر ایک بار پھر اوپر درج کردہ پروٹوکول نمبر ۵ اور ۹ میں دیکھیں جن میں واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ ''رائے عامہ کو اپنے ہاتھوں میں لینے کیلئے ہمیں کشیدگی اور مایوسی کی فضا پیدا کرنی چاہیے''۔ سو عالمی حکومت قائم کرنے کی خاطر اس سے بہتر ترکیب اور کیا ہو گی؟

عالمی حکومت کے قیام کے ان کے منصوبوں کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسرائیل شام کے محض ایک چھوٹے سے حصے پر قبضہ کرنے کی خاطر وجود میں نہیں آیا ہے۔ اسے پورے کے پورے فلسطین کو ہڑپ کرنا ہے۔ نیز انہیں مسجدِ اقصیٰ کی زمین بوسی درکار ہے۔ مذکورہ مصنفہ ''گریس ہال سیل'' نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اپنے الفاظ نقل کیے ہیں کہ ہماری زمین پر یہ مسجد ایک بوجھ ہے اور اسے تو جانا ہی ہو گا۔ ہمارے مسیحا کی آمد سے قبل اسے توڑ دینا ہم پر لازم ہے کیوں کہ اول تو یہ مسجد ہمارے مسمار شدہ ہیکل ہی کی زمین پر قائم ہے اور دوم ہمارا مسیحا بھی اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک کہ اسے گرا

نہیں دیا جائے گا۔ پھر جب وہ آئے گا تو ''واحد عالمی حکومت'' کا ہمارا دیرینہ خواب پورا ہو جائے گا جس کی قیادت بھی اسی کے ہاتھ میں ہو گی۔ دوسری جانب کٹر عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے مسیحا حضرت عیسیٰؑ بھی اس وقت تک زمین پر نہیں آئیں گے جب تک کہ مسجدِ اقصیٰ زمین پر قائم ہے۔ دونوں کا اتفاق اسی بات پر ہے کہ نعوذ باللہ مسجدِ اقصیٰ کو گرا کر ہی دم لینا چاہیے۔ سو مستقبل میں ایسا ہی کوئی بدترین خاموش وقید خانہ جاتی ماحول جنم دے کر وہ ہماری مسجدِ اقصیٰ کو اچانک گرا بھی سکتے ہیں جس کے بعد تمام عالمِ اسلام بھی شاید اسے جائز قرار دے کر چپ ہو جائے، اسی طرح جیسے ابھی وہ حرمن شریفین کی مکمل تالہ بندی اور عمرے پر کامل پابندی پر خاموش رہے۔

صہیونی قوتیں اس طرح اپنے ڈیڑھ ہزار سالہ خفیہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار کر لیں گی اور ساری مسلم قیادت، پیغمبروں کی مسجد کو گرتا ہوا دیکھ کر بھی ''ہاں میں ہاں'' ملاتے ہوئے شاداں وفرحاں رہے گی۔ یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ تمام عیسائی ریاستوں سمیت امریکا بھی اس وقت اسرائیلی ریاست کے عین نشانے پر ہے۔ تمام صہیونی مصلحتاً اس وقت عیسائیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں کیونکہ انہیں اپنے مقصد سے پیار ہے۔ اگر اس وقت گرجا بند ہیں تو یہ بھی صہیونیوں کی سازش ہے کیونکہ گرجاؤں کو ختم کرنا بھی ان کے ایجنڈے میں شامل ہے۔ وہ نہ ہی کسی مذہب کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی تہذیب کو۔ عیسائی تو شاید انہیں معاف بھی کر چکے ہیں لیکن یہودی اپنے سدا کے خونخوار دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ان کی کتابوں میں عیسائیوں کو باقاعدہ ''گویم اور چوپائے'' قرار دیا گیا ہے۔ سو امریکا اور دیگر یورپی ریاستوں کا خاتمہ بھی ان کے پروگرام اور ان کے پروٹوکولس میں درج ہے۔ لوگ سوال کرتے ہیں، اور بجا کرتے ہیں کہ اگر یہ صہیونی منصوبہ ہے تو پھر اسرائیل آخر اس سے کیوں متاثر ہوا؟ اور اسرائیل سمیت آخر دنیا بھر کے سینیگاگس کیوں بند رہے؟ تو ان سوالوں کے دو ممکنہ جوابات ہیں:

1) یہ کہ اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کیلئے صہیونی اپنے ہم مذہب یہودیوں کو بھی قربان کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اس کا تذکرہ کینیڈین اعلیٰ کمانڈر ولیئم گائی کار نے اپنی کتاب ''پانزدی گیم'' ترجمہ ''بساطِ عالم کے مہرے'' میں کافی تفصیل سے موجود ہے اور باقاعدہ مثالیں درج کی ہیں۔ یوں بھی جہاں مفاد ہوتا ہے، وہاں قوم اور مذہب کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ادھر ایک دوسرے امریکی مصنف ''رون ڈیوڈ'' نے بھی اپنی کتاب ''عرب اینڈ از رائیل'' ترجمہ ''قومیں جو دھوکا دیتی رہیں'' میں اسی قسم کے ایک دو چشم کشا انکشافات کیے ہیں۔
2) ممکن ہے کہ اس بار ان سے کوئی فاش غلطی ہو گئی ہو، جس کا اندازہ انہیں سازش کی تشکیل کے وقت نہیں ہو سکا ہو۔ اس لیے راقم کا اندازہ ہے کہ آئندہ اگر کبھی انہوں نے ایسی مزید کوئی سازش کی تو اس بھول چوک کو وہ اُس مرحلے پر دور اور اپنے افراد کو محفوظ کر لیں گے جیسا کہ ٹوئن ٹاورز پر حملے کے دوران انہوں نے وہاں موجود تمام یہودیوں کو محفوظ کر لیا تھا۔

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ بعض علمی حلقوں کی جانب سے وبا کے آغاز ہی میں زور دیا گیا تھا کہ یہ ایک خدائی عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر میں صرف اس لیے مسلط کیا ہے کہ عذاب کا خوف محسوس کر کے دنیا خود کو خدا کے آگے جھکا دے، اللہ کی بغاوت چھوڑ کر اسی کے قوانین نافذ کرے۔ ان کے بقول اللہ چاہتا ہے کہ ''مادیت مرکز'' ہونے کے بجائے دنیا ''ایمان مرکز'' ہو جائے۔ حکومتیں صرف اسی کا نظام نافذ کریں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''عذاب کی یہ صورت ممکن ہے ڈیڑھ کروڑ انسانوں کی جان بھی لے لے''۔

راقم کے سامنے جب یہ نظریہ آیا تو وہ سخت حیرت میں ڈوب گیا۔ لہٰذا جوابی پیغام میں اس نے کہا کہ اللہ کا قانون کبھی ایسا جبری عذاب نہیں بھیجتا جو لگاتار و لامتناہی ہو اور جس میں لوگ اللہ کے آگے بالجبر جھکنے پر مجبور ہوں۔ اللہ نے پہلے ہی قرار دیا ہے کہ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے تو کلام اللہ میں فرمادیا ہے کہ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔ ''ہم نے انسان کو پہلے ہی سیدھا راستہ دکھادیا ہے۔ سو اب اس کا جی چاہے، ہمارا شکر گزار بندہ بن جائے اور جی چاہے تو نافرمان بندہ بن جائے''۔ اس نے واضح کیا ہے کہ وہ انسانوں کے تمام اعمال کو آخرت میں تولے گا اور وہیں ان کا حساب کتاب کرے گا۔ اگر اس موقع پر یہ سوال کیا جائے کہ بعض انبیاء کی قوموں پر بھی تو ایمان لانے کی خاطر عذاب مسلط کیا گیا تھا۔ تو عرض ہے کہ وہ دوران اقوام میں انبیاء کی موجودگی کا تھا۔ نیز قوموں نے رسولوں سے ایک نشانی بھی طلب کی تھی جس پر اللہ نے کہا تھا کہ اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کی قوم کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ مگر اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ عذاب سامنے دیکھ کر بھی سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے، دیگر کوئی بھی قوم ایمان نہیں لا سکی تھی۔ سو یہ اللہ کا طریقہ ہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر زبردستی ایمان نافذ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کیلئے بھی تین چار مہینوں کا لگاتار ''لاک ڈاؤن'' نما عذاب مسلط نہیں کیا تھا۔ وہ تو بس تین یا سات دنوں ہی کی مہلت تھی۔ کوئی لامحدود تالا بندی نہ تھی۔ جس کے بعد ان پر تابڑ توڑ سیلاب، سنگ ساری، یا زمین کی دھنسائی کا مٹا دینے والا عذاب مسلط کیا گیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ ایک طویل تالا بندی کے بعد بھی صدر ٹرمپ کیا نیک اور پارسا بن گئے ہیں؟ اسرائیل نے فلسطینیوں پر دہشت گردی ختم کر دی ہے؟ زمین سے ہالی ووڈ اور بالی ووڈ کی ناپاک زمین اجاڑ دی گئی ہے؟ اور شراب و شباب کا گناہ یکدم موقوف ہو گیا ہے؟ وغیرہ۔ تو آخر وہ کون سی برائی ہے جو دنیا کے کسی ایک خطے میں بھی صفر پر آگئی ہو اور قوموں کی قومیں اجتماعی توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئی ہوں؟ پھر اسی رو میں خوف دلانے اور اپنی بات پر مزید زور دینے کی خاطر مذکورہ نظریے میں یہ بھی کہا گیا کہ اس بیماری میں ڈیڑھ کروڑ لوگوں کے مر جانے کے امکانات بھی پائے جاتے ہیں۔ راقم نے جواباً کہا کہ ''تسلی رکھنی چاہیے کہ ایسا ہرگز بھی نہیں ہو گا۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگ کبھی ہلاک نہیں کروائے جائیں گے''۔

عقلی سوال یہ ہے کہ لوگوں کو ''ایمان سینٹرڈ'' بنا دینے کی خاطر اللہ تعالیٰ کیا لوگوں پر اپنی ہی مساجد بالکلیہ بند کر دے گا؟ جمعہ کی نماز ادا کروانے والے اماموں کو ہتھکڑی لگا دے گا؟ حج کو لامحدود مدت تک روک دے گا؟ حرمین شریفین میں ایسا کرفیو لگائے گا کہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے؟ اور پھر نعوذ باللہ چند ماہ بعد مایوس ہو کر وہ اچانک حرمین شریفین و مساجد کھول دے گا۔ نمازیں دوبارہ جاری کروادے گا اور وہی قانون ایک بار پھر نافذ کر دے گا کہ ''اذان کی آواز سن کر بھی جو لوگ باجماعت نماز پڑھنے مسجد نہیں آتے تو میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں؟''۔۔۔۔ لوگو۔۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم کیسی باتیں کرتے ہو؟

اوپر جو ہم نے معروضات پیش کی ہیں، دوسرے نظریوں کی مانند وہ بھی بس ایک نظریہ ہی ہیں۔ کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہیں۔ یہ سب تھیوریز ہیں جو اقصائے عالم میں گونج رہی ہیں۔ راقم الحروف کے یہ خیالات بھی محض ایک نظریہ ہی ہو سکتے ہیں لیکن دوسری جانب صہیونیوں کے جو عزائم ہیں، جو سازشیں ہیں، دنیا کو زیر و زبر کر دینے کے جو اعلانات ہیں، خفیہ طور پر اپنی کتابوں میں انہوں نے جو منصوبے پیش کیے ہیں، جس طرح انہوں نے دو عظیم جنگیں برپا کر کے لاکھوں عیسائیوں کو دنیا سے غائب کیا ہے، جس طرح وہ ایک واحد عالمی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، جس طرح وہ کھلم کھلا مسجدِ اقصیٰ شہید کر کے اپنا کھویا ہوا ٹمپل نئے سرے سے تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جس طرح انہوں نے ٹوئین ٹاورز کو زمین بوس کر کے سارا ملبہ مسلمانوں پر ڈالا تھا، ان تمام

ہولناک سازشوں کے پس منظر میں، ان تمام حقائق کی واضح روشنی میں نگاہ ان کی جانب سے خود ہی ہٹنے نہیں پاتی۔ ''لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجیے''۔ حاوی گمان ہوتا ہے کہ ملکوں ملکوں گھومتا ہوا یہ وائرس، لامحدود تالا بندی، اربوں انسانوں کی قیدِ لامتناہی اور ان کی کبھی ختم نہ ہونے والی یہ بیروزگاری عین ممکن ہے کہ انہی متکبر صہیونیوں کی کارستانی اور ناپاک ایجنڈا ہوں۔ کون بے وقوف اپنے خطرناک دشمن سے کبھی غافل رہے گا؟ پھر جہاں تک پاکستان میں ہونے والی اموات کا تعلق ہے، تو اس طویل تالا بندی کے بعد اب تو ایک عام سبزی فروش اور دیہات کا ایک عام آدمی بھی بڑبڑانے لگا ہے کہ یہ سب ایک ڈراما ہے، کھیل ہے۔ کوئی وائرس نہیں ہے۔ سو جب بات اس سطح تک چلی جائے تو اس کے بعد تو پھر بات ہی ختم ہو گئی۔ جتنے بھی لوگ مرتے ہیں، ان میں عموماً دوسری بیماریاں پہلے سے بھی موجود ہوتی ہیں۔ لیکن سرٹیفکیٹ میں وجہِ موت بلاسبب ہی کورونا ڈال دیا جاتا ہے اور یوں لوگوں کو مسلسل خوف زدہ رکھنے کی سازش کی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ملک کے اندر صاف نظر آتا ہے کہ مسجدیں اور علماء پر بندشیں اس تمام گورکھ دھندے کا واحد سبب ہے۔ کہیں جمعہ کی نماز میں پولیس مداخلت کرتی ہے اور ہاتھا پائی ہوتی ہے، کہیں مسجدیں سیل کر دی جاتی ہیں، کہیں نماز جنازہ پڑھنے سے بھی سختی سے روک دیا جاتا ہے، اور کہیں امامِ مسجد پر اس بات پر مقدمے قائم کیے جاتے ہیں کہ اس نے جمعہ کی نماز پڑھانے کی ہمت کیسے کر لی تھی؟ اصرار کیا جاتا ہے کہ مسجدوں سے وائرس بہت تیزی سے پھیلتا ہے۔ ایک شور ہے، ایک ہاہاکار ہے جو ہر طرف زور و شور سے بپا ہے۔ لیکن جیلوں کے اندر ایک ہی وارڈ میں کم از کم اب بھی تیس تیس اور چالیس چالیس افراد دن رات اکھٹے رہتے ہیں، تمام مارکیٹیوں میں کھوے سے کھوا چلنے کا سماں پایا جاتا ہے، احساس پروگرام کے اندر پورے پاکستان میں ایک لمبی قطار ہمیشہ کھڑی نظر آتی ہے۔ لوگ ان سب مناظر کو اپنی آنکھوں سے خود ہی دیکھ رہے ہیں۔ تو کوئی کیسے اس وبا پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے؟ سنجیدہ لوگ کہہ ہی اٹھتے ہیں کہ یہ ساری مشق کورونا نہیں بلکہ نمازوں اور مسجدوں پر براہ راست حملے کا جواز ہیں۔ ہم کب "ام الکتاب" کی اس تنبیہ پر عمل کریں گے؟ أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔۔۔" کیا یہ لوگ قرآن پر تدبّر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ چکے ہیں!

بروز ہفتہ 4 ذوالحج 1441ھ 25 جولائی 2020ء

مرنا ہے تو گیلان جایئے

ایران میں صدیوں پرانی کہاوت ہے کہ ''مرنا ہے تو گیلان جایئے''۔ایران کا صوبہ گیلان قدرتی حُسن اور سبزے کے حوالے سے شہرت رکھتا ہے۔ مرنے کیلئے گیلان جانے کا مشورہ اِس لیے دیا جاتا ہے کہ پورے ایران میں رسم ہے کہ کسی گھر میں موت واقع ہو تو سوگوار خاندان محلے والوں کو ہفتہ بھر کھلاتا پلاتا رہتا ہے جبکہ گیلان میں سوگوار خاندان کیلئے محلے والے ایک ہفتے تک کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں۔

مرنے کیلئے گیلان جانے کا مشورہ اِس وقت کچھ اور مفہوم رکھتا ہے۔ایران میں کورونا کی وبا سب سے زیادہ گیلان میں پھیلی ہوئی ہے۔یہ بھی عجیب ہی کہانی ہے۔خوبصورت نظاروں والے پُر فضا مقامات کا حامل ہونے کی بدولت گیلان میں سیاحت کی صنعت بھی خوب پھلی پُھولی ہے۔بس یہی بات اُسے نقصان پہنچا گئی۔ایران میں جب کورونا وبا پھیلی تو متعدد صوبوں نے اسکول بند کر دیئے۔اسکول بند ہونے پر ہزاروں خاندانوں نے بچوں کے ساتھ چھٹیوں کا مزا لینے کیلئے گیلان کا رخ کیا۔یوں گیلان میں کورونا اِتنی تیزی سے پھیلا کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔گیلان کے گورنر اور منتخب نمائندوں کو ٹی وی پر آکر عوام سے التماس کرنا پڑی کہ وہ گیلان کا رخ نہ کریں۔حکومت سے بھی استدعا کی گئی ہے کہ لوگوں کو گیلان جانے سے روکیں مگر تہران حکومت نے اب تک اس استدعا کو خاطر خواہ اہمیت دینے سے گریز کیا ہے۔

لوگوں کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ 25 فروری کو، جب ایران میں کورونا کو قومی سطح کا بحران قرار دیئے ہوئے دو ہفتے ہو چکے تھے، صدر حسن روحانی نے گیلان کے تفریحی مقامات تک پہنچانے والے ہائی وے لنک کے پہلے مرحلے کا افتتاح کیا۔اس لنک کی مدد سے گیلان کے تفریحی مقامات تک 180 کلو میٹر کا فاصلہ ایک چوتھائی رہ جاتا ہے۔ہائی وے لنک کے افتتاح کے بعد لوگوں نے بڑی تعداد میں گیلان کا رخ کرنا شروع کر دیا۔یہ گیلان کے باشندوں کیلئے انتہائی پریشان کن امر تھا۔وہ کورونا سے بچنے کیلئے لوگوں سے نہ آنے کی اپیل کر رہے تھے اور لوگ آئے چلے جا رہے تھے۔ایسے میں اللہ نے اُن کی یوں سُنی کہ مٹی کا ایک بڑا تودہ گرا جس نے ہائی وے بند کر دی۔

گیلان کی صورتِ حال سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایران میں کورونا کے حوالے سے دو بہت بڑی خرابیاں سامنے آئی ہیں۔ایک طرف تو یہ ثابت ہوا کہ ایران کی بیوروکریسی کسی شدید قسم کی میڈیکل ایمرجنسی سے نمٹنے کی بھرپور مطلوبہ صلاحیت نہیں رکھتی اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ حکومت اور عوام کے درمیان اعتماد کا غیر معمولی فقدان ہے اور یہ کہ سرکاری میڈیا پر بھی اعتماد خاصا گھٹ گیا ہے۔

ایران کی بدنصیبی یہ ہے کہ کورونا وبا انتہائی مشکل گھڑی میں آئی ہے۔مئی 2018ء میں ٹرمپ نے ایران پر جو پابندیاں عائد کیں اُن سے معیشت کو شدید نقصان پہنچا۔زرِ مبادلہ کے ذخائر میں اچھی خاصی کمی واقع ہو گئی جس کے نتیجے میں صحتِ عامہ کیلئے کورونا کی شکل میں اٹھ کھڑے ہونے والے بحران سے نمٹنے کی صلاحیت بھی شدید متاثر ہوئی۔

1979ء کے انقلاب کے بعد قائم ہونے والی ایرانی حکومت نے پہلی بار آئی ایم ایف سے 5/ارب ڈالر کا پیکیج مانگا ہے۔ ایران کو مطلوب پانچ ارب ڈالر دینے یا نہ دینے سے متعلق حتمی فیصلہ آئی ایم ایف کے بورڈ آف ڈائریکٹر کو کرنا ہے۔ اگر امریکی محکمہ خزانہ نے کوئی الجھن پیدا نہ کی تو ایران کی قیادت پانچ ارب ڈالر کی مدد سے عوام کی مشکلات کم کرنے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کرے گی۔ 2012ء میں ایران کی تیل کی برآمدات 120/ارب ڈالر تھیں۔ رواں سال تیل کی برآمدات 10/ارب ڈالر تک ہیں۔ ایسے میں 5/ارب ڈالر ایران کیلئے خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔

ایرانیوں کی مشکلات پہلے ہی کیا کم تھیں کہ اب کورونا بھی میدان میں ہے۔ امریکا کی عائد کی ہوئی پابندیوں نے 2018ء تک عام ایرانی کی قوتِ خرید 20 فیصد کی حد تک گھٹادی تھی۔ صحتِ عامہ کے بحران نے ایرانیوں کی مشکلات میں غیر معمولی حد تک اضافہ کر دیا۔ 2000ء کے عشرے میں جب تیل کی منڈی میں بلندی آئی تب ایران نے صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ متوسط طبقہ تیزی سے ابھرا۔ 2012ء تک ایران میں متوسط طبقہ آبادی کا 60 فیصد تھا۔ 2018ء میں یہ طبقہ آبادی کے 53 فیصد تک گھٹ گیا اور اب یہ 50 فیصد سے کم ہو چکا ہے۔

ایران میں سرکاری ملازمین کیلئے بھی مشکلات کم نہیں رہیں۔ کم و بیش 30 لاکھ گھرانے سرکاری ملازمت میں ہیں۔ ان کی تنخواہ میں سال رواں کی آمد تک 15 فیصد کمی واقع ہو چکی تھی اور آئندہ برس سرکاری ملازمین کی مجموعی یافت میں مزید کمی واقع ہو سکتی ہے۔ یہ سب کچھ ایسے وقت ہو رہا ہے جب مہنگائی کا گراف نیچے لانا ممکن نہیں ہو پا رہا اور ایران میں بھی اشیائے ضرورت کی قیمتیں 30 فیصد تک بڑھنے کا امکان ہے۔ سرکاری تنخواہوں کے بل میں 22 فیصد اضافے کی تجویز دی گئی ہے جبکہ افراطِ زر کی شرح اِس سے زائد ہے۔

ایران کو بیروزگاری کا بھی سامنا ہے۔ بیروزگاری پر قابو پانے کے سلسلے میں حسن روحانی پر غیر معمولی دباؤ ہے۔ اُن پر دباؤ مزید بڑھ سکتا ہے کیونکہ کورونا کی پیدا کردہ صورتِ حال مزید بگڑنے سے ایران کے بیروزگاروں میں 30 سے 40 لاکھ کا اضافہ ہوگا۔ 2011ء میں اُس وقت کے ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے کیش ٹرانسفر پروگرام (بیروزگاروں کیلئے نقدی) شروع کیا تھا۔ حسن روحانی نے اس پروگرام پر سخت نکتہ چینی کی تھی۔ اب حسن روحانی نے بھی کیش ٹرانسفر پروگرام کی طرف جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ بیشتر ایرانیوں کو اسی ماہ سے نقد امداد ملے گی۔

ایرانی حکومت نے 6 برس کے دوران افراطِ زر کی شرح میں اضافے پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے جس کے نتیجے میں حکومت کی طرف سے ملنے والی امداد کی حقیقی قدر ایک تہائی رہ گئی۔ گزشتہ نومبر میں ایرانیوں نے گیس کے نرخوں میں اضافے کے خلاف ملک گیر احتجاج کیا۔ روحانی نے کیش ٹرانسفر کی رقم دگنی کر دی۔ 2011ء میں کیش ٹرانسفر سے ملنے والی رقم عام ایرانی کی اوسط آمدنی کا 26 فیصد تھی۔ اب یہ صرف 8 فیصد رہ گئی

ہے۔ غریب ترین 20 فیصد ایرانیوں کیلئے کیش ٹرانسفر اب بھی اوسط آمدنی کے 24 فیصد کے مساوی ہے۔ ایرانی حکومت نے آمدنی کا کوئی بھی ذریعہ نہ رکھنے والے کم و بیش 30 لاکھ ایرانی گھرانوں کیلئے صرف ایک بار نقد امداد کا اعلان کیا ہے۔ یہ لوگ آبادی کے 20 فیصد کے برابر ہیں۔ مزید 40 لاکھ گھرانوں میں سے ہر ایک کو کم شرحِ سود پر 40 لاکھ ریال (1200 ڈالر) کے قرضے دیے جا رہے ہیں۔ یہ قرضے اُن گھرانوں کیلئے ہیں جو صحتِ عامہ کے بحران کے باعث آمدنی کے ذرائع سے محروم ہو چکے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایرانی حکومت بے روزگار گھرانوں کو اس قدر امداد کس طور دے سکے گی۔ ایران میں بجٹ خسارہ ہمیشہ رہا ہے۔ اس وقت امریکا نے پابندیاں بھی عائد کر رکھی ہیں اور عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں بھی بہت گری ہوئی ہیں۔ ایسے میں ایرانی بجٹ کے خسارے میں اضافہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ امکان ظاہر کیا جا رہا ہے کہ سرکاری بونڈز کی فروخت سے بھی کام لیا جائے گا۔ اچھے وقتوں میں بھی ایرانیوں کی اکثریت اپنی بچت سونے، اسٹاکس اور زرِ مبادلہ کی شکل میں محفوظ رکھنا پسند کرتی ہے۔ سرکاری بونڈز کو تب بھی ترجیح نہیں دی جاتی۔ اب جبکہ معیشت شدید بحرانی کیفیت سے گزر رہی ہے، سرکاری بونڈز پر بھروسا کرنے والے ایرانی خال خال ہی ہوں گے۔ ایرانی اسٹاک مارکیٹ اب بھی خاصی مستحکم ہے۔ ایسے میں بیشتر ایرانی اپنی بچت کے ذریعے اسٹاک مارکیٹ میں کوئی خطرہ مول لینا تو پسند کریں گے مگر حکومت کے جاری کردہ بونڈز پر بھروسا نہیں کریں گے۔ اگر عوام سرکاری بونڈز میں دلچسپی نہ لیں تو سرکاری ملکیت والے تجارتی بینکوں کو آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ جب وہ میدان میں آتے ہیں تب اُن کے زرِ مبادلہ کے ذخائر مرکزی بینک کے سسٹم میں آنے سے کرنسی نوٹوں کی تعداد بڑھتی ہے اور یوں افراطِ زر (مہنگائی) میں اضافہ ہوتا ہے۔

اپنی حکومت پر ایرانیوں کا اعتماد گرتا رہا ہے تاہم چند ماہ قبل ایران میں یوکرین کے مسافر طیارے کی تباہی کے بعد تو یہ معاملہ بہت ہی بگڑ گیا۔ پہلے تو ایرانی حکومت نے ذمہ داری قبول کرنے سے صاف انکار کیا مگر پھر تسلیم کیا کہ یوکرین کا طیارہ غلطی سے داغے جانے والے میزائل کا نشانہ بنا۔ اس کے ایک ماہ بعد ایرانی حکومت نے قُم سے کورونا کی وبا کے پھوٹنے کی تردید کی مگر جب دو افراد اس وبا کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے تب حکومت نے وبا کا وجود تسلیم کیا۔ اس سے عوام کا اعتماد اپنی حکومت پر مزید کم ہو گیا۔

امریکا نے جن پابندیوں کو زیادہ سے زیادہ دباؤ قرار دیا ہے، اس کے خلاف ایران نے خاصی کامیابی سے غیر معمولی مزاحمت کی ہے۔ مارکیٹ کی قوت پر بھروسا کرتے ہوئے اور ایرانی کرنسی کی قدر میں کمی کی مزاحمت نہ کر کے ایرانی حکومت نے ملک میں پیداوار کو بڑھایا ہے تاکہ درآمدات پر انحصار کم سے کم ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ آمدنی چاہے کم ہوتی گئی ہے تاہم جب سے امریکا نے نئی اور زیادہ سخت پابندیاں عائد کی ہیں تب سے ایران میں بے روزگاری کا گراف قابلِ تعریف حد تک نیچے لانے میں مدد ملی ہے۔ اگر تیل سے ہٹ کر ہونے والی آمدنی کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والی بحرانی کیفیت سے قبل ایران کی معیشت خاصی مستحکم تھی۔ ایران میں حکومتی نظام کی تبدیلی کی باتیں کرنے والوں نے سیاست اور معیشت کا دھڑن تختہ ہو جانے اور حکومت کے تبدیل ہو جانے کی پیش گوئی کی تھی۔ یہ پیش گوئی اب تک حقیقت کی منزل سے بہت دور دکھائی دیتی ہے۔

کورونا کے بطن سے اب تک کوئی بھی اچھی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور یہ بیماری ایرانی حکومت کی جمع کی ہوئی طاقت کے حوالے سے بھی اب تک

unresponsiveثابت ہوئی ہے۔ عام حالات میں یہ ہوتا کہ حکومت اپنے حامیوں کے بڑے اجتماعات کا اہتمام کرتی، مظاہرے کراتی اور حکومت کی تبدیلی کے خواہش مندوں کے ارمانوں پر پانی پھیرتی۔ دوسری طرف فوج بھی طاقت کے غیر معمولی مظاہرے سے بتاتی کہ حکومت کی تبدیلی کا خواب دیکھنے والوں کیلئے خوش ہونے کی زیادہ گنجائش نہیں۔ اس کے بجائے اب حکومت کو چاہیے کہ لوگوں کو گھروں میں رہنے کی تحریک دے۔ نظریاتی وابستگی اور کمٹمنٹ رکھنے والے وفادار کارکنوں کے بجائے اب حکومت کو چاہیے کہ پروفیشنلز کو متحرک کرے۔ ایران میں صحتِ عامہ کا شعبہ غیر معمولی کارکردگی کا حامل رہا ہے۔ ہیلتھ پروفیشنلز نے مثالی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت سے بڑے مسائل کو حل کیا ہے۔ تیس سال پہلے ایران کے ہیلتھ پروفیشنلز نے دیہی علاقوں میں زچہ و بچہ کی ہلاکت کی شرح نیچے لانے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی تھی۔ اس کے نتیجے میں ایران میں اوسط عمر قابلِ شک حد تک بڑھی تھی۔ تب کے ہیلتھ پروفیشنلز نے جو نسل تیار کی تھی وہ آج کورونا کی تباہ کاریوں سے نمٹنے کیلئے میدان میں ہے۔ کورونا کے خلاف جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی اور مکمل فتح کی پیش گوئی بھی نہیں کی جاسکتی تاہم اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایران میں نئی نسل کے ہیلتھ پروفیشنلز نے بہت مشکل حالات میں بھی کورونا کے خلاف جنگ بہت محنت اور بے جگری سے لڑی ہے اور عوام کو علاج کی تمام سہولتیں فراہم کرنے کی مثالی کوشش کی ہے۔

جب کورونا کے خلاف جنگ ختم ہوگی تب ایک سوال اٹھ کھڑا ہوگا... یہ کہ جن ہیلتھ پروفیشنلز اور اُن کے ساتھیوں نے کورونا کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل کی ہے، وہ ملک کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی میں فعال کردار ادا کرنے کی راہ پاسکیں گے۔ نو منتخب پارلیمنٹ پر متصرف رجعت پسند (جو 2021ء میں صدارتی انتخاب کی کامیابی کے بھی منتظر ہیں) اس سوال کو کسی طور نظر انداز نہیں کرسکتے۔ اب یہ بات راز نہیں رہی کہ ایرانی انتخابات میں ایران کے متوسط طبقے کیلئے ریڑھ کی ہڈی سمجھے جانے والے پروفیشنلز نے ایک ایسے ایران کو حقیقت کا روپ دینے کیلئے ووٹ دیا ہے جو رجعت پسندوں کے ذہنوں میں بسے ہوئے ایران سے بہت مختلف ہے۔

ایران میں صحت اور دوسرے تمام اہم شعبوں کے پروفیشنلز چاہتے ہیں کہ ان کی مہارت اور پیشہ ورانہ اقدار کا احترام کیا جائے تاکہ اُنہیں معاشرے میں حقیقی جائز مقام مل سکے۔ کورونا سے نمٹنے کے سلسلے میں عالمی ادارۂ صحت سے ایرانی ہیلتھ پروفیشنلز کا رابطہ ناگزیر ہے اور اس صورت میں ایران کو عالمی سطح پر ابھرنے کا بھی موقع ملے گا۔ ایران میں رجعت پسند اقتدار پر اپنی گرفت مستحکم کرنے میں مصروف ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ انہیں سوچنا ہوگا کہ پروفیشنلز کے طبقے کو کس حد تک کھپایا اور compensate کیا جاسکتا ہے۔ جن نوجوان انقلابیوں نے 1980ء کے عشرے میں عراق کے خلاف جنگ لڑی تھی اور بعد کے عشروں میں پورے خطے میں رونما ہونے والی خرابیوں سے ملک کو بچانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا، وہ نمایاں شناخت چاہتے ہیں اور اُنہیں بہت حد تک اقتدار میں کھپایا بھی جاچکا ہے۔ کیا وہ قوم کو مکمل اور یقینی موت سے بچانے سے متعلق ہیلتھ پروفیشنلز کی خدمات کا اعتراف کریں گے اور انہیں سیاسی و معاشی زندگی میں اُن کا جائز مقام دیں گے؟

بروز جمعۃ المبارک 9 محرم الحرام 1442ھ 28/اگست 2020ء

امریکی عالمی قیادت خطرے میں؟

کورونا وبا کے عالمگیر بحران کے سیاسی اور سفارتی اثرات یقیناً سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں کیونکہ اس وقت صحتِ عامہ بنیادی مسئلہ ہے اور کورونا کے ہاتھوں پیدا ہونے والے بحران نے دنیا کی قیادت کے حوالے سے امریکا کی پوزیشن خاصی کمزور کر دی ہے۔ 1956ء میں جب نہر سوئز کا معاملہ کھڑا ہوا تھا تب امریکا نے مداخلت کی تو برطانیہ کی عالمی قائد کی حیثیت عملاً اختتام کو پہنچی۔ آج امریکی پالیسی ساز بری طرح پریشان ہیں کہ اگر انہوں نے صورتِ حال کے تمام تقاضوں کو نبھاتے ہوئے موزوں پالیسیاں اختیار نہ کیں تو کورونا کی صورت میں امریکا کیلئے ''سوئز مومنٹ'' سے بچنا ناممکن ہو گا۔

کورونا کے حوالے سے امریکی قیادت کا ابتدائی رویہ خاصا نیم دلانہ اور بدحواسی پر مبنی رہا۔ ایوانِ صدر، محکمۂ خارجہ، محکمۂ داخلی سلامتی اور سینٹر فار ڈزیز کنٹرول اینڈ پریونشن نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ناکافی ہی نہیں بلکہ صورتِ حال کے تقاضوں کے برعکس تھا۔ ٹرمپ انتظامیہ نے جو پالیسی اختیار کی اس پر عوام نے ذرا بھی اعتبار نہیں کیا۔ ایوانِ صدر سے باضابطہ طور پر یا پھر علی الصبح ٹوئیٹس کے ذریعے ٹرمپ جو بیانات داغتے تھے اُن سے معاملات میں ابہام پیدا ہوا، لوگ بدحواس ہوئے۔ سرکاری اور نجی ادارے ناکامی سے دوچار ہوئے جس سے لوگوں کا اپنی قیادت پر اعتبار و اعتماد مزید کم ہو گیا۔ کچھ ہی دنوں میں یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ کورونا جیسی کسی بھی عالمگیر نوعیت کی وبا سے نمٹنے کی صلاحیت امریکا میں نہیں۔ ٹرمپ نے ہر معاملے میں تنہا جانے یعنی کسی سے مشاورت کے بغیر بہت کچھ کرنے کی جو روش اختیار کی ہے، وہ کسی بھی اعتبار سے قابلِ ستائش نہیں۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کورونا سے نمٹنے کے حوالے سے امریکا بہت ہی کم تیاری کی حالت میں ہے۔

سات عشروں تک امریکا نے دنیا کو عسکری اور معاشی طاقت کی مدد سے چلایا ہے مگر معاملہ صرف یہاں تک محدود نہیں رہا۔ امریکی پالیسی سازوں نے اندرون ملک بھی بہتر طرزِ حکمرانی یقینی بنائی، صحتِ عامہ کا معیار بھی بلند رہا، سماجی تحفظ کا شعبہ بھی قابلِ رشک رہا لیکن کورونا نے جب امریکا کی صلاحیتوں کا امتحان لیا تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا کہ اس ٹیسٹ میں امریکا اب تک ناکام دکھائی دیا ہے۔ کسی بھی عالمگیر وبا کے حوالے سے امریکا کو جس نوعیت کا ردِّ عمل دینا چاہیے تھا وہ اس نے نہیں دیا۔

عالمگیر وبا کے حوالے سے امریکا نے جو خلا چھوڑا، وہ چین نے پُر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چین اس بحران میں باقی دنیا سے الگ تھلگ کھڑا ہے۔ وہ خاصا مضبوط ہو کر ابھرا ہے۔ اُس نے اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی مدد کرنے پر بھی توجہ دی ہے۔ اس حوالے سے اس کی قائدانہ حیثیت ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اب تک یہی کہا جاتا رہا ہے کہ کورونا چین کی نااہلی یا لاپروائی سے پھیلا۔ چینی قیادت سمجھتی ہے کہ قائدانہ کردار کے حوالے سے فیصلہ کن اقدامات کرنے کا وقت یہی ہے۔ دوسری طرف کورونا سے نمٹنے کے معاملے میں امریکا کی مکمل نااہلی نے عالمی سطح پر اس کی قائدانہ حیثیت کو خاصا متاثر کیا ہے اور یوں اکیسویں صدی میں عالمی قیادت کے حوالے سے جاری مسابقت کی نوعیت بھی بدلتی دکھائی دے رہی ہے۔

کورونا کی وبا پھوٹنے پر ابتدائی مرحلے میں چین پر غیر معمولی دباؤ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نومبر میں ووہان شہر میں یہ وبا پھوٹی تھی مگر تب اس معاملے کو دبایا گیا۔ جن ڈاکٹروں نے نشاندہی کی تھی اُنہیں سزا دی گئی۔ اس کے بعد پانچ ہفتے یوں ہی گزرنے دیے گئے، یوں معاملہ بگڑ گیا۔ لوگوں کو تیار کرنے میں ناکامی کا

سامنا کرنا پڑا۔ سفر کی بندش اور ٹیسٹنگ وغیرہ میں تاخیر کا ارتکاب کیا گیا۔ جب یہ وبا زور پکڑ گئی تب بھی اِسے دبانے اور چھپانے کی کوشش کی گئی۔ عالمی ادارۂ صحت کے حکام کو وہاں نہیں جانے دیا گیا۔ سینٹر فار ڈزیز کنٹرول اینڈ پریونشن سے اشتراکِ عمل کی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی۔ جنوری اور فروری کے دوران ماہرین نے پیش گوئی کی تھی کہ شاید کورونا کی وبا کے ہاتھوں چینی کمیونسٹ پارٹی کی پوزیشن کمزور پڑ جائے۔ ڈاکٹر لی وین لیانگ ''وسل بلوئر'' تھا یعنی اُسی نے کورونا وبا کے پھوٹ پڑنے کی نشاندہی کی تھی تاہم بعد میں وہ بھی کورونا کا شکار ہو کر چل بسا۔

مارچ کے اوائل میں ایران کے شہر قم میں یہ وبا پھوٹ پڑی۔ تب قرنطینہ کا سلسلہ شروع ہوا اور بین الاقوامی سفر پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ ملک گیر شٹ ڈاؤن اور لاک ڈاؤن کا سلسلہ شروع ہوا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مارچ کے وسط میں چین میں کورونا کے مریضوں کی تعداد میں یومیہ اضافہ سنگل ڈیجٹ میں آگیا یعنی دس سے کم رہ گیا جبکہ فروری کے دوران کورونا کے مریضوں کی تعداد میں یومیہ سیکڑوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔ چین کے صدر شی جن پنگ ابتدائی مرحلے میں الگ تھلگ رہے۔ پھر جب معاملات کچھ درست ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو نمایاں کیا اور ووہان کا دورہ بھی کیا۔ چین نے میڈیا کو عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ دنیا کو یقین دلایا گیا ہے کہ چین نے اندرونی معاملات بہت اچھی طرح نمٹائے ہیں یعنی مرض کو نہ صرف یہ کہ پھیلنے نہیں دیا بلکہ مریضوں کو صحت سے ہم کنار کرنے پر بھی خاطر خواہ توجہ دی۔ چینی وزارت خارجہ کے ترجمان ژاؤلی جیان نے کہا ہے کہ چین نے ثابت کر دیا کہ وہ کسی بھی عالمگیر وبا سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت و سکت رکھتا ہے۔ مرکزی حکومت نے معلومات کے بہاؤ پر سخت کنٹرول رکھا۔ ہر مخالف بیانیہ دبوچ لیا گیا، مسترد کر دیا گیا۔

کورونا کی روک تھام کے حوالے سے مغرب کا رویہ بھی نیم دلانہ رہا ہے۔ کوششیں بظاہر تیاری کے بغیر کی گئیں اور ناکام رہیں۔ اس کے نتیجے میں چین کا درجہ بلند ہوا۔ امریکا میں ٹیسٹنگ کٹس کا معاملہ خطرناک انداز سے ابھرا جس کے نتیجے میں عوام کا حکومت پر اعتماد مزید کم ہو گیا۔ اس صورتِ حال سے چین نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دنیا کو یقین دلایا گیا کہ امریکا نااہل ہے، سپر پاور ہونے کے باوجود اس وبا سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ٹرمپ انتظامیہ کی نااہلی اور بدحواسی کو چین کے سرکاری خبر رساں ادارے سنہوا نے نمایاں کر کے دنیا کے سامنے رکھا۔ واشنگٹن کی سیاسی اشرافیہ کو بالخصوص ہدف بنایا گیا۔ دنیا کو یقین دلایا گیا کہ کورونا چین سے نہیں پھیلا بلکہ چین میں بھی امریکی فوجیوں کے ایک دستے نے پھیلایا۔ امریکا کی پوزیشن خاصی کمزور ہو چکی تھی اور پھر رہی سہی کسر چین سے سرکردہ امریکی اخبارات کے نمائندوں کے اخراج نے پوری کر دی۔

چین کے صدر شی جن پنگ نے چند برس کے دوران عالمی سطح پر مختلف ضروری اشیا کی فراہمی کے حوالے سے چین کی پوزیشن مستحکم کرنے پر غیر معمولی توجہ دی ہے۔ انہوں نے چین کو عالمی امور میں قائدانہ کردار دلوانے کے حوالے سے بھی سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اس حوالے سے لائحۂ عمل تیار کیا جا رہا ہے۔ دنیا کی قیادت کرنے کے حوالے سے خارجہ پالیسی کے میکینزم کو کلیدی کردار ادا کرنے کی راہ ہموار کی جاتی رہی ہے۔ کورونا نے کام مزید آسان کر دیا۔ چین کو ابتدائی مرحلے میں بڑے پیمانے پر ماسک، ٹیسٹنگ کٹس، وینٹی لیٹر اور دواؤں کو فوری طور پر کئی ممالک سے خرید کر اپنے ہاں کورونا کی روک تھام کی۔ اب وہ یہی ساری چیزیں پوری دنیا کو فراہم کر رہا ہے۔

کورونا کے پھیلنے پر یورپ میں سب سے زیادہ متاثر اٹلی ہوا۔ اٹلی کا صحتِ عامہ کا نظام ایک ہی جھٹکے میں جواب دے گیا۔ اطالوی حکومت کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آسکا کہ ہو کیا رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ یوں مرنے لگے گویا درخت سے پتے جھڑ رہے ہوں۔ ان میں نمایاں تعداد معمر افراد کی تھی۔ جب وبا نے پر پھیلائے تو صحتِ عامہ کے میکینزم نے پلک جھپکتے میں دم توڑ دیا۔ اٹلی کی مدد کیلئے چین آگے بڑھا۔ اُس نے ایک لاکھ ریسپیریٹر، دو لاکھ ماسک، ایک ہزار وینٹی لیٹر، پچاس ہزار ٹیسٹنگ کٹس اور بیس ہزار سوٹ بھجوائے۔ ایران کیلئے بھی چین نے ڈھائی لاکھ ماسک کا اہتمام کیا اور ایک میڈیکل ٹیم بھی بھیجی۔ یورپ میں کورونا کے ہاتھوں ابھرنے والی صورتِ حال سے تنگ آکر سربیا کے صدر نے کہا کہ یورپی امداد پریوں کی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ ایسے میں کوئی مدد کر سکتا ہے تو صرف چین ہے۔ چین کی معروف کوریئر کمپنی علی بابا کے سربراہ جیک مانے امریکا کیلئے بھی ماسک اور ٹیسٹنگ کٹس بھجوانے کا اہتمام کیا۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ جیک مانے افریقا کے 54 ممالک میں سے ہر ایک کیلئے ایک لاکھ ماسک اور بیس ہزار ٹیسٹنگ کٹس بھجوانے کا اعلان کر دیا۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ کورونا سے لڑنے کیلئے دنیا کو سامان کے حوالے سے تو چین ہی پر انحصار کرنا پڑے گا۔ جب چین میں وبا پھیلی تب اُس نے دنیا بھر سے ماسک منگوا لیے تھے۔ اب چین میں ماسک، ٹیسٹنگ کٹ، ریسپیریٹر اور دوسری بہت سی اشیا بہت بڑے پیمانے پر تیار کی جارہی ہیں۔ اس وقت دنیا بھر میں جتنے ریسپیریٹر استعمال کیے جارہے ہیں اُن کا نصف چین سے آیا ہے۔ چین میں لگائی گئی غیر ملکی فیکٹریوں کو بھی پابند کیا جارہا ہے کہ کورونا سے نمٹنے کے حوالے بنائی جانے والی اشیا چینی حکومت کو فروخت کرے۔ میڈیکل سپلائیز کو چین نے خارجہ پالیسی پر عمل کرنے کے ایک موثر آلہ کار کے طور پر بروئے کار لانا سیکھ لیا ہے۔ ثانوی نوعیت کے انفیکشن کی دواؤں اور اینٹی بایو ٹکس کے حوالے سے بھی چین خاصی advantageous پوزیشن میں ہے۔

امریکا کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ شدید بحرانی کیفیت سے دوچار ہو چکا ہے۔ کورونا کی وبا پھیلنے پر امریکی قیادت نے جو ابتدائی ردِ عمل دیا وہ خاصا غیر موزوں اور نیم دلانہ تھا۔ امریکا کی اسٹریٹجک نیشنل اسٹاک پائل کا حال بہت برا ہے۔ ملک میں اس وقت جتنے ماسک درکار ہیں اُن کا صرف ایک فیصد دستیاب ہے۔ اس وقت امریکا میں ضرورت کے لحاظ سے صرف 10 فیصد وینٹی لیٹر اور ایک فیصد ماسک دستیاب ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا کسی طور دشوار نہیں کہ کسی بہت بڑی بحرانی کیفیت کا سامنا کرنے کیلئے سپر پاور کو جس قدر تیار رہنا چاہیے اُس کا عشر عشیر بھی ممکن نہ ہو سکا۔ کورونا سے بہ طریق احسن نمٹنے کیلئے امریکا کو جو کچھ درکار ہے وہ یا تو چین سے منگوانا پڑ رہا ہے کیونکہ اس وقت امریکا میں اینٹی بایو ٹکس کی مارکیٹ کا 95 فیصد چین کے ہاتھ میں ہے۔

2014ء میں امریکا نے افریقا سے پھیلنے والے ایبولا وائرس کی روک تھام کے حوالے سے بارہ ممالک کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ اس بار ایسا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ امریکا نے اتحادیوں کو بھی ایک طرف ہٹا دیا ہے۔ جب کورونا کے پھیلاؤ نے عالمگیر وبا کی شکل اختیار کی تب امریکی قیادت نے یورپ میں اپنے اتحادیوں کو بھی اعتماد میں لینا مناسب نہ سمجھا اور سفر پر پابندیاں عائد کرنے سے قبل چین کو مطلع کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ ایسا نہیں کہ چین نے اپنے ہاں کورونا پر بہت حد تک قابو پانے کے بعد سکون کا سانس لیکر دوسروں کو نظر انداز کر دیا۔ ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے درجنوں ممالک کے ہزاروں حکام کو اعتماد میں لیا گیا۔ کورونا میں مبتلا افراد کے علاج اور اس وبا کے پھیلاؤ کی روک تھام کے حوالے سے بہت سے مشوروں سے ان تمام ممالک کو نوازا گیا جو شدید بحرانی کیفیت سے دوچار ہیں۔ اس معاملے میں چین نے روایتی علاقائی سوچ اپنائی ہے۔ وسطی ایشیا، مشرقی یورپ اور بحرالکاہل کے جزائر پر مشتمل ریاستوں کو اور اُن کے علاوہ افریقا کو مشورے ہی نہیں سامان بھی دیا گیا۔ چین نے جو کچھ بھی کہا اُس کے بارے میں دنیا کو بتانا بھی ضروری سمجھا یعنی میڈیا کا بھرپور سہارا لیا گیا۔

چین نے ایک عالمگیر وبا سے نمٹنے کے حوالے سے غیر معمولی مہارت کا مظاہرہ کر کے باقی دنیا کو کسی حد تک مسحور کیا ہے۔ اُس نے ثابت کیا ہے کہ اُس کے پاس معلومات بھی کم نہیں اور مہارت کا بھی حساب نہیں۔ تمام اہم معاملات پر اُس کی توجہ ہے۔ اُس نے برتری ثابت کرتے ہوئے قائدانہ کردار ادا کرنے کو ہدف بنایا ہے۔ چین طاقتور ہے مگر اِس سے بڑھ کر یہ بات اہم ہے کہ اس وقت امریکا کمزور ہے۔ نااہلی نے اُس کی کمزوریوں کو مزید پھیلایا ہی نہیں بلکہ اجاگر بھی کیا ہے۔ امریکی پالیسیوں میں سب سے زیادہ اہمیت اندرونی معاملات کو دی جارہی ہے۔ باقی دنیا کا مفاد بہت حد تک نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر امریکی قیادت اپنی قائدانہ حیثیت کو بہت حد تک برقرار رکھنا چاہتی ہے تو لازم ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنے اندرونی معاملات کو درست کرے اور دوسری طرف کورونا سمیت کسی بھی وبا سے نمٹنے سے متعلق سپلائیز کی دستیابی یقینی بنائے۔ فی الحال ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ امریکا میں اندرونی خرابیاں بہت زیادہ ہیں۔ صحتِ عامہ کا معاملہ پہلے ہی بہت خراب تھا، اب رہی سہی کسر پوری ہو گئی ہے۔

کورونا کا پھیلاؤ روکنا اور علاج ممکن بنانا اوّلین ترجیح کا درجہ رکھتا ہے۔ سیاست بہت بعد کا معاملہ ہے۔ اس وقت جو کچھ بھی کیا جائے گا اُس کے غیر معمولی اثرات مرتب ہوں گے۔ امریکا میڈیکل سپلائیز بڑھانے میں ناکام ہو گیا ہے۔ کورونا سمیت بہت سی وباؤں کے حوالے سے امریکا تحقیق اور دواؤں کی تیاری کے میدان میں قائدانہ کردار ادا نہیں کر سکا۔ اس حوالے عالمگیر سطح پر رابطہ کاری کی بہت اہمیت ہے۔ کوئی بھی ملک سب کچھ اپنے طور پر نہیں کر سکتا۔ امریکا کو بھی یہ بات سمجھنی ہے کہ چین اور دیگر طاقتور ممالک کے اشتراکِ عمل ہی سے دنیا کو محفوظ رکھنے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔ سفر اور معلومات کے تبادلے کے حوالے سے مکمل ہم آہنگی کا پایا جانا لازم ہے۔ امریکا نے عشروں تک قائدانہ کردار ادا کیا مگر اب تحقیق کے حوالے سے اب قائدانہ کردار ادا کرنے سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑ گیا ہے۔

کورونا کے حوالے سے کس نے کیا کیا، بعد کی بحث ہے۔ امریکا اور چین کو اب مل کر کچھ کرنا چاہئے تاکہ دنیا میں کوئی بھی ایسی وبا نہ پھیلے جو معیشت اور معاشرت دونوں کا تیا پانچا کر دے۔ اُنہیں آپس کے معاملات مزید الجھانے کی بجائے سلجھانے پر متوجہ ہونا پڑے گا۔ دونوں کو پوری دنیا کے فائدے کیلئے کام کرنا ہے۔ الزام تراشی سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ سوال ویکسین کی تیاری کا ہے۔ معیشتوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ انہیں اپنے پیروں پر دوبارہ کھڑے ہونے کیلئے مالیاتی پیکیج درکار ہوں گے۔ اِسی صورت کمزور ممالک کا بھی بھلا ہو سکتا ہے۔ کورونا ویک اپ کال ہے، خطرے کی گھنٹی ہے۔ ماحول کا تحفظ یقینی بنانے کے حوالے سے بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر امریکا تھوڑا سا جھک جائے اور چین کے ساتھ مل کر چلے تو اِس سے اُس کی شان گھٹے گی نہ اسے چین کیلئے کسی رعایت سے تعبیر کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے امریکی قیادت کے اعتماد کا گراف بھی بلند ہو گا لیکن مودی کو استعمال کر کے چین کو نقصان پہنچانے کی ٹرمپ پالیسی خود بھارت اور امریکا کو برباد کر دے گی۔

بروز جمعرات 22 محرم الحرام 1442ھ 10 ستمبر 2020ء

کورونا میں کرنے کے کام

کورونا کا عالمی بحران ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ کورونا وائرس کی کا پھیلاؤ کسی بھی اعتبار سے کوئی ایسی حقیقت ثابت نہیں ہوا جسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس نے ایک اور معاملے کو خاصا بے نقاب کر دیا ہے اور وہ ہے انتہائی لبرل گھرانوں میں بھی جنس یا صنف کی بنیاد پر محنت کی تقسیم۔ ہو سکتا ہے کہ کے ختم ہو جانے پر بھی اس معاملے کی گرد نہ بیٹھے۔ امریکا اور یورپ میں وائٹ کالر جاب کرنے والوں کی غالب اکثریت کو بیروزگاری کے علاوہ صحتِ عامہ کے بحران سے بھی بچا لیا گیا ہے۔ انہیں ویسی غیر یقینی صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا جیسی کم اجرت پر کام کرنے والوں کو درپیش ہے۔ بہت سوں کو یہ سہولت میسر رہی کہ گھر بیٹھے کام کریں۔ وائٹ کالر جاب کرنے والوں نے کورونا کی کے شدید لمحات میں گھر سے کام کر کے خوب کمایا ہے اور بیروزگاری کے عذاب کو ٹالنے میں خاطر خواہ حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ آن لائن کام کرنے والوں کو دیکھ کر وہ لوگ مزید الجھ گئے جو لاک ڈاؤن کے باعث اپنی کم اجرت والی روایتی قسم کی نوکریوں پر نہیں جا سکتے تھے۔

بہت سے گھرانوں میں چولہا جلتا رکھنے کیلئے خواتین کا کام کرنا بھی لازم ہے۔ انہیں دگنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک طرف وہ ملازمت کرتی ہیں اور دوسری طرف کام پر سے تھکی ہاری گھر آنے پر بچوں کی دیکھ بھال میں بھی مصروف رہتی ہیں۔ لاک ڈاؤن کے دوران خواتین کی کارکردگی کمزور رہی اور اس کے نتیجے میں ان کی پیداواری صلاحیت شدید متاثر ہوئی۔ معروف جریدے "نیچر" نے ایک سروے کے نتائج کی روشنی میں بتایا ہے کہ لاک ڈاؤن کے دوران مرد اسکالرز کی کارکردگی پر کچھ خاص فرق نہیں پڑا جبکہ خواتین اسکالرز کی کارکردگی شدید متاثر ہوئی اور ان کے مقالوں کی تعداد نمایاں طور پر گھٹ گئی۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف وہی خواتین پروفیشنلز کارکردگی کے معاملے میں گراوٹ محسوس کرتی ہیں جنہیں کام سے واپسی پر گھر کے معاملات دیکھنے ہوتے ہیں اور بالخصوص بچوں کی دیکھ بھال پر متوجہ ہو کر آرام و سکون برباد کرنا پڑتا ہے۔ جن خواتین پر بچوں کی ذمہ داری نہیں ہوتی وہ بھی کام اور اس کے نتائج میں گراوٹ ہی محسوس کرتی ہیں۔

کورونا کے پھیلاؤ اور اس کے تدارک کیلئے نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن کے دوران ان امریکی والدین کیلئے پریشانی کچھ کم رہی جن کے بچے بڑے ہو چکے ہیں۔ انہیں کام کے ساتھ ساتھ بچوں کی دیکھ بھال کا فریضہ بھی انجام نہیں دینا تھا۔ لاک ڈاؤن کے دوران امریکا بھر میں والدین کو بہت سی دوسری یومیہ پریشانیوں سے بھی نجات ملی۔ انہیں بچوں کو اسکول پہنچانے اور واپس لانے کے دردِ سر سے چھٹکارا ملا۔ ساتھ ہی ساتھ بچوں کو روزانہ کھیلوں کی مشق کیلئے لے جانے کا جھنجھٹ بھی ختم ہوا۔ یورپ اور ایشیا کے برعکس امریکا میں لڑکوں اور لڑکیوں کو کھیلوں کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کیلئے ٹرانسپورٹ کی سہولت آسانی سے نہیں ملتی۔ ایسے میں والدین کو آگے بڑھ کر یہ ذمہ داری نبھانی پڑتی ہے۔ کبھی کبھی یہ ذمہ داری خواتین کو قبول کرنا پڑتی ہے۔ بچوں کو کہیں چھوڑنا اور وہاں سے واپس لانا ملازمت پیشہ خواتین کیلئے غیر معمولی نوعیت کی ذمہ داری ہے، جو اُن کی صلاحیتوں اور پیشہ ورانہ کارکردگی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ بیشتر ملازمت پیشہ خواتین ایسی ملازمت تلاش کرتی ہیں جنہیں وہ اپنے بچوں کی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ نبھا سکیں۔

مضبوط مالی حیثیت کے حامل جن والدین نے اپنے بچوں کیلئے کسی بڑی جامعہ میں داخلے کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا، انہیں کورونا کی روک تھام کیلئے نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن کے دوران آن لائن سرگرمیوں کے حوالے سے خاصا مصروف رہنا پڑا۔ لاک ڈاؤن کے دوران تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں چونکہ آن لائن رہیں اس لیے بچوں کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی اس حوالے سے مصروفیت کا سامنا کرنا پڑا۔ بیشتر والدین بچوں کی تعلیمی سرگرمیوں کو عمدگی سے جاری رکھنے میں مدد دینے کیلئے ہمہ وقت تیار اور مصروف دکھائی دیے۔ اس صورتِ حال کا ایک نتیجہ تو یہ بھی برآمد ہوا کہ والدین کیلئے گھر پر رہنا لازم ہو گیا۔ اسکولوں کی بندش کے باعث بچے چونکہ گھر پر تھے اور انہیں پڑھنے کیلئے والدین کی مدد بھی درکار تھی اس لیے والدین کیلئے بھی گھر سے باہر کی سرگرمیاں محدود کرنا لازم ہو گیا۔

یہ گویا والدین کیلئے گھر کو زیادہ وقت دینے کا اچھا بہانہ ثابت ہوا۔

جب صحتِ عامہ کا بحران موجود ہو تو والدین پر بچوں کی مدد کیلئے کسی بھی مشقت کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ انٹرنیٹ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اور مثبت طور پر مصروف ہونے کے اور بھی بہت سے جسمانی اور روحانی آپشن موجود ہوتے ہیں۔ اب امریکا میں کورونا کی کمزور پڑتی جارہی ہے۔ ایسے میں ملازمت پیشہ ماؤں پر دباؤ کم ہوتا جارہا ہے۔ وہ کام پر جانے اور بچوں کو اسکول یا کسی اور جگہ لے جانے اور لانے کے معمول کی طرف بھی لوٹ رہی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے مزاج میں نرمی، شائستگی اور سکون واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ کورونا سے ایک کام اور بھی ہوا۔ اسکول جانے والے بچوں کو پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرنے پر مائل کرنے کی تحریک اب کمزور پڑتی جارہی ہے۔ اب تو والدین بھی پبلک ٹرانسپورٹ کا استعمال کم کرنے پر متوجہ ہیں۔ ایسے میں یہ کہاں سوچا جاسکتا ہے کہ وہ بچوں کو ایسا کرنے کی تحریک دیں گے۔ جب تک کورونا پر مکمل قابو نہیں پالیا جاتا تب تک پبلک ٹرانسپورٹ پر انحصار کم سے کم ہی رہے گا۔

کورونا کے دوران والدین نے بچوں کو مثبت، تعمیری اور صحت مند سرگرمیوں میں مصروف رکھنے پر زیادہ توجہ دی ہے۔ یہ رجحان بیشتر خطوں میں دکھائی دیا ہے۔ کم و بیش چار ماہ تک گھروں تک محدود رہنے کی صورت میں یہ بھی ہوا کہ والدین نے بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی توجہ دی۔ اب والدین چاہتے ہیں کہ بچے زیادہ سے زیادہ سیکھیں۔ کورونا کی روک تھام کے نام پر نافذ کیے جانے والے لاک ڈاؤن نے والدین کو سکون کا سانس لینے کا موقع بھی تو فراہم کیا ہے۔ ان کی اپنی سرگرمیاں بھی گھٹی ہیں اور بچوں کی نقل و حرکت بھی گھٹی ہے۔ عمومی توقع یہ ہے کہ یہ رجحان کورونا کے مکمل خاتمے کے بعد بھی جاری رہے گا۔ امریکا اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں پبلک ٹرانسپورٹ پر زیادہ فنڈنگ کی تحریک چلانے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ معاشرتی تقسیم گھٹے گی اور مختلف طبقوں کے لوگ زیادہ آسانی سے مل کر مختلف تعمیری سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں گے۔

بروز جمعۃ المبارک 19 ربیع الآخر 1442ھ 4 دسمبر 2020ء

انسانیت اور دنیا میں بہت فرق ہے

عظیم امریکی دانشور نوم چومسکی ایک دلچسپ مکالمے میں کہتے ہیں: ''ہر وہ شخص جو کورونا کی وبا سے پہلے والی فطری صورت حال واپس آنے کا خواب دیکھتا ہے، وہ غلطی پر ہے کیونکہ وہ صورت حال کسی بھی طرح فطری نہیں تھی''۔ اس وبائی بیماری نے اس "فطری" صورت حال کا پول کھول کر رکھ دیا ہے، جس کے بارے میں کچھ لوگ خواب دیکھ رہے ہیں کہ جیسے ہی کامیاب ویکسین اپنے جسم میں داخل کر لیں گے، ہم زندگی کی طرف واپس لوٹ جائیں گے ۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے جیسا کہ کچھ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس وبائی بیماری کے خاتمے کے ساتھ ہی ہم یکایک ایسی دنیا میں چلے جائیں گے جس کا کورونا سے پہلے والی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ بحران کی خطرناکی ہم سب کو ان تمام اصولوں پر از سر نو بالکل جڑ سے جائزہ لینے پر مجبور کرے گی جن پر موجودہ دنیا کو بنایا گیا ہے، اور یہ چیز دیر یا سویر، ہمارے طرزِ زندگی اور طرز فکر میں بنیادی تبدیلی ضرور لائے گی، اس کی ابتدا ہو چکی ہے اگرچہ بہتوں کو اس کا ادراک نہیں ہو پا رہا ہے۔ یہ وبائی بیماری اس زلزلے کے مانند ہے، جو انجینئروں کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ قدیم منہدم عمارتوں کے نقائص کو سمجھنے کے بعد ایسی عمارتیں تخلیق کریں جو مستقبل میں زلزلوں کے سامنے ٹھہر سکیں۔ بالکل اسی طرح اب ہم بحیثیت افراد، اقوام اور ملکوں کے دوبارہ سوچنے پر مجبور ہوں گے، تاکہ ہم نے جو فکری اور مادی نظام اور پالیسیاں تعمیر کر رکھی ہیں ان کے تمام کمزور پہلوؤں کی نشان دہی ہو، اور اس ہولناک تجربے نے ہمیں جو سکھایا ہے اسے بہتر تعمیر میں کام لائیں۔

کورونا کے زلزلے نے جس سسٹم کو سب سے زیادہ ہلا کر رکھ دیا ہے، وہ نظامِ صحت ہے۔ اس وبائی بیماری کا مقابلہ کرنے میں غریب ممالک کے نظام صحت کا ناکام ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، لیکن امریکا، برطانیہ اور اٹلی جیسے بڑے مغربی ممالک کی ایسی سانحاتی تصویر سامنے آنا جس میں یہ ممالک چینی فوجی طیاروں سے طبّی امداد منتقل کرتے نظر آتے ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ان تمام ملکوں کو اپنے صحت کے سسٹم کو نئے سرے سے قائم کرنے کیلئے تلخ سے بھی زیادہ سخت جائزوں کی ضرورت ہے۔ درحقیقت مجھے امریکی نظامِ صحت کے زمیں بوس ہو جانے پر تعجب نہیں ہوا، جس کی اصلاح کی بار اک اوباما نے کوشش کی تھی، لیکن پھر ٹرمپ نے آکر اس آدمی کی تمام اصلاحات پر پانی پھیر دیا۔ مجھے برطانوی نظام کے گھٹنے ٹیکنے پر بھی حیرت نہیں ہوئی جو آج اخلاقی اصولوں سے عاری لبرل ازم کی قیمت نہ صرف خود بلکہ یہاں کے بے گناہ مریضوں سے بھی ادا کروا رہا ہے۔

یاد پڑتا ہے کہ 80 کی دہائی کے آغاز میں تیونس کے شہر سوسہ میں فیکلٹی آف میڈیسن میں طب وقائی کے پروفیسر کا لیکچر سننے کا موقع ملا جنہوں نے پانچویں سال کے طلبا کے سامنے دنیا میں رائج صحت کے نظاموں اور ان کا تقابلی جائزہ پیش کرنا تھا، جس میں نمونے کی حیثیت سے سوویت یونین بطور کمیونسٹ ملک، امریکا بطور سرمایہ دار ملک تھے، سویڈن اور برطانیہ بطور ان ممالک کے تھے جنہوں نے سوشلزم اور کیپٹلزم کے بہتر افکار کو اخذ کیا۔ صحت عامہ پر خرچ اور نتائج کے حوالے سے صحت کا بدترین نظام امریکی نظام کو قرار دیا کہ اس کی لاگت بہت زیادہ ہے اور بیماری سے لڑنے اور شرح اموات میں کمی لانے کے لحاظ سے اس کا حاصل بہت کم، خواہ اس کا تعلق نوزائیدہ بچوں سے ہو یا بوڑھوں سے۔ یہ سب اس لیے کہ امریکا کا نظامِ صحت مریضوں کے مفاد کی خاطر نہیں بنایا گیا بلکہ ایک انتہا پسند لبرل ازم کے مفاد کی خاطر بنایا گیا ہے جس کے نزدیک صحت خرید و فروخت کے ہر سامان کی طرح ایک سامان ہے اور اسپتالوں یا انشورنس کمپنیوں کی کسی بھی چیز سے زیادہ فکر صرف نفع کا حصول ہے۔

دستیاب سائنسی اعداد و شمار کی بنیاد پر یہ بتایا کہ صحت کا سب سے بہترین نظام برطانوی نظام ہے کیوں کہ وہ انصاف، منصوبہ بندی اور مریضوں کی آزادی پر مشتمل ہے اور اس لیے بھی کہ ریاستی ٹیکس کے ذریعے اس کی مالی اعانت ہوتی ہے۔ یہ مارگریٹ تھیچر کے اقتدار میں آنے سے پہلے کی بات ہے، جب 80 کی دہائی کے آخر میں اس نے آکر برطانوی صحت کے نظام کی چیر پھاڑ نہیں کی تھی۔ اس کے یہاں "کی ورڈ" نج کاری تھا، اور اس کا ماننا تھا کہ اسپتال ایک اقتصادی ادارہ ہے جو مریضوں پر اس نفع میں سے ہی خرچ کرے گا جو اسے خود مریضوں سے حاصل ہوگا۔

یہ تو طے ہے کہ لبرل ازم جواب تک دنیا کے سرکردہ معاشی ماہرین جیسے تھامس پیکیٹی کی بمباری کے نیچے رہا، اس بحران سے اور زیادہ لاغر ہو کر نکلے گا، صرف اس نظامِ صحت کی کارکردگی کی وجہ سے نہیں جس کا وہ ذمہ دار ہے، بلکہ اس عالمی اقتصادی مشین کے اتنی جلدی بیٹھ جانے کی وجہ سے، جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، خاص طور سے 80 کی دہائی کے آخر میں صدر ریگن اور برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر کے درمیان معاہدوں کے بعد۔ جیسے ہی وبائی بیماری ہم پر حملہ آور ہوئی، پیداوار دھڑام سے نیچے آگری، کیونکہ دنیا کے کونے کونے میں قائم فیکٹریوں کے درمیان مواصلاتی نظام ٹھپ پڑ گیا، جنہیں سستے مزدوروں کے پیشِ نظر یہاں وہاں بانٹ دیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اچانک بے روزگاری کی سونامی نے ہلہ بول دیا اور اس کے بعد زیادہ کمزور ملکوں میں بھوک و افلاس کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ یہ سخت حالات لبرلزم کے پرستاروں کا انتظار کر رہے ہیں۔

اقوام اور اشرافیہ نے فطرت کو تباہ و برباد کرتے ہوئے اپنے عیبوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر کر لیا تھا کیونکہ انہوں نے یہ مان لیا تھا کہ بہت سے مواقع کی طرح یہ بھی دولت بڑھانے کا میدان ہے لیکن وہ اپنی ذمہ داری سے معاف نہیں کیے جائیں گے، موجودہ اقتصادی بحران میں اور کورونا کے خاتمے کے بعد اس بحران کے نتیجے میں جو اور بحران آئیں گے، ان پر عالمی کمپنیوں کے دباؤ کے باوجود اقوام عالم اور بہت سے ممالک خاموش نہیں رہیں گے۔ اس وبائی بیماری نے اس تصور کی مضحکہ خیزی اس طرح نمایاں کر دی ہے کہ اس پر کسی کارٹون کا گمان ہوتا ہے۔ یہ وائرس ہمیں یہ دل پذیر سبق دیتا ہے کہ انسانیت اور دنیا میں بہت فرق ہے۔ بھلا آج آزاد قومی فیصلے جیسے تصور کا کیا مطلب رہ جاتا ہے، جب کہ تم ایسی دنیا میں رہ رہے ہو جو باہم مربوط اور گتھم گتھا ہے۔ جس میں ہر وطن ایک مشترک نسیج کے خلیے کی طرح ہے، اس کی زندگی سے ہر خلیے کی زندگی ہے، اس کی بیماری اسے بیمار کرتی ہے اور اس کی موت اس کی موت بن جاتی ہے۔

آج ایسی دنیاوی سرحدوں کا کیا مطلب رہ گیا جس میں چمگادڑوں کا گوشت کھانے کی چینیوں کی حرص کے نتیجے میں ہزاروں اطالوی، ہسپانوی اور فرانسیسی موت کا شکار ہوتے ہیں، لبنانی بھوک کی خاطر مظاہرہ کرتے ہیں، تیونس میں سوجی اور آٹے سے لدے ہوئے ٹرکوں پر ڈاکہ زنی کے واقعات بڑھ جاتے ہیں، برطانوی وزیر اعظم آئی سی یو میں ایڈمٹ ہوتے ہیں اور دنیا کی نمبر ون فوجی قوت کا سربراہ تمام لوگوں کیلئے مذاق بن جاتا ہے جب وہ اس بیماری کے علاج کیلئے عبقری تجاویز پیش کرتا ہے۔

جمہوریت کے بارے میں کیا کہیں؟ وبائی مرض سے پہلے ہی یہ تکلیف کی حالت سے دوچار تھی، اوپر پاپولزم کی ہتھوڑی اور نیچے کرپشن کا سندان۔ اس صورت حال نے صحافت، پارٹیاں اور انتخابات جیسے اس کے تمام ستونوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ اب اس وبائی بیماری کے بعد وہ اتنی لاغر ہو چکی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ نئے اور پرانے ڈکٹیٹر موقع سے فائدہ اٹھانے میں لگے ہیں، اور مغربی جمہوریت کی ناقص کارکردگی کا چینی نظام کی کارکردگی کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے، اسے مستقبل کے بہترین سیاسی نظام کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

اس وقت انہیں یہ یاد دلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جنوبی کوریا نے وبا سے مقابلہ میں سب سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ان کی نگاہیں چین اور اس کے نظام پر ٹکی رہیں گی، جس میں شاید عرب اپنے سب سے قدیم، سب سے گہرے اور سب سے خطرناک واہمی یعنی "آمرانہ عادلانہ نظام" کی کامیابی دیکھ رہے ہیں۔اب انسانی حقوق کو لیں۔اس وقت انفرادی اور اجتماعی آزادیوں کو بڑھتے ہوئے خطرے سے پیدا ہونے والا بڑا اشکال یہاں پایا جاتا ہے کیونکہ ٹیکنالوجی نے نگرانی اور تعاقب کی سہولتیں بہت بڑھادی ہیں اور اس وبائی مرض نے اب تک کے سب سے بڑے پیمانے پر اس کا تجربہ کرنے کا سنہری موقع فراہم کیا ہے۔اس وبا نے ہمارے سامنے حقوق کے علم برداروں کی حیثیت سے ایسے چیلنج کھڑے کردیے ہیں جو اس سے پہلے کبھی درپیش نہیں آئے تھے۔

آج ہم جانتے ہیں کہ کورونا وائرس سے ہلاک ہونے والوں میں زیادہ تر کہنہ بیماریوں میں مبتلا عمر رسیدہ افراد ہیں۔کیا ہم نسبتاً اس چھوٹے طبقے کی زندگیوں کی چند سال مزید حفاظت کی خاطر جو اپنی طبعی عمر پوری کرنے والے ہی ہیں، معاشی پہیے کو روک کر اور لاک ڈاؤن کی قید عائد کرکے کروڑہا کروڑ لوگوں کے کھانے پینے اور کام کرنے کے حق کو داؤ پر لگادیں؟ یہ سوال حقوق کو درپیش ایک بڑے چیلنج کی ترجمانی کرتا ہے۔

حقوق انسانی کے عَلَم بردار کی حیثیت سے ہمارا ردِّ عمل ان بڑے مال داروں کے سلسلہ میں کیا ہونا چاہیے جن کے بیچ بحر اوقیانوس یا بحر الکاہل میں چھوٹے چھوٹے جزیرے خریدنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔جہاں وہ اپنے خاندان اور محافظوں کے ساتھ محفوظ رہیں، جب تک کہ اس وبا کا خاتمہ نہ ہوجائے۔انہیں اس بات کی پروا بالکل نہیں ہے کہ انسانوں کا بڑا حصہ یا تمام انسان موت کا نوالہ بن جائیں گے۔کیا ملکیت کا حق جیسا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے سترہویں باب میں درج ہے، غیر مشروط اور لامحدود ہے؟ کسی بھی حوالے سے اس کو چھیڑا نہیں جاسکتا ہے؟ کیا اس کی حیثیت بھی اس اعلامیہ کے پانچویں باب جیسی ہے جس میں جسمانی تشدد اور بے حرمتی کی سخت ممانعت ہے؟ یا یہ اضافی حق ہے جس کی متعین حدیں ہیں؟

کیا ریاست کا یہ فرض نہیں ہے کہ ایسے حالات میں حد سے زیادہ دولت پر قابض اشخاص کے اس حق کو معطل کردیا جائے، اس دولت کی حد تک جو انہوں نے ذخیرہ کررکھی ہے اور ان کی ضروریات سے بہت زائد ہے۔تاکہ اس کے ذریعہ کروڑوں بھوکے افراد کو بھکمری سے بچایا جائے۔اس لیے کہ ان کا تعلق بھی انسانی قبیلے سے ہے اور انہیں اس صورت میں بھی جینے کا حق ہے اگر وبا کی مدت دراز ہو؟ وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ خود اس عالمی اعلامیہ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، صرف اس باب کی حد تک نہیں بلکہ دوسرے ابواب کی سطح پر بھی، تنقیح اور اضافے کے پہلو سے از سر نو جائزے کی ضرورت ہے۔ معاملہ یہ نہیں ہے کہ ہم ان تمام نظریات کا انکار کردیں جن کی ہم اب تک پرستش کرتے رہے، یا ہم ان سرابوں کے پیچھے اب تک دوڑتے رہنے پر جن کی ہماری اقوام نے بھاری قیمت ادا کی ہے سینہ کوبی کریں۔

صحیح بات یہ ہے کہ ہم ہمیشہ عصر حاضر کے حقائق، اس کے تصورات، اس کی زبان اور اس کی صورتوں کو بنیاد بنا کر غور وفکر کرتے ہیں اور معاشرے کی

ترقی اور مشکلات کے ہر مرحلے میں ہم میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ حل پانے کی کوشش کی ہے۔ان میں سے کچھ حل کامیاب ہو گئے،اور انہوں نے ہی کسی بھی درجے میں معاشرے کو ارتقا کی راہ دکھائی،اور کچھ حل ایسے ہیں جن کی حدیں سامنے آگئیں اور انہیں بہتر بنانے کی ضرورت کا ادراک ہوا،اور کچھ حل ایسے ہیں جنہیں تجربات نے غلط یا ازکار رفتہ ثابت کر دیا ہے،اور ان کے متبادل کی تلاش لازم ہو گئی ہے۔

بس آج ہمیں یہی کرنے کی ضرورت ہے۔اس وبائی مرض نے ان تمام پرانی دراڑوں کو عیاں کر دیا ہے جو ہمارے معاشروں میں جہاں تہاں مقدس ترین فکری مقدسات میں پائی جاتی تھیں۔وہ وطنیت ہو،(یا قومیت ہو جو وطنیت کی وسیع تر شکل ہے)ترقی پسندی ہو،جمہوریت ہو،لبرلزم ہو،انسانی حقوق ہوں یا سیاسی اسلام ہو۔اس طرح کا جائزہ مہنگا اور کرب انگیز ہو گا،کیونکہ اس کی مزاحمت ان معبدوں کے پہرے داروں کی طرف سے ضرور ہو گی،جن کے عین قلب میں کورونا کی مار پڑی ہے۔

میں نے اپنے عہدِ جوانی میں ایک تنقیدی آرٹیکل لکھا تھا۔لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا لہجہ بہت سخت ہے،اس کا عنوان تھا"دماغ کے قید خانے میں"۔اس میں ایسے لوگوں کی ذہنیت کا بیان ہے،جن کے بارے میں گلیلیو نے کہا ہے "یہ لوگ ارسطو کی کتاب میں پڑھی ہوئی غلطیوں کو جھٹلانا گوارا نہیں کرتے، چاہے ان حقائق کو جھٹلانا پڑ جائے جنہیں وہ اپنی سر کی آنکھوں سے آسمان میں دیکھتے ہیں"۔بعد ازیں میں نے عقیدے رکھنے والوں کے موقف کو اپنے تجربات سے سمجھا،یا سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ وہ درحقیقت ایک ناگزیر فرض انجام دیتے ہیں۔

دراصل معاشروں کو سب سے زیادہ خوف خلفشار سے ہوتا ہے۔اس کی سب سے اہم طلب استحکام واستقرار ہوتی ہے اور اسی لیے اسے روایت پسندوں کے بریک کی ضرورت رہتی ہے لیکن جو چیز معاشرے کو سب سے زیادہ کمزور کرتی ہے وہ جمود ہے،اور معاشرے کی اہم طلب ارتقا ہے۔لہٰذا اسے ہمیشہ اصلاح پسندوں اور انقلابیوں کی ضرورت رہتی ہے۔انجام کار نہ تو روایت پسندوں کو اصلاح پسندوں اور انقلابیوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے،اور نہ ہی اصلاح پسند حضرات روایت پسندوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں،جب کہ اجتماعی ذہن کو دونوں کی ضرورت ہے تاکہ ٹھہراؤ اور حرکت کے درمیان توازن برقرار رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنے میں وقت اور صلاحیت کو ضائع نہ کیا جائے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر پرانے افکار اور رواجوں کی حفاظت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔زمانہ خود ان کیلئے کافی ہے کیوں کہ ان میں بہترین لوگوں کا انجام یہ ہو گا کہ وہ بالآخر درمیانی حل تلاش کریں گے،اور ان میں بدترین لوگوں کا انجام یہ ہو گا کہ وہ ایسی عمارت کے اندر پڑے سڑتے رہیں گے جس کی دیواریں دن بدن کھوکھلی ہوتی جائیں گی،یہاں تک کہ انہی کی ہڈیوں کے ڈھانچوں پر گر پڑیں گی۔

اس کی مثال کیلئے ہم پچاس کی دہائی کی قوم پرستی کو لیتے ہیں۔یہ عربی قوم پرستی کی ایسے تصور کی حفاظت کرتی رہی جس کا زمانہ بیت گیا۔اس کے باوجود آج تک وہ ایسے آمروں کا دفاع کر رہی ہے جو اس مصیبت زدہ امت کے ساتھ بھیانک جرائم کا ارتکاب کرتے رہے۔ایسے جرائم جن کے ارتکاب کی جرأت نہ استعمار کر سکتا ہے اور نہ ہی صہیونیت۔اب بس یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس نازک ترین صورتحال میں اجتماعی عقل کا حرکیاتی حصہ اپنی ذمہ داری انجام دے۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے لیے سرعت کے ساتھ قدروں پر مبنی ایسے فکری نظام کی تشکیل کر لیں جسے قطب نما کی حیثیت حاصل ہو۔ساتھ ہی ایسے فعال سیاسی وسائل پیدا کریں،جو افکار اور قدروں کو ایکشن میں تبدیل کر دیں اور اس طرح افراد،اقوام اور انسانی نسل کو بچانے کا کام کریں۔ابھی تک نہ تو ایسا کوئی نظام پایا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے نقوش کی ابتدائی صورت ہی نظر آتی ہے۔آج کون کہہ سکتا ہے کہ لبرل ازم،قومیت،جمہوریت،سیاسی اسلام،ترقی

پسندی اور انسانی حقوق کے مابعد کیلئے اس کے پاس کوئی واضح تصور ہے؟ بس ایک ثابت شدہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں باکس کے باہر سوچنا ہوگا۔ اپنی جہالت کے ساتھ، مسائل کی خوفناک پیچیدگی کے ساتھ اور اجتماعی عقل کے روایت پسند حصے کے ساتھ سخت کشمکش کرتے ہوئے۔ راستہ ایک ہی ہے اور وہ ہے "فکری نفیر" کا اعلان، اور اس تصور کو نکھارنے کیلئے اپنی تمام توانائیوں کو اکٹھا کرنا ہوگا۔

دیکھیں سائنسی محققین نے اس بحران کا کیسے سامنا کیا ہے۔ چینیوں نے وائرس کے جینیاتی ترکیب سے متعلق اپنی دریافتوں کو چھپا کر نہیں رکھا بلکہ اسے دنیا بھر کے اہل تحقیق کے سامنے رکھنے میں جلدی کی اور یہی ان کے دوسرے ملکوں کے ساتھیوں نے کیا۔ اسی طرح آج ایک اور تجربہ اسی وقت جاری ہے، یہ ایک امریکی یونیورسٹی کی پہل ہے، جو دنیا کے زیادہ سے زیادہ کمپیوٹروں کو ایک نیٹ ورک میں جمع کرنے کی کوشش کر رہی ہے، تاکہ اسے ایسی زبردست کمپیوٹیشنل پاور حاصل ہو جائے، جو اس پروٹین تک جلد از جلد رسائی کی کوششوں میں مددگار ہو جو وائرس کو خلیوں کی سطح پر اترنے اور پھر داخل ہونے سے روک سکے۔ اس میں شامل ہونے کیلئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ خود بھی محقق ہوں یا پروٹین کے ماہر ہوں، آپ کو صرف اپنے فارغ وقت میں اپنا کمپیوٹر ادھار دینے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے امکانات کو باقی کمپیوٹروں کے امکانات میں شامل کیا جا سکے۔ جہاں تک سائنسی عمل کی بات ہے تو وہ سائنسی ماہرین کے کرنے کا کام ہے۔ یہ دو مثالیں ہیں جو نئے راستے کا پتا دیتی ہیں۔

ہمیں اپنے تجربات اور آگاہیوں کو ایک ساتھ ایک ہی ٹوکری میں ڈالنے کی ضرورت ہے، اپنی عقلوں کو آپس میں جوڑنا ہے۔ اس نئے فکری نظام کی تشکیل کی یہ دو بنیادی شرطیں ہیں جس کی ہمیں اشد ضرورت ہے، جس سے شاید ہم اپنی حفاظت کر سکیں۔ یا شاید ہم زبردست اجتماعی عالمی عقل میں، جسے ہم اپنی نگاہوں کے سامنے تشکیل پذیر ہوتے دیکھتے ہیں، اور اس میں ہماری کچھ حصہ داری نہیں ہوتی ہے اور یہ ابن خلدون کے زمانے سے ہے، پھر سے نئے افکار داخل کرنے لگیں۔

بروز سوموار 17 رجب المرجب 1442ھ یکم مارچ 2021ء

عالمی دفاعی اخراجات اور کرونا

عالمی دفاعی اخراجات 2020 میں 1/83 ٹریلین امریکی ڈالر تک پہنچ چکے ہیں، یعنی گزشتہ برس کے مقابلے میں 9ء3 فیصد زیادہ۔ جی ڈی پی کے تناسب سے دیکھا جائے تو 2019ء میں فوج کیلئے عالمی اخراجات میں 85ء1 فیصد کا اضافہ ہوا اور 2020ء میں 08ء2 فیصد کا اضافہ ہوا۔ بدنصیبی تو یہ ہے کہ کورونا وائرس کی وجہ سے شدید معاشی بحران اور پوری دنیا میں لاک ڈاؤن کے باوجود فوجی بجٹ میں اضافے کو برقرار رکھا گیا ہے۔ 2018ء سے عالمی دفاعی اخراجات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن شاید 2021ء میں اس میں کچھ کمی آسکتی ہے کیونکہ امریکی دفاعی بجٹ میں کٹوتی کی گئی ہے اور ایشیا بحرالکاہل خطے میں دفاعی اخراجات میں کمی متوقع ہے۔ 2020ء میں عالمی سطح پر دفاعی اخراجات میں اضافہ کا دو تہائی حصہ امریکا اور چین کے دفاعی بجٹ میں ہوا ہے۔ امریکی دفاعی بجٹ میں 2020ء میں 3ء6 فیصد اضافہ ہوا جبکہ چینی بجٹ میں یہ اضافہ 2ء5 فیصد ریکارڈ کیا گیا جبکہ چین کے دفاعی بجٹ میں 2019ء میں 9ء5 فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔ چین کے پڑوسی ممالک سمیت تھائی لینڈ، جنوبی کوریا اور انڈونیشیا نے 2020ء میں وبا کے دوران ہنگامی فنڈ کی فراہمی کیلئے اپنے دفاعی بجٹ میں کٹوتی کی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں گزشتہ دفاعی بجٹ کیلئے مختص رقم میں سے کٹوتی کی گئی۔ چین اور دیگر ممالک میں معاشی سست روی کے نتیجے میں ایشیا میں دفاعی اخراجات میں 2020ء کے دوران 3ء4 فیصد کمی ہوگئی، جو 2019ء کے مقابلے میں 6ء4 فیصد کمی ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ خطے میں بھارت نے 2019ء میں 71ء62 بلین ڈالر یعنی اپنے بجٹ کا 5ء15 فیصد دفاعی بجٹ پر خرچ کیا جبکہ اس کے مقابلے میں پاکستان نے دفاعی بجٹ میں کٹوتی کر کے 2019ء میں 10/3 بلین ڈالر یعنی جی ڈی پی کا 4 فیصد خرچ کیا۔ بھارت اپنے جنگی اخراجات کی بناء پر دنیا کا تیسرا بڑا ملک بن گیا ہے۔

ان تمام کٹوتیوں کے باوجود عالمی دفاعی اخراجات میں خطے کا حصہ 25 فیصد تک پہنچ چکا ہے، حالانکہ 2010ء میں یہ حصہ 8ء17 فیصد تھا اور 2015ء میں 2ء23 فیصد تھا۔ یورپ میں دفاعی اخراجات میں اضافے کے باوجود ایشیائی خطے کے اخراجات کے تناسب میں 2021ء کے دوران مزید اضافہ ہو گا کیونکہ 2021ء کیلئے منظور امریکی دفاعی بجٹ میں گزشتہ سال کے مقابلے میں کمی ہوئی جبکہ چین کی جانب سے دفاعی اخراجات میں کیا گیا اضافہ برقرار رہے گا۔ چینی معیشت عالمی معاشی بحران سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی ہے۔ طویل مدتی دورانیہ میں دیکھا جائے تو چین اور پڑوسی ممالک نے کورونا وبا سے زیادہ بہتر انداز میں نمٹا ہے اور ان کی معاشی صورتحال مسلسل بہتر ہوتی جارہی ہے، اس وجہ سے یہ خطہ دفاعی اخراجات میں مسلسل اضافے کا اہل نظر آتا ہے۔

تیل کی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقی ممالک کے دفاعی اخراجات میں مسلسل تیسرے برس بھی کمی ہوگئی ہے۔ 2020ء میں یہ اخراجات 150 ارب ڈالر کی سطح پر آگئے، جو عالمی دفاعی اخراجات کا 9ء8 فیصد بنتے ہیں جبکہ 2017ء میں یہ تناسب 5ء10 فیصد کی بلند ترین سطح پر تھا۔ اس کے باوجود خطے کے دفاعی اخراجات جی ڈی پی کا 2ء5 فیصد بنتے ہیں جبکہ عالمی سطح پر جی ڈی پی کا 08ء2 فیصد دفاع پر خرچ کیا جاتا ہے۔ تیل پر انحصار لیکن 2021ء کرنے والی دیگر معیشتیں بھی بحران کا شکار ہو چکی ہیں۔ روس نے 2020ء کے دوران اپنے قومی دفاعی بجٹ میں 8ء3 فیصد اضافہ کیا تھا میں محض 4ء1 فیصد اضافہ لاگو کرنے میں ہی کامیاب ہو سکا یعنی حقیقت میں مجموعی دفاعی بجٹ میں 6ء3 فیصد کمی ہوگئی۔ کل روسی فوجی اخراجات 2020ء میں جی ڈی پی کا 1ء4 فیصد تھے، جو 2020ء میں کم ہو کر جی ڈی پی کا 8ء3 فیصد ہو جائیں گے۔

عالمی دفاعی اخراجات میں یورپ کا حصہ 2020 میں قدرے کم ہو گیا، 2019 میں یورپ کا عالمی دفاعی اخراجات میں حصہ 17/8 فیصد تھا جو 2020 میں کم ہو کر 17/5 فیصد رہ گیا۔ تاہم گزشتہ چھ برسوں کے دوران جی ڈی پی کے تناسب میں یورپ کے نیٹو ممبران کے اوسط اخراجات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ تناسب جی ڈی پی کا 1/25 فیصد تھا، جو 2019 میں 1/52 فیصد ہوا اور اب 2020 میں بڑھ کر 1/64 فیصد تک جا پہنچا ہے۔ یہ اضافہ بھی نیٹو کے تجویز کردہ دفاعی اخراجات جی ڈی پی کا 2 فیصد ضروری ہونا سے کم ہے حالانکہ وبا کی وجہ سے یورپ کی معیشت 7 فیصد تک سکڑ چکی ہے۔

جب دفاعی سامان اور اسلحے پر خرچ کی بات آتی ہے تو نیٹو کے یورپی ارکان زیادہ سرمایہ کاری کا حصہ برقرار رکھتے ہیں۔ 2019ء میں نیٹو کے تجویز کردہ 20 طاقتوں فرانس، جرمنی، اٹلی، برطانیہ کی طرف فیصد کے مقابلے میں ان ممالک کا حصہ 23 فیصد تک تھا۔ مزید برآں یورپ کی بڑی فوجی سے 2021ء میں دفاعی اخراجات میں اضافہ برقرار رکھا گیا ہے اور 2007ء سے 2008ء کے معاشی بحران کے برعکس کسی قسم کی کٹوتیوں کا اشارہ نہیں دیا گیا ہے۔ برطانیہ نے نومبر 2020ء میں 2021ء سے 2025ء کے درمیان دفاعی اخراجات میں 1ء21/ارب ڈالر اضافے کا اعلان کیا ہے۔ ادھر فرانس اور جرمنی نے قومی دفاعی صنعتوں کی حمایت کیلئے 2021ء میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری اور موجودہ دفاعی اخراجات کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر اخراجات اور منصوبے اسی طرح جاری رہتے ہیں تو 2021ء میں یورپ دفاعی اخراجات میں سب سے زیادہ اضافہ کرنے والا خطہ بن کر ابھرے گا۔

یورپ کی جانب سے دفاعی اخراجات موجودہ سطح پر برقرار رکھنے کا انحصار کورونا کی معاشی لاگت اور وبا کے خاتمے کے بعد حکومت کے ناگزیر مالی اقدامات پر ہو گا۔ ریاستوں کو بحران کے خاتمے کے بعد ضروری مالی اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ بہر حال اس کا انحصار بھی موثر حکومتی کارکردگی اور کامیاب ویکسین پروگرام پر ہو گا۔ یورپ کے دفاعی اخراجات میں قلیل مدتی اضافہ ایشیا اور امریکی دفاعی اخراجات میں کمی کا متبادل نہیں بن سکے گا۔ اسی لیے 2021ء میں عالمی دفاعی بجٹ میں اضافے کا بہت کم امکان ہے۔ جیسے ہی کورونا کی وبا پر قابو پا لیا جائے گا اور حکومتیں 2020ء اور 2021ء میں جاری بڑے پیمانے پر معاشی امدادی پروگراموں پر نظر ثانی کریں گی تو 2022ء میں دفاعی بجٹ میں ایک بار پھر اضافہ ہونا شروع ہو جائے گا۔

بروز جمعرات 8 شوّال المعظم 1442ھ 20 مئی 2021ء

جمہوریت اور کورونا

آج دنیا بھر میں جمہوریت کو خطرے میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ آمریت کے ادوار آتے جاتے رہتے ہیں۔ آمریت اب شکل بدلنے لگی ہے۔ بعض جمہوری معاشروں میں ایک خاص طبقہ اتنا مضبوط ہو چکا ہے کہ تمام فیصلوں پر اثرانداز ہوتا ہے اور اقتدار و اختیار کے تمام مآخذ پر اثرانداز ہو کر اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ پروان چڑھاتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں معاملات مزید الجھتے ہیں اور عام آدمی کیلئے زندگی دشوار تر ہوتی جاتی ہے۔ جمہوری معاشروں میں حقیقی نمائندگی کا فقدان ہے۔ منتخب ایوانوں پر وہ لوگ متصرف ہیں جو عوام کے حقیقی نمائندے نہیں اور یوں اُن کے ہاتھوں میں تمام وسائل اُن کی مرضی کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ کوئی کتنی ہی کوشش کر دیکھے، معاملات درست ہونے کا نام نہیں لیتے۔ تمام ہی شعبوں پر ایک خاص طبقے کا واضح اثر و نفوذ دکھائی دیتا ہے۔

دی اکنامسٹ انٹیلی جنس یونٹ (ای آئی یو) نے حال ہی میں سالانہ ڈیموکریسی انڈیکس کے ذریعے بتایا ہے کہ امریکا میں جمہوریت انتہائی ناقص ہے اور اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلکہ مکمل جمہوریت اُس کے پڑوسی کینیڈا میں پائی جاتی ہے۔ ای آئی یو کی بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ ای آئی یو نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے وہ آج کی دردناک حقیقت ہے۔ آج دنیا بھر میں جمہوریت انتہائی مخدوش حالت میں ہے اور امریکا جیسے جمہوریت کے علم بردار ملک میں بھی جمہوری اقدار کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ حال ہی میں ختم ہونے والے ٹرمپ کے عہدِ صدارت کے ترکے کو ذہن نشین رکھ کر سوچا جائے تو مایوسی ہوتی ہے کہ امریکا جیسا جمہوریت کا علم بردار ملک ہی جمہوری اقدار کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ امریکی ایوانِ صدر میں ٹرمپ نے جو چار سالہ اسٹنٹ کیا اُس نے پوری دنیا میں جمہوریت کے حوالے سے شدید نوعیت کی قنوطیت کو بڑھاوا دیا ہے۔

جمہوریت کے نقطۂ نظر سے 2020ء خاصا مایوس کن سال تھا۔ دنیا بھر میں حکومتوں نے پارلیمان کے چیک اینڈ بیلنس کو محدود کیا، بہت سے ممالک میں انتخابات کو ملتوی یا منسوخ کر دیا گیا، عوام کے احتجاج کا دائرہ محدود کر دیا گیا، رائے کے اظہار کی آزادی پر بھی قدغن لگائی گئی اور تعلیم و صحتِ عامہ سمیت بہت سے معاملات میں شدید نوعیت کی بدعنوانی کو راہ ملی۔

تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا بھر میں جمہوریت کو شدید ترین مشکلات کا سامنا ہے۔ ہانگ کانگ میں مغربی جمہوریت کی راہ رکی ہوئی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں بھی ایسی ہی صورتِ حال ہے۔ عرب دنیا میں اور بالخصوص خلیج فارس کے خطے میں معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں۔ آمریت کو برقرار رکھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے۔ بادشاہتوں کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے پر اس قدر زور دیا جارہا ہے کہ عوام میں غصہ اور مایوسی دونوں ہی کا گراف بلند ہو رہا ہے۔ جمہوریت کیلئے آواز اٹھانے والوں کے خلاف سخت گیر رویہ عام ہوتا جارہا ہے۔ مصر میں عشروں کے بعد بحال ہونے والی جمہوریت کو محض ایک سال بھی برداشت نہیں کیا گیا اور فوج نے دوبارہ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شمالی افریقا کے علاوہ لاطینی امریکا کی صورتِ حال بھی مایوس کن ہے۔ وسطِ ایشیا میں بھی جمہوریت کے پنپنے کے امکانات مخدوش ہیں۔ ای آئی یو نے جمہوریت کے حوالے سے جو عالمی تصویر پیش کی ہے وہ واقعی محض پریشان کن نہیں، مایوس کن بھی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج دنیا بھر میں پارلیمانی جمہوریت کو نیچا دکھانے کی کوششیں زور پکڑ رہی ہیں؟ پارلیمنٹ کے ذریعے جوابدہی کی روایت کو کمزور کرنے کیلئے آمرانہ ذہنیت کے لوگ میدان میں آگئے ہیں۔ ہر طرح کی بدعنوانی کو زیادہ سے زیادہ پروان چڑھانے کی سر توڑ کوشش کی جارہی ہے۔ جمہوریت کیلئے جدوجہد کرنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جارہی ہے۔ کوشش کی جارہی ہے کہ

حقیقی نمائندگی کا علم بلند کرنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور وہ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جمہوریت کی خاطر میدان میں آنے سے گریز کریں۔

ای آئی یو نے کئی سال سے اپنے سروے اور رپورٹس میں بتایا ہے کہ دنیا بھر میں جمہوری اقدار اور جمہوریت پسندی کے کلچر کو زیادہ سے زیادہ کمزور کرنے اور نیچا دکھانے کی بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں۔ عوام کے ذہنوں میں میڈیا کے ذریعے یہ نکتہ ٹھونسا جارہا ہے کہ جمہوریت کوئی ایسا عمل نہیں جس سے بہتر زندگی کی راہ نکلتی ہو۔ عوام کے منتخب نمائندوں میں بھی بدعنوانی تو پائی جاتی ہے مگر اس بدعنوانی کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ عام آدمی کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ عوام کی آرا سے منتخب ہونے والے تو ہوتے ہی بدعنوان ہیں اور یہ کہ اُن سے ملک و قوم کی بھلائی کی توقع رکھنا فضول ہے۔ رہی سہی کسر کورونا وبا نے پوری کر دی۔ دنیا بھر میں حکومتوں نے سخت گیر رویہ اپناتے ہوئے جمہوری اقدار کو مزید پامال کرنے پر توجہ دی ہے۔ عوام سے رائے طلب کیے بغیر اُن پر فیصلے تھوپے جارہے ہیں۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے کرپشن ٹرانسپیرنسی انڈیکس (سی ٹی آئی) کے ذریعے بتایا ہے کہ 180 ممالک کا سروے کیا گیا اور معلوم یہ ہوا کہ ان میں سے دو تہائی میں بدعنوانی غیر معمولی حد تک پائی جاتی ہے۔

کورونا وبا کے دوران لاک ڈاؤن اور دیگر اقدامات کے باعث بڑے پیمانے پر مالیاتی دشواریاں پیدا ہوئیں۔ پسماندہ ممالک بالخصوص بھارت کی حالت بہت بُری ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ کورونا ویکسین آچکی ہے اور مغرب کے ترقی یافتہ ممالک ویکسی نیشن کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ معیشتیں بحالی کی طرف گامزن ہیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ اور بالخصوص صنعتی ممالک نے اپنی معیشت کو نئی زندگی دینے سے متعلق جو اقدامات کیے ہیں وہ پوری دنیا کیلئے اچھی خبر لائے ہیں۔ پسماندہ ممالک کو بھی اب معیشتی بحالی کے حوالے سے کچھ نہ کچھ ملے گا۔ ترقی پذیر ممالک کی معیشتیں بھی بحالی کی طرف گامزن ہیں۔ معیشتوں کی بحالی کا عمل شروع ہونے سے معاملات بہت حد تک درستی کی طرف مائل ہوں گے۔

یہ سب تو ٹھیک ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ جہاں حکمرانی کا معیار ہی پست ہو وہاں کیا ہو سکے گا۔ دنیا بھر میں ایسی حکومتوں کی تعداد کم نہیں جو پست معیار کی حکمرانی کے ہاتھوں ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں ملک کا نظم و نسق ہے اُن میں مطلوب اہلیت ہے نہ کچھ کر دکھانے کا عزم۔ وہ چاہتے ہیں کہ معاملات ویسے ہی رہیں جیسے ہیں یعنی کوئی بڑی تبدیلی رونما نہ ہو۔ کوئی بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب معاملات یہ ہوں تو کوئی بھی بڑی اور مجموعی طور پر مثبت تبدیلی کیونکر آسکتی ہے۔ حکومتوں کی بدعنوانی پر نظر رکھنے والے ادارے بہت مایوس کن تصویر پیش کر رہے ہیں۔ بدعنوانی کا دائرہ وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ ترقی پذیر اور پسماندہ دنیا میں بیشتر ممالک قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ معاملات کو درست کرنے کے بجائے قرضے لیکر کام چلایا جاتا رہا ہے۔ یہ کیفیت اب خطرناک شکل اختیار کر چکی ہے۔ کئی ممالک کے اندرونی اور بیرونی قرضے تباہ کن سطح تک پہنچ چکے ہیں۔ جنوبی افریقا کی حکومت نے کورونا وبا کے دوران برملا کہا کہ خزانے میں کچھ ہے ہی نہیں، وہ کسی بھی اعتبار سے اس پوزیشن میں نہیں کہ عوام کیلئے کچھ کر سکے۔

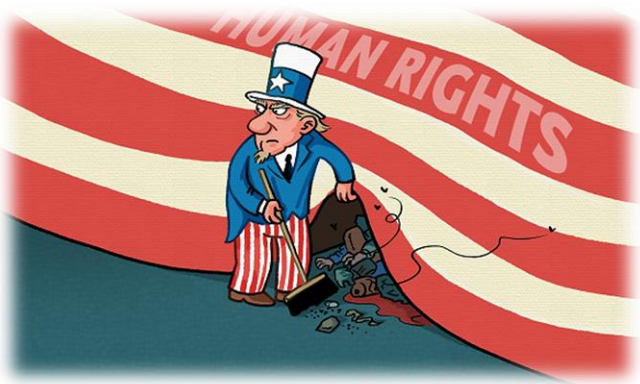

ترقی پذیر دنیا کا مالیاتی بحران بھی گہرا ہوتا جارہا ہے۔ حکومتیں قرضے لے لے کر کام چلاتی آئی ہیں۔ یہ سب کچھ مزید نہیں چل سکتا۔

اندرونی قرضوں کا حجم حکمرانوں کی راتوں کی نیندیں اڑانے کیلئے کافی ہے۔ سبھی پریشان ہیں کہ اس مصیبت سے چھٹکارا کیسے پائیں۔ نجی شعبے کی مدد سے کچھ کرنا بھی اب ممکن نہیں رہا کیونکہ وہ صورتِ حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے غیر معمولی حد تک محتاط ہو چکا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں ایک عشرے قبل پرائیویٹ انویسٹمنٹ منیجرز نے حکومتوں کو نجی شعبے سے قرضے لینے کا راستہ سجھایا تھا۔ اب یہ سب کچھ بھی ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

اس وقت درمیانی اور کم آمدنی والے 120 سے زائد ممالک کے بیرونی قرضوں کا 85 فیصد خالص غیر رعایتی نوعیت کا ہے، یعنی جو کچھ بھی واجب الادا ہے وہ ہر حال میں ادا کرنا ہی ہے۔ پنشن کا دباؤ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ عالمی بینک کے ماہرین معاشیات پیٹر نیگل اور ناؤتا کاسُگا وارا نے ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ مزید ممالک کے دیوالیہ پن کی حد تک پہنچنے کے خدشات برقرار ہیں۔ ان دونوں ماہرین معاشیات نے پھر بھی کچھ محتاط رہتے ہوئے بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترقی پذیر اور پسماندہ دنیا کے بیشتر ممالک دیوالیہ ہو ہی جائیں گے۔ لبنان، ارجنٹائن اور زیمبیا کی طرح اُنہیں معیشتی ڈھانچے کی تبدیلی کے عمل سے گزرنا پڑے گا۔ قرضوں کی بنیاد پر جینے والے ممالک کا یہی انجام ہوتا آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت قرضوں میں دبے ہوئے ممالک میں سے کم و بیش 40 فیصد انتہائی نوعیت کے خطرے سے دوچار ہیں۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے بہت سے ممالک کو بیل آؤٹ پیکیج دے کر معیشت کی بحالی کی راہ پر گامزن ہونے میں مدد دی ہے۔ یہ سلسلہ رک گیا تھا۔ ٹرمپ کے عہدِ صدارت کا امریکا اس حوالے سے اپنا کردار ادا کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ اب جی سیون ممالک نے قرضوں تلے خطرناک حد تک دبے ہوئے ممالک کو نئی زندگی دینے کے حوالے سے کچھ سوچا ہے تو امریکا نے بھی منصوبے کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ صدر بائیڈن اس معاملے میں خاصی دلچسپی لیتے دکھائی دے رہے ہیں۔ آئی ایم ایف نے کئی ممالک کیلئے بیل آؤٹ پیکیج تیار کیے ہیں اور اندازہ لگایا جارہا ہے کہ اب کے موسمِ گرما کے دوران ہی متعدد ممالک کو بیل آؤٹ پیکیج دے دیا جائے گا۔ مالیاتی امور کے بہت سے ماہرین اس صورتِ حال کو بھی خطرناک قرار دے رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بیل آؤٹ پیکیجز سے بھی بعض ممالک مزید قرضوں تلے دب کر رہ جائیں گے۔

قرضوں تلے خطرناک حد تک دبے ہوئے ممالک کے عوام کو نئی اور بہتر زندگی کی نوید اُس وقت مل سکے گی جب اُن کے قرضے معاف کر دیئے جائیں۔ ایسا ہوگا تو جمہوریت بھی پروان چڑھ سکے گی۔ جب تک قرضوں کا بحران ختم نہیں ہوتا، عوام کی حقیقی حکمرانی کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر پسماندہ ممالک کے قرض خواہ تھوڑی بہت رعایت دیں یعنی ادائیگیاں کچھ مدت کیلئے موخر کر دیں تو یہ بھی ایک بڑی خدمت ہوگی۔ اس سے بحران تو خیر ختم نہیں ہوگا تاہم قرضوں تلے دبے ہوئے ممالک کو سکون کا سانس لینے کا موقع ضرور مل جائے گا۔

ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ قرضوں تلے دبے ہوئے ممالک کی مدد کرنے کے نام پر کیے جانے والے اقدامات وہاں پھیلی ہوئی بدعنوانی پر قابو پانے کے حوالے سے کچھ بھی نہیں کرتے۔ جمہوری معاشروں میں پھیلی ہوئی بدعنوانی پر قابو پانے سے متعلق کچھ کرنا تو دور کی بات ہے، کچھ سوچا بھی نہیں جاتا۔ یہی سبب ہے کہ بیل آؤٹ پیکیج مل جانے پر بھی بہت سے پس ماندہ ممالک ڈھنگ سے جینے کے قابل نہیں ہو پاتے، بدعنوانی برقرار رہتی ہے اور جمہوریت کی کشتی گرداب ہی میں پھنسی رہتی ہے۔ بدعنوانی پر قابو پانے کے حوالے کچھ نہ کیے جانے ہی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ آج دنیا بھر میں جمہوریت زوال پذیر ہے۔ منتخب نمائندوں کی بدعنوانی پر چیک اینڈ بیلنس کا نظام لایا ہی نہیں جارہا۔ یہ سب کچھ جب حد سے بڑھتا ہے تب آمریت کو راہ ملتی ہے۔ لوگ سوچنے لگتے ہیں کہ ایسی جمہوریت سے تو آمریت ہی بھلی۔ کم از کم یہ دکھ تو نہ ہوگا کہ ہمیں ہمارے اپنے منتخب نمائندے لوٹ رہے ہیں۔

چند ایک ممالک نے اپنے طور پر کچھ کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں جمہوریت کا گراف بلند کرنے میں مدد ملی ہے۔ البانیا بھی ایک ایسا ہی ملک ہے جس نے آمریت کو پیچھے دھکیل کر جمہوریت کو خاصے منظم انداز سے پروان چڑھایا ہے اور یوں وہ جمہوری کلچر کے اعتبار سے کی جانے والی درجہ بندی میں اب امریکا کے ساتھ کھڑا ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ماضی میں مغربی ممالک اور امریکا نے درجنوں مرتبہ ہمیشہ اپنے مفادات کی تکمیل کیلئے تیسری دنیا کے ممالک کے جمہوری اداروں کو نہ صرف سبوتاژ کیا ہے بلکہ وہاں آمروں کی کھل کر حمائت کی ہے بلکہ بعض ممالک میں ان آمروں کو جمہوری اداروں کا تختہ الٹنے کیلئے باقاعدہ ان کی آشیر باد شامل تھی۔ الجزائر میں باقاعدہ ایک ایسے انتخاب میں جہاں تمام عالمی غیر جانبدار ادارے اس انتخاب کو مکمل شفاف قرار دے رہے تھے لیکن وہاں انتخاب جیتنے والی حکومت کا راستہ روکنے کیلئے فوجی بغاوت کروادی گئی اور فرانس نے اپنے مغربی اتحادیوں کے ساتھ آج تک وہاں جمہوری حکومت کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیا۔ اس سلسلے میں ایک اور واضح مثال مصر کے فوجی ڈکٹیٹر السیسی نے منتخب صدر محمد مرسی کو معزول کر کے اقتدار پر نہ صرف قبضہ کر لیا بلکہ ان کی جماعت اخوان المسلمون کے ہزاروں مرد و خواتین پر جیلوں میں ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ محمد مرسی کا جرم یہ تھا کہ اس نے منتخب ہوتے ہی اقوام متحدہ میں اپنی پہلی تقریر میں برملا یہ اعلان کیا کہ "جو محمد ﷺ کی عزت کرے گا، ہم اس کی عزت کریں گے اور جو ان کی عزت نہیں کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے"۔

الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کی خرابیوں کے باوجود لمحوں میں دنیا بھر کی خبروں اور بدلتے حالات کو جس سرعت کے ساتھ لوگوں کو باخبر رکھنے کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے اور اس نے اب تیسری دنیا کے عوام کو اس قدر باشعور ضرور کر دیا ہے کہ وہ اب مغربی ممالک اور امریکا کی طرف سے پیش کردہ مراعات کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور وہ اب بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ اب غیر جمہوری قوتوں کو ہم پر مسلط کر کے ان کے دور حکومت میں قرضوں کے جال میں ہمیں پھنسا کر نئے انداز میں غلام بنانے کی سازش ہے اور ہمیں حقیقی جمہوری آزادی کیلئے ان سے جان چھڑانا ضروری ہے۔

بروز جمعۃ المبارک 16 شوّال المعظم 1442ھ 28 مئی 2021ء

مودی کا بھانڈہ، پھوٹا بیچ بازار

دسمبر 2004 میں ایشیا میں زلزلہ اور سونامی تباہی کے موقع پر منموہن سنگھ نے اس آفت سے نمٹنے کیلئے دوسرے ممالک کی امداد قبول کرنے کی بجائے خود ہی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کا اعلان کرتے ہوئے بھارت کی بڑھتی ہوئی معاشی قوت کے بارے میں ایک اہم سیاسی بیان تھا اور یہی نہیں بلکہ منموہن سنگھ نے 2005ء کے سمندری طوفان کے بعد امریکا اور 2008ء میں سچوان کے زلزلے کے بعد چین کو امداد کی پیشکش کر کے قومی فخر اور خود کفالت کا اظہار کیا تھا جو امداد فراہم کرنے والے بڑے ممالک کیلئے ایک واضح پیغام بھی تھا۔ مودی نے پالیسی تبدیل کرنے کے دباؤ کے باوجود 2018 میں کیرالہ میں سیلاب کے دوران بھی بیرونی امداد قبول کرنے سے انکار کیا لیکن مودی جنہوں نے خود انحصار بھارت کے نعرے کے ذریعے قوم پرستی کی مستقل مہم چلائی اب ان کا ایسا بھرم بیچ بازار ایسا پھوٹا کہ ان کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ گے اور وہ اچانک پالیسی بدلنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

انڈیا میں ایک ماں چندرا کلا سنگھ کی دل دہلا دینے والی وہ تصویر جس میں وہ اپنے 29 سالہ نوجوان بیٹے ونیت سنگھ کی لاش جو ایمبولنس کی عدم دستیابی کی بناء ایک عام رکشہ میں اس کے قدموں میں پڑی ہوئی ہے، جب عالمی میڈیا میں وائرل ہوئی تو سارے مغرب میں وہ بھارتی سفاتکار جو دن رات بھارت کی معاشی ترقی کے افسانے بیان کیا کرتے تھے۔ میڈیا سے منہ چھپاتے نظر آئے۔ یہ تصویر ریاست اتر پردیش کے شہر وراناسی کی تھی جو انڈیا میں تیزی سے پھیلتے ہوئے وائرس اور مکمل ناکامی کے دہانے پر کھڑے صحت کے نظام کے درمیان پھنسے شہریوں کی تکلیف کی صرف ایک مثال ہے جبکہ ایسی ہزاروں تصاویر مودی اور اس کے زر خرید میڈیا کا بری طرح تعاقب کر رہی ہیں۔ بد قسمتی تو یہ ہے کہ وراناسی شہر جہاں یہ تصویر کھینچی گئی ہے وہ وزیر اعظم مودی کا انتخابی حلقہ ہے۔

عالمی میڈیا نے بھارت میں سڑک پر بغیر آکسیجن تڑپتے اور بے بسی میں مرتے انسانوں کو دکھایا جہاں ان افراد کی تدفین کرنے والا بھی کوئی نہیں، پالتو کتوں کو انسانی لاشوں کی آخری رسومات کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے، کورونا کی دوسری لہر نے پورے ملک کو لپیٹ میں لے لیا جس کے بعد مودی نے 40 کے قریب ممالک کی جانب سے امداد کی پیشکش قبول کر لی۔ بھارتی سفارتکاروں نے آکسیجن پلانٹس اور دوائیوں و دیگر سامان کیلئے غیر ملکی حکومتوں سے مدد کیلئے جھولی پھیلائی۔ بھارت کے اعلیٰ ترین سفارتکار ہرش وردھن شرینگلہ نے انتہائی شرمناک یوٹرن کی توجیح پیش کرتے ہوئے حکومتی فیصلے کی سوشل میڈیا پر تعریف کی۔ انہوں نے ڈھٹائی سے لکھا "ہم نے امداد دی ہے، ہماری مدد کی جا رہی ہے، اس سے پتا لگتا ہے کہ کس طرح آزاد دنیا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے"۔ جس پر ایک غیر ملکی تجزیہ نگار نے یہ کہہ کر ہوا نکال دی کہ "یہ کوئی مودی کی خارجہ پالیسی کی کامیابی نہیں بلکہ کورونا کی وجہ سے بگڑتی صورتحال میں محاسبہ کا لمحہ ہے۔ مودی کی قوم پرست حکومت کے 7 برس بعد ان کا اہم ترین خود انحصار بھارت کا مصنوعی ایجنڈا کوڑے دان میں پڑا نظر آتا ہے۔ سابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے دور سے بھارت کو چار ملکی اتحاد میں چین سے مقابلے کیلئے ہند بحرالکاہل خطے کی حکمت عملی میں اہم شرمندگی سے بچنے کیلئے اس کردار کو ادا کرنے کیلئے خود فریبی اور جھوٹ کی بجائے ملک تصور کیا جا رہا تھا، اب اس کی بھی قلعی کھل گئی ہے۔ بھارت کو مزید مزید محنت کرنی ہو گی"۔

ایک اور مغربی سیاسی تجزیہ نگار کے مطابق "اس دوران کورونا کی دوسری لہر میں چین نے بھارت کے پڑوسی ممالک میں اپنی سرگرمیاں دگنی کر دی ہیں،

جس سے چین کے جنوبی ایشیائی ممالک سے تعلقات مزید مضبوط ہو گئے ہیں۔ جس کا مقابلہ کرنا بھارت کیلئے آسان نہیں ہو گا۔ ممکن ہے چند مہینوں میں دہلی میں معمول کی صورتحال لوٹ آئے لیکن وبا سے نمٹنے کے دوران نااہلی کے مظاہرہ نے نئی دہلی کو اسلام آباد اور بیجنگ سے مذاکرات میں کمزور کر دیا ہے۔اس سے بھی زیادہ نقصان بھارت کی عالمی ساکھ کو پہنچا ہے۔پہلے ہی مودی کی آمرانہ حکومت کی وجہ سے بھارت کو عالمی سطح پر تنقید کا سامنا ہے۔یہ مغرب نے اپنے مفادات کیلئے بھارت کو عالمی سطح پر اہم اداروں کی نمائندگی کیلئے منتخب تو کروایا لیکن کسی کو یہ حکومت کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔امریکا اور مرتے مریضوں اور جلتی لاشوں کی تصاویر مودی کی پالیسیوں کا بھانڈہ پھوڑ کر رکھ دیں گی، لیکن اب معلوم نہیں تھا کچھ وقت بعد بھارت کی سڑکوں پر بھارت کو سفارتی قد اور جغرافیائی اہمیت دوبارہ بحال کرنے میں مہینے نہیں بلکہ کئی برس درکار ہوں گے جس کیلئے بھارتی وزیر خارجہ ایس جے شنکر کی مسلسل کوششیں بری طرح ناکام دکھائی دے رہی ہیں"۔

مارچ میں جب بھارت میں کورونا کی دوسری لہر شروع ہو چکی تھی تو جے شنکر کی وزارت پاپ اسٹار ریحانہ اور ماحولیاتی تبدیلی کی کارکن گریٹا کے خلاف سرکاری بیانات دینے اور سوشل میڈیا مہم چلانے میں مصروف تھی۔ گزشتہ مہینے بھارت میں کورونا بحران کے عروج پر جے شنکر دنیا بھر کے دارالحکومتوں میں موجود بھارتی سفیروں کے ساتھ عالمی میڈیا میں نام نہاد یکطرفہ بیانیے کے مقابلے کیلئے اجلاس کر رہے تھے، جس سے مودی حکومت کی لگتا ہے۔کچھ عرصہ قبل جے شنکر حکومت کی ویکسین دوستی پروگرام کے سب سے پرجوش حامی تھے جس کے کورونا کی دوسری لہر کے دوران نااہلی کا پتا تحت نئی دہلی نے 59 ممالک کو بھارت کی تیار کردہ ویکسین "آسٹرازینیکا" کی تقریباً 66/6 ملین خوراکیں فراہم کیں، ویکسین کے باکس پر مودی کی نمایاں تصاویر لگائی گئی تھی۔یہ ویکسین تجارتی معاہدے، دوطرفہ گرانٹ اور غریب ممالک کیلئے عالمی ادارہ صحت کی جانب سے اسکیم کے تحت فراہم کی دنیا میں سب سے زیادہ ویکسین بنانے والا ملک ہونے کے باوجود بھارت کی گئی تھیں۔دریں اثنا بھارت میں ویکسی نیشن کا عمل انتہائی مایوس کن رہا ہے، محض 2 فیصد آبادی کو ویکسین لگائی جا سکی ہے، کورونا کی دوسری لہر کے بے قابو ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ تھی۔ذاتی شان و شوکت کیلئے دنیا بھر میں مکافات عمل تو یہ ہے کہ وہی بھارت جس نے ویکسین بانٹنے کے بعد مودی نے بھارت کی 16 سالہ پالیسی کو شرمناک حد تک تبدیل کر دیا ہے، خیرات کا منتظر ہے بلکہ بھارت نے تو چین چین، روس اور امریکا سے امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اب وہ امریکا سے ویکسین کی دو کروڑ خوراکوں کی سے انتہائی کشیدہ تعلقات کے باوجود امداد کو قبول کر لیا ہے۔

بھارتی وزیراعظم کیلئے سب سے زیادہ توہین آمیز بات تو یہ ہے کہ پاکستان کی جانب سے طبّی سامان اور ایمبولنسز کی فراہمی کی پیشکش کو رد کرنا بھی مشکل ہو گیا۔صورتحال اس قدر افسوسناک ہے کہ بھارت کو بھوٹان جیسی چھوٹی ریاست سے یومیہ 88 ہزار پاؤنڈ آکسیجن درآمد کرنا پڑ رہی ہے۔زیادہ تر بھارتی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا ملک گزشتہ سال معاشی بحران کا شدید شکار رہا، اسی لیے بیرونی امداد قبول کرنا پسند یا ناپسند سے زیادہ مجبوری بن گیا تھا لیکن وہ اس پر کیا کہیں گے کہ وبا کے بدترین دور میں بھی نئی دہلی میں 2/ارب ڈالر کی مالیت سے سرکاری دفاتر کی تعمیر کا کام بلا روک ٹوک جاری ہے اور اس میں

مودی کیلئے رہائش گاہ کی تعمیر بھی شامل ہے۔ مودی نے کئی عالمی دوروں کے ذریعے بھارت کا قومی وقار بڑھانے پر فخر کیا۔ ان کے قوم پرست حامی سمجھتے ہیں کہ بھارت امریکا اور چین کی طرح ایک عالمی طاقت بن چکا ہے، یہ تاثر اندورنی سیاسی فائدے کے ساتھ جڑا ہے، ہندوتوا یا ہندو قوم پرستی کے نظریہ نے ہی ان کی بالادستی کو ممکن بنایا تھا لیکن اب اس صورتحال میں مودی کے حامیوں کا عالمی طاقت کا خواب بری طرح بکھر چکا ہے۔

مودی کے حامیوں کو ایک بار پھر تیسری دنیا کے ملک کا شہری ہونے کی حقیقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو بیرونی امداد کے بغیر چل نہیں سکتے، چونکہ وبا کی وجہ مودی نے نام سے معیشت کو شدید نقصان پہنچا ہے، یہی وجہ ہے کہ مودی اب اپنے حامیوں کے سامنے معاشی ترقی کو پیش کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ نہاد خارجہ پالیسی کے ذریعے بھارت کیلئے جو فخر، وقار اور عالمی احترام کی عمارت تعمیر کی تھی، وبا نے اس کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ وبائی امراض نے بھارت کو کئی اور طریقوں سے بھی نقصان پہنچایا۔ کواڈ کے رکن ملک آسٹریلیا نے اپنے شہریوں کے بھارت سے وطن واپسی پر پابندی لگادی ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں 5 برس قید کی سزا تجویز کی ہے۔ مارچ میں کواڈ کے سربراہی اجلاس میں طے پایا تھا کہ گروپ 2022ء تک ہند بحرالکاہل کے خطے میں کورونا ویکسین کی ایک ارب خوراکیں تقسیم کرے گا۔ اس ویکسین کیلئے سرمایہ امریکا اور جاپان کو فراہم کرنا تھا، جبکہ ویکسین کی تیاری بھارت میں ہونا تھی اور ویکسین کی تقسیم آسٹریلیا کو کرنا تھی۔ اس اقدام کا مقصد گروپ کے سیکورٹی مرکز ہونے کے تاثر کو دور کرنا اور چین کے مقابلے میں اپنی ساکھ کو بہتر بنانا تھا۔

بھارت کی جانب سے وبا سے متاثرہ اپنے شہریوں کو ویکسین کی فراہمی میں مشکلات کے بعد کواڈ کی جانب سے مقررہ وقت پر ایک ارب ویکسین کی خوراکوں کی تقسیم کا امکان ختم ہو چکا جس کے نتیجے میں کواڈ میں نئی دہلی کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ اگر وبا کے نتیجے میں بھارت لڑکھڑا جاتا ہے تو کواڈ کا امریکی خواب کبھی حقیقت نہیں بن سکے گا۔ بیجنگ پہلے ہی بھارت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے آگے بڑھ رہا ہے تاکہ جنوبی ایشیائی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو مزید مستحکم کر سکے۔ گزشتہ مہینے چینی وزیر خارجہ نے افغانستان، بنگلادیش، نیپال، پاکستان اور سری لنکا کے اہم منصبوں کے ساتھ کورونا کے حوالے سے تعاون کیلئے اجلاس کیا، جس میں بھارت موجود نہیں تھا۔ اگرچہ افغانستان، بنگلادیش، نیپال اور سری لنکا کو بھارت کی جانب سے کچھ ویکسین فراہم کی گئی ہے، لیکن اس سے زیادہ کی توقع کی جارہی تھی۔ نئی دہلی کی جانب سے اپنے کمرشل وعدے پورے نہ ہونے کے بعد یہ ممالک ویکسین کی فراہمی کیلئے بیجنگ کی جانب دیکھ رہے ہیں۔

ایشیا کی دو بڑی طاقتوں کے درمیان پرکشش اور بااعتماد ہونے کی دوڑ لگی ہے، جس میں چین نے بھارت کو پہلے سے کہیں زیادہ پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ چین پہلے ہی متنازع سرحد پر بھارت پر دباؤ ڈال چکا ہے۔ لداخ میں کشیدگی میں کمی کے باوجود چین نے گزشتہ موسم گرما میں بھارت کے زیر قبضہ علاقوں سے فوجیں واپس بلانے سے انکار کر دیا ہے۔ جس کے بعد دونوں فریقوں کے درمیان مذاکرات کے آخری دور میں بھارت کی ان علاقوں پر چینی قبضے کے حوالے سے بات چیت کی کوشش ناکام ہوگئی۔ اب متنازع سرحد کے قریب مستقل عسکری انفراسٹرکچر تعمیر کر کے چینی فوجوں کو مستقل طور پر تعینات کر دیا گیا ہے۔ اگر بھارت کی جانب سے کبھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا جانا تھا تو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ابھی تھی لیکن کورونا کی دوسری لہر نے صورتحال کو بالکل الٹ دیا۔ اسی طرح ان حالات کا نئی دہلی کے اسلام آباد سے بیک چینل مذاکرات پر بھی اثر پڑا ہے اور پاکستان کو ہر صورت بھارت کی کمزور پوزیشن کا فائدہ اٹھانے کو اللہ کی غیبی امداد سمجھنا ہوگا۔ بھارت ان مذاکرات کو ترک بھی نہیں کر سکتا کیونکہ بھارت، چین اور پاکستان سے بیک وقت مقابلے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اسلام آباد سے مذاکرات پر مجبور ہوا ہے۔

وبا سے ملک اور معیشت کو پہنچنے والے نقصان نے بھارت کیلئے خطرات میں بہت اضافہ کر دیا ہے، جس سے پاکستان کو مذاکرات میں غیر متوقع فائدہ اٹھانے کیلئے اپنی خارجہ پالیسیوں پر فوری نظر ثانی کرنا ہو گا۔ اگرچہ بھارت اب بھی بیجنگ اور اسلام آباد کے ساتھ مذاکرات میں کسی نقصان سے بچنے کیلئے مغرب اور امریکا کو استعمال کرنے کی بھرپور کوشش کر سکتا ہے لیکن مودی کیلئے بھارت کی عالمی ساکھ کو پہنچنے والے نقصان کا ازالہ کرنا آسان نہیں ہو گا۔ مودی کی متعصبانہ پالیسیوں کی بنا پر لبرل جمہوریت کی حیثیت سے بھارت کی ساکھ پہلے ہی ختم ہو چکی ہے اور حالات سے نمٹنے کیلئے ملک کی صلاحیت جو ترقی پذیر ملکوں کیلئے ایک مثال تھی، اب وہ بھی خواب بن کر رہ گئی ہے لیکن کورونا کی دوسری لہر سے نمٹنے میں ناکامی اور پیسے وصول کر لینے کے باوجود ایشیائی اور افریقی ممالک کو ویکسین فراہم نہیں کر پانا، ایسا نقصان ہے جس کی تلافی بالکل ممکن نہیں۔

بھارتی فی الحال مودی کی نااہلی سے آنے والی انسانیت سوز تباہی سے نمٹ رہے ہیں۔ جہاں ان سے ایک عالمی طاقت بننے کا جھوٹ بولا گیا تھا۔ وبا کی اس لہر سے مودی کے سیاسی مستقبل کو بڑا دھچکا لگا ہے اور بھارتی عوام کا مودی پر سے یقین اٹھ گیا ہے۔ مودی کے ماتحت وزیر خارجہ جے شنکر جو بڑے فخر سے کئی گیندیں بیک وقت ہوا میں اچھالنے کی ڈینگیں مارتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ کوئی بھی گیند زمین پر نہیں گرے گی لیکن اب تمام گیندیں فرش پر پڑی منہ چڑا رہی ہیں اور ان گیندوں کو دوبارہ اٹھا کر کام شروع کرنے کیلئے بھیک اور گداگری کا پیالہ بھی برسوں تک کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ اس بحران سے نکلنے کیلئے ضروری ہے کہ بھارتی عوام مودی کا اصلی متعصبانہ چہرہ دیکھتے ہوئے ان کی جاہلانہ اور متعصبانہ پالیسیوں کا بھرپور طریقے سے محاسبہ کریں تاکہ مزید تباہی کے ممکنہ طوفان سے بچا جا سکے۔

بروز اتوار 25 شوّال المعظم 1442ھ 6 جون 2021ء

بھارتی کرونا کا ذمہ دار کون؟

ہمیشہ کی طرح اب بھی مونچھوں کی طرح داڑھی کو بھی عام طور پر مردانگی کی ایک تابندہ علامت کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن ان دنوں مودی اپنی داڑھی کو منفرد سیاسی شناخت کے طور پر بروئے کار لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کورونا کی نئی لہر نے بھارت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کورونا کی نئی لہر کے دوران بھارت کا جو حال ہوا ہے اُسے دیکھ کر ایک دنیا حیران ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یومیہ ساڑھے تین چار لاکھ نئے کیسز دیکھ کر دنیا بھر میں لوگ خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ بھارت آبادی کے اعتبار سے چین کے بعد دوسرا بڑا ملک ہے۔ اتنے بڑے ملک میں بہتر طرزِ حکمرانی اور اچھی حکومتی کارکردگی یقینی بنانا بہت مشکل ہے۔ کورونا کے ہاتھوں بھارت کو جس صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا ہے اُسے دیکھ کر زیادہ حیرت اس بات پر بھی ہے کہ بھارت نے کچھ مدت قبل کورونا پر قابو پانے کے حوالے سے قابلِ رشک بلکہ مثالی نوعیت کی کارکردگی کا جو تاثر دیا تھا اب مغربی میڈیا کے علاوہ نیویارک ٹائمز نے بھی مودی کے جھوٹ کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔

زر خرید میڈیا مودی کی ساکھ بچانے کیلئے جنرل گوئبلز کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے اب یہ پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں کہ بھارت میں صحتِ عامہ کا نظام اگر کمزور دکھائی دیا ہے اور بعض مقامات پر کورونا کو کنٹرول کرنے میں مکمل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ کورونا سے نمٹنے میں بعض ترقی یافتہ ممالک نے بھی خاصی کمزوری دکھائی ہے۔ دنیا بھر میں مودی کے حلیے میں تبدیلی خاصی لمبی داڑھی کو حیرت کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ گزشتہ برس جب سے کورونا نے بھارت میں جڑ پکڑنا شروع کیا تھا تب سے اب تک مودی اپنی داڑھی کو پروان چڑھانے میں مصروف ہیں۔ اب اُن کی داڑھی بہت حد تک درجۂ کمال کو پہنچ چکی ہے۔ مودی کی داڑھی نے بھارت میں ایک نئی گھریلو صنعت کو جنم دیا ہے، یعنی مودی کی داڑھی کے بارے میں سوچنا، اندازے لگانا کہ وہ اس کے ذریعے کیا دھوکہ دینا چاہتے ہیں؟

مودی کی داڑھی پر اُن کے سیاسی مخالفین نے اچھی خاصی تنقید کی ہے۔ مغربی بنگال کی وزیرِ اعلیٰ ممتا بینرجی کہتی ہیں، ''مودی کی داڑھی اور بھارتی معیشت میں بالکل اُلٹا تعلق پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ داڑھی بڑھتی جارہی ہے اور معیشت گھٹتی جارہی ہے۔ معیشت کے تمام ہی شعبے کمزوری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ صنعتی شعبے کا حال سب سے بُرا ہے مگر مودی کی داڑھی ہے کہ مسلسل بڑھتی جارہی ہے''۔ دنیا بھر میں داڑھی اور بالخصوص لمبی داڑھی کو مردانہ وجاہت، طاقت اور اولوالعزمی کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ مودی نے خود کو بھارت کے اسٹرانگ مین، سپر مین اور نجات دہندہ کے طور پر پیش کرنے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ سیاست میں آنے کے بعد سے اب تک وہ اپنے حامیوں کو یہی باور کرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ اب جبکہ وہ آچکے ہیں، کچھ بھی ایسا ویسا باقی نہیں رہے گا، تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور ملک کو افلاس اور تنزل سے نجات مل جائے گی۔

مودی کی داڑھی دیکھ کر لوگ قیاس کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ سیاسی مخالفین نے مودی کی داڑھی کے حوالے سے پُر لطف جملے گھڑنے اور پھیلانے میں تساہل کا مظاہرہ کیا ہے نہ تاخیر کا۔ کوئی کہتا ہے کہ لاک ڈاؤن کے دوران چونکہ ملک بھر میں حجاموں کی دکانیں بند تھیں اس لیے مودی کو کسی حجام کی خدمت میسر نہ ہو سکی جبکہ کچھ مخالفین کا کہنا ہے کہ مودی سے بڑا حجام بھلا اس دنیا میں کہاں ملے گا جس نے اپنے جھوٹ سے سچ کی حجامت بنا ڈالی ہے۔ کسی نے یہ کہتے ہوئے مودی جی کا تمسخر اڑایا کہ بھارتی وزیرِ اعظم کو چونکہ ہر وقت قوم کا غم ستاتا رہتا ہے اور وہ بہبودِ عامہ کے کاموں میں بہت مصروف رہتے ہیں اس لیے انہیں حجامت بنوانے کا وقت ہی نہیں مل پایا ہے۔

کوئی کچھ بھی کہے، مودی نے داڑھی بڑھا کر اپنی سیاسی شناخت کو ایک نئی سمت، نیا چہرہ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مودی دراصل بھارتی سیکولر آئین کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ وہ سیکولرازم پر قطعی یقین نہیں رکھتے اور یہ کہ ہندوازم کی ایک علامت کے طور پر داڑھی رکھ کر خود کو کٹّر ہندو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بھارت میں سادھو، سنیاسی لمبی داڑھی رکھتے ہیں۔ لمبی داڑھی گہری مذہبیت کی ایک تابندہ علامت سمجھی جاتی ہے۔ مودی نے داڑھی کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ وہ غیر معمولی حد تک مذہبی ہیں اور ہندوازم کی جڑیں مضبوط کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یوں انہوں نے عام ہندو کا دل جیتنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اپنے ووٹ بینک کو مضبوط تر کرنے کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔

معاملہ صرف یہاں تک آکر رک نہیں جاتا۔ مودی نے یہ تاثر پروان چڑھانے کی بھی بھرپور کوشش کی ہے کہ وہ ایک بڑے مُدبّر ہیں اور قوم کا درد اُن کے دل میں بہت زیادہ ہے۔ وہ خود کو مفکر حکمران کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو قوم کے تمام مسائل کا علم اور درد رکھتا ہے۔ خود کو سادھو کے سے انداز میں پیش کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عام ہندو کو یقین دلایا جائے کہ اب اُن کیلئے ایک نجات دہندہ یا مُصلح بھیجا جاچکا ہے لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ بیرونِ ملک مودی کے ایجنڈے کو حیرت کے ساتھ دیکھا جاتا رہا ہے مگر اب شاید ان کے چہرہ پر پڑے نقاب کے بارے میں زیادہ ابہام باقی نہیں رہا۔

2014ء میں مرکز میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے اب تک مودی نے قدم قدم پر یہ بھرپور تاثر دیا ہے کہ وہ برتری پسند انسان ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اُن کے دورِ حکومت میں بھارت کی اقلیتوں کیلئے صرف مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی شکایت سُننے والا کوئی نہیں۔ اُن کے دیرینہ مسائل حل کرنے کی طرف متوجہ ہونے والا کوئی نہیں۔ مودی اور اُن کی ٹیم انتہا پسندی پر یقین رکھتی ہے جس میں معاشرے کے اقلیتی طبقات کے پنپنے کی زیادہ گنجائش نہیں۔ سنگھ پریوار کے لوگ یعنی انتہا پسند ہندو چاہتے ہیں کہ ملک کی سیکولر شناخت ختم کرکے اِسے ہندو ریاست کا درجہ دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھارتی معاشرے میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کیلئے واحد راستہ یہ چھوڑا جائے کہ جو کچھ بھی ہندو اکثریت کرے اُسے بلاچُوں چرا قبول کیا جائے۔ بھارت ہزاروں سال سے مختلف نسلوں اور مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کا ملک رہا ہے اور یہ سب مل کر رہتے آئے ہیں، مگر مودی اور اُن کے ساتھی اس حقیقت کے خلاف جاکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بھارت صرف ہندوؤں کا ہے۔ ہزاروں سال سے ساتھ رہنے والوں نے جمہوریت اور اظہارِ رائے کی آزادی کو بھی کُھلے دل سے قبول کیا۔ 1947ء میں انگریزوں سے آزادی ملنے پر بھی بھارت میں جمہوریت ہی پروان چڑھی اور ایک دوسرے کو قبول کرنے کا کلچر بھی مقبول رہا مگر اب مودی اور اُن کی ٹیم نے مل کر بھارت کو تعصب، انتہا پسندی اور تنگ نظری کی طرف دھکیل دیا ہے۔

ہندوازم میں شرک نمایاں حقیقت ہے۔ بیشتر ہندو 35 کروڑ دیوی دیوتاؤں کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری طرف بھارت میں پنپنے والے دیگر مذاہب بہت حد تک وحدانیت کی بات کرتے ہیں۔ انتہا پسند ہندوؤں نے ہندوازم کو ایک ایسے مذہب کے روپ میں پیش کیا ہے، جس میں دوسروں کو قبول کرنے کی گنجائش برائے نام ہے۔ اس روش پر گامزن ہونے سے بھارتی معاشرہ انتشار کا شکار ہوا ہے۔ مودی ہندوازم کی جن اقدار کو مانتے ہیں وہ اُس سیکولرازم اور رواداری کے منافی ہیں جن کی ضمانت بھارت کے آئین میں دی گئی ہے۔ ہندو انتہا پسندوں نے اقتدار میں آنے کے بعد اقلیتوں سے متعلق

جو پالیسیاں تشکیل دی ہیں اُن سے بھارت کو اچھا خاصا نقصان پہنچ چکا ہے۔ ایک اور عالمی شہرت یافتہ طبّی جریدے نے بھارتی حکومت کی نااہلی کا پول کھولتے ہوئے کہا ہے کہ مودی حکومت کا غیر سنجیدہ رویہ ہی بھارت میں کورونا کی خطرناک وبا کے پھیلاؤ کا باعث بنا۔ عالمی جریدے کے مطابق جب وبا سر اٹھا رہی تھی تو مودی سرکار کورونا کے مکمل خاتمہ کا ڈھنڈورا پیٹ رہی تھی۔ حالات ایسے ہی رہے تو یکم اگست تک بھارت میں کورونا سے مرنے والوں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ سکتی ہے۔ دی لینسٹ نے اپنے اداریے میں لکھا ہے کہ مودی سرکار کا کورونا سے متعلق رویہ ناقابل معافی ہے۔ اس خود ساختہ تباہی کی مکمل ذمہ دار مودی سرکار ہے جس نے نہ صرف کمبھ میلے میں 48 لاکھ کے اژدھام کو جمع ہونے کا موقع دیا بلکہ اپنے سیاسی جلسوں میں لوگوں کو کثیر تعداد میں جمع کرنے کا ناقابل معافی جرم کا ارتکاب بھی کیا۔ برطانوی جریدے نے کہا کہ ماہرین کورونا کی نئی بھارتی قسم کے آنے کی وارننگ دے رہے تھے، تب بھارتی حکومت ٹویٹر سے مخالفین کی پوسٹس ہٹوانے میں مصروف تھی۔ غیر ملکی جریدے کا کہنا ہے کہ بھارتی حکومت نے غلط اعداد و شمار کے ذریعے اس ہرڈ امیونٹی کا ہدف حاصل کرنے کے دعویٰ نے کہ "اب وائرس اب مزید نہیں پھیلے گا"، اقوام عالم کو گمراہ کیا جبکہ مودی حکومت کی اجازت سے لاکھوں افراد پر مشتمل سیاسی اور مذہبی اجتماعات ہوتے رہے، جو اس خطرناک وبا کے پھیلاؤ کا باعث بنا۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اتر پردیش اور مہاراشٹر وبا سے نمٹنے کے لئے تیار نہ تھے۔ وبا آتے ہی ہسپتالوں اور شمشان گھاٹوں میں جگہ ختم ہو گئی، مگر حکومت آکسیجن کی کمی کی شکایت کرنے والوں پر قومی سلامتی کو ٹھیس پہنچانے کے الزام میں مقدمات قائم کرتی رہی۔

کورونا وبا کے دوران مودی کی انتہا پسند ہندو حکومت نے جو کچھ کیا ہے اُس نے بھی اچھی خاصی خرابیاں پیدا کی ہیں۔ گزشتہ برس کورونا کی پہلی لہر کے دوران بھارت بھر میں مسلمانوں کو اس وبا کے پھیلاؤ کے حوالے سے مطعون کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن خود مودی نے سیاسی مقبولیت کے حصول کیلئے کمبھ کے میلے کے انعقاد کی اجازت دیکر 48 لاکھ ہندوؤں کو جمع ہونے کی اجازت دے ڈالی اور دوسری جانب اپنی حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی کی مدد کیلئے بڑے گروپوں کو جمع کرنے، ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات کے حوالے سے جلسوں پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہزاروں حامیوں کے ساتھ جلسوں میں بغیر کسی ماسک کے ریاستی انتخابات میں انتخابی مہم چلائی جو ماسک بھی نہیں پہنے ہوئے تھے۔ دنیا بھر کے طبّی ماہرین اس خطرناک وبا کے نتیجے میں ہلاک ہونے اور متاثر ہونے والوں کا مکمل ذمہ مودی کو گردانتے ہیں کہ مودی نے اپنے سیاسی قد کو بڑھانے کیلئے ہزاروں افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ اس کے نتیجے میں بہت بڑے پیمانے پر یہ وبا پھیلی اور اب حالت یہ ہے کہ یومیہ ساڑھے تین سے چار لاکھ بھارتی باشندے کورونا وائرس کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ اتر پردیش کے علاقے ہر دوار میں کمبھ میلے کے سلسلے میں یکم سے 17/اپریل تک کم و بیش 48 لاکھ افراد جمع ہوئے جن کی وجہ سے مودی کی اس فاش غلطی نے نہ صرف بھارت بلکہ دنیا بھر کو بھارتی کرونا کی بھاری قیمت چکانی پڑ رہی ہے۔

نیویارک ٹائمز نے تو ہندوستان کے کورونا بحران کو مودی کے سیاسی ناقابل شکست جذبات کو محض بڑھکوں سے تشبیہ دیتے ہوئے مودی کے آئندہ سیاسی کردار کو داغدار قرار دیا ہے۔ مودی کی حکومت کی بدعنوانی نے اسے دنیا کا بدترین متاثر ملک بنا دیا ہے اور اس وقت مودی شدید احتساب کی زد میں ہیں اور بھارتی زر خرید میڈیا کے بھی کئی افراد چیخ اٹھے ہیں۔ اس وقت کورونا کے یومیہ چار لاکھ نئے کیسز نے ایک سنگین عالمی ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ ویکسین دینے کا عمل بھی ناقابل یقین حد تک سست ہے، ہسپتالوں میں دلدل ہے۔ زندگی بچانے والی آکسیجن ختم ہو رہی ہے۔ ہر روز ہزاروں لاشوں کو شمشان گھاٹ میں جلانے کی بجائے سڑکوں، فٹ پاتھوں پر انسانی گوشت کی بدبو نے قیامت کا سماں باندھ رکھا ہے اور مغربی ریاست گجرات میں ان تازہ ترین حادثات نے اس غم اور بے حسی میں اس وقت مزید اضافہ کر دیا جب مریضوں کے لواحقین نے ہسپتالوں کے اطلاع دینے کے باوجود لاشیں وصول

کرنے سے انکار کرتے ہوئے جلانے کا عمل بھی ہسپتال والوں کے سپرد کر دیا اور بھارتی عوام جو مودی کو اپنا مسیحا مانتے تھے، اپنے ان تمام عزیزوں کی لاشوں سے اٹھنے والے بدبودار اور سیاہ دھوئیں کی مانند کر دیا ہے۔ بہر کیف، ہلاکت کا ذمہ دار مودی کو ٹھہرا رہے ہیں جس نے مودی کے سیاسی مستقبل کو مودی کی طرف سے دیا جانے والا یہ تاثر کسی سے ہضم نہیں ہو پا رہا کہ وہ حقیقی معنوں میں ایک ہندو شخصیت اور نجات دہندہ ہیں۔ مودی جی داڑھی منڈوائیں نہ منڈوائیں، اس تاثر کو ضرور منڈوائیں ہ تاریخ میں ان کا نام سیاہ جلی حروف میں ایک ایسے خود غرض قاتل کے طور پر لکھا جائے گا جن کی ذاتی انا اور پالیسیوں نے ہزاروں افراد کی جان لے لی۔

بروز منگل 27 شوّال المعظم 1442ھ 8 جون 2021ء

کیا امریکا شرمندہ ہے

1918ء میں ''اسپینش فلو'' نے دنیا بھر میں 2تا10 کروڑ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس فلو کو یہ نام اس لیے دیا گیا تھا کہ اسپین پہلی عالمی جنگ میں شریک نہ تھا۔ مغرب کی جو دوسری قوتیں پہلی عالمی جنگ میں شریک تھیں انہوں نے عسکری مقاصد کیلئے اسپینش فلو سے ہونے والی ہلاکتوں کے حقیقی اعداد و شمار چھپانے کو ترجیح دی۔ اس خوف سے کہ دشمن حکومتیں فلو سے ہونے والی ہلاکتوں کے اعداد و شمار کو اپنے حق میں استعمال کریں گی، مغرب کے بہت سے ممالک نے صحافت کی آزادی پر بہت حد تک قدغن لگائی۔ پہلی عالمی جنگ کے بیشتر مغربی شرکا کے ہاں اخبارات اس معاملے میں خاموش رہے۔ ہسپانوی اخبارات نے فلو کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کے اعداد و شمار بیان کرنے میں تساہل سے کام لیا نہ ہچکچاہٹ دکھائی۔ ہسپانوی اخبارات نے تو یہ بات بھی نہ چھپائی کہ خود ہسپانوی بادشاہ بھی فلو کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں پوری دنیا میں اس فلو کو ''اسپینش فلو'' کا نام دیا گیا۔

پریس کی آزادی کو 1776ء سے 1850ء کے دوران تحریر کیے جانے والے ہر دستور میں کسی نہ کسی طور شامل کیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بہتر حکمرانی کیلئے پریس اور اظہارِ رائے کی آزادی کو کس قدر اہم گردانا جاتا تھا۔ یہ معاملہ تھا پہلی عالمی جنگ کے موقع کا۔ ایک صدی بعد بھی حالات کچھ خاص نہیں بدلے ہیں۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ ٹرمپ نے کورونا وائرس کو ''چائنا وائرس'' اور ''ووہان وائرس قرار دینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی تھی ۔ بے بنیاد الزام تراشی کا رجحان آج بھی عام ہے۔ یہ چلن ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ ٹرمپ نے جو بڑھکیں ماریں، اُس نے ان کے حامیوں کو نمایاں حد تک متاثر کیا۔ چین کا نام لینے کا مطلب تھا کورونا وائرس کا الزام ایشیائی باشندوں کے سر منڈھنا۔ ٹرمپ کے ریمارکس کے بعد امریکا میں ایشیائی باشندوں پر حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جن پر حملے کیے گئے وہ ایشیائی نسل کے باشندے امریکی شہری ہی تھے۔ کسی بھی بڑی بیماری یا وبا کو سیاسی بنیاد پر کسی ایک گروہ، نسل، معاشرے، قوم یا ملک سے منسوب کرنے کی رذیل مشق نے امریکا میں بھرپور اثر قائم کیا۔

مختلف ادوار میں مختلف بیماریوں اور وباؤں کو علامتی طور پر معاشروں، اقوام یا ممالک سے جوڑا جاتا رہا ہے۔ عام طور پر ایسا کرنے کا مقصد تشریح یقینی بنانا ہوتا ہے۔ بیشتر معاملات میں یہ محض علامتی معاملہ ہوتا ہے۔ سوزین سونٹیگ کہتی ہیں کہ علامت یا کنایہ دراصل اس بات کا نام ہے کہ کسی چیز کو ایسا نام دیا جائے جو دراصل کسی اور چیز سے جُڑا ہوا ہو۔ سوزین خود بھی کینسر کی مریضہ تھیں اس لیے وہ ایک اہم نتیجے تک پہنچیں۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ علامات اور اشارے و کنایے معاشرے کی کسی بھی ہلاکت خیز بیماری سے نمٹنے کے عمل میں مریضوں کو مطعون کرنے کیلئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ سوزین نے کینسر، ایڈز اور تپِ دق کو بیسویں صدی کی بیماری قرار دیا۔

اس وقت امریکا میں کورونا کی وبا کے غیر معمولی پھیلاؤ کیلئے جنوبی سرحد (میکسیکو) کو ذمہ دار قرار دیا جارہا ہے۔ یہی وہ سرحد ہے جہاں میکسیکو کے لاکھوں غریب افلاس، تشدد اور کورونا وائرس سے نجات حاصل کرنے کیلئے سرحد عبور کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔ امریکا میں مین اسٹریم میڈیا کے ذریعے جان بوجھ کر یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ میکسیکو کے باشندے کورونا سے نجات کیلئے امریکا آنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ترکِ وطن کے بنیادی اسباب غربت اور تشدد ہیں۔ ٹرمپ نے ایسی کیفیت پیدا کی جس میں میکسیکو سے آنے والوں کیلئے عام امریکیوں کے دلوں میں

شدید ناپسندیدگی، بلکہ نفرت پیدا ہوئی۔ کوشش یہ تھی کہ عام امریکی میکسیکو کے تارکینِ وطن سے اتنی نفرت کرے کہ ان کی آمد قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ ری پبلکن پارٹی کے بیشتر کارکنوں اور رہنماؤں کا طریقِ واردات یہ ہے کہ ''ہم اقتدار سے باہر ضرور ہیں مگر لوگوں کو ڈرا تو سکتے ہیں''۔

جنوبی کیرولائنا کی سیاسی قیادت نے معاملات کو مزید بگاڑ دیا ہے۔ سینیٹر لنزے گراہم اور ان کے ہم خیال لوگوں نے میکسیکو کے تارکینِ وطن کے خلاف فضا تیار کرنے میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ لنزے گراہم آج کل بہت بدحواس سے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ پہلے کی طرح یہ بڑھک تو نہیں مار سکتے کہ وہ امریکی صدر کے ساتھ گولف کھیلتے ہیں۔ اب وہ خود کو ''بادشاہ گر'' کے طور پر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ وہ ٹرمپ کے ساتھ سائنس اور صحتِ عامہ کے حوالے سے محاذ کھولے بیٹھے ہیں۔ سینیٹر لنزے گراہم نے حال ہی میں متعدی امراض کے معروف ماہر ڈاکٹر فوشی پر بھی تنقید سے گریز نہیں کیا، جنہوں نے سابق امریکی صدر کے تحت بھی کام کیا اور اب کورونا کے معاملات میں مرکزی مشیر کی حیثیت سے صدر جوزف بائیڈن کے ماتحت بھی قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔

سینیٹر لنزے گراہم نے ڈاکٹروں سے کہا ہے کہ وہ میکسیکن سرحد پر جاکر دیکھیں کہ کورونا کی وبا اتنی تیزی سے کیوں پھیل رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہاں غیر قانونی تارکینِ وطن کو گرفتار کرکے تنگ مقامات پر ساتھ رکھا جارہا ہے۔ اس کے نتیجے میں کورونا کی وبا مزید تیزی سے پھیل رہی ہے۔ یہ سب کچھ ٹیکساس میں ہو رہا ہے۔ وہ یہ ساری باتیں اس لیے کہہ رہے ہیں کہ امریکا میں لوگ وسطی امریکا سے آنے والوں کے حوالے سے انتہائی محتاط ہو جائیں۔

امریکی نائب صدر کملا ہیرس کو ایک مشکل صورتِ حال کا سامنا ہے، جو ان کے کام کو مشکل تر بنا رہی ہے۔ وہ لاطینی امریکا کے رہنماؤں پر زور دے رہی ہیں کہ وہ کورونا اور دیگر معاملات پر ایسی پالیسی اپنائیں جو سب کیلئے قابلِ قبول ہو۔ وہ اس حوالے سے بریفنگز لے رہی ہیں، رپورٹس کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ یہ ایک مشکل کام ہے جو ایک خاتون کو سونپا گیا ہے۔ کملا ہیرس اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ دنیا کا امیر ترین ملک ہونے کے ناطے امریکا کے پاس ایک اچھا موقع ہے کہ دنیا کو دکھائے کہ ایک بڑے بحران کا پامردی سے سامنا کس طور کیا جاتا ہے۔ تارکینِ وطن اور پناہ گزین کیمپوں کے حوالے سے صرف امریکا کو مطعون نہیں کیا جاسکتا۔ کئی دوسرے ممالک کو بھی اس حوالے سے پریشان کن حالات کا سامنا رہا ہے۔ چین کی مثال بہت نمایاں ہے جس کی سرحد میانمار سے ملتی ہے۔ میانمار میں سیاسی انتشار بہت زیادہ ہے۔ وہاں سیاسی خرابیوں کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا جارہا ہے۔

افغانستان اور شام میں جاری جنگوں کے باعث یورپی یونین کو بھی تارکینِ وطن کے حوالے سے بحران کا سامنا رہا ہے۔ افریقا میں بھی خوراک اور توانائی کے حوالے سے صورتِ حال تیزی سے بگڑتی جارہی ہے۔ ایسے میں سوچا جاسکتا ہے کہ یورپ کو آنے والے عشروں میں افریقا سے بھی بہت بڑی تعداد میں تارکینِ وطن کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اس وقت دنیا کو جن مشکلات کا سامنا ہے اُن کے حوالے سے الزام تراشی سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر وہ کام کیا جائے جو دنیا کو مشکلات سے نکالنے کیلئے ناگزیر ہو۔ ہر ریاست کے اپنے مفادات ہوتے ہیں مگر یہ وقت اپنے اپنے مفادات کو ایک طرف ہٹا کر پوری دنیا کے مفاد کو ذہن نشین رکھنے کا ہے۔ امید رکھی جانی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ امریکی سیاست میں دیانت کو برقرار رکھنے کیلئے فطری علوم کی بنیاد پر سامنے آنے والے حقائق کی ضرورت محسوس کریں گے۔ ایک بات کا تمام امریکیوں کو یقین ہونا چاہیے کہ ٹرمپ نے جو تنگ نظری متعارف کرائی ہے اس نے امریکا کو شرمندہ اور کمزور کیا ہے۔

بروز ہفتہ 16 ذوالقعدہ 1442ھ 26 جون 2021ء

افغان جنگ اور امریکا

گزشتہ برس کے آخری ہفتے میں واشنگٹن پوسٹ نے افغانستان میں جاری طویل اور ناکام امریکی جنگ کے حوالے سے بڑے پیمانے پر دستاویزات شائع کیں جس کو سیموئیل موئن اور اسٹیفن ورتھیم ایک نہ ختم ہونے والی جنگ قرار دیا تھا۔اس کے بارے میں عمومی رائے یہ تھی اگرچہ اس اشاعت کے اثرات ویت نام جنگ کے دور میں شائع پینٹاگون دستاویزات کی طرح انقلابی نہیں ہوں گے لیکن یہ اشاعت امریکا کی قومی سلامتی پالیسی کو سمجھنے کیلئے اہم ضرور ہے۔ دوہاافغان امریکا جنگ بندی معاہدے اور انخلاء کے ابتدائی عمل کے بعد اس رپورٹ کو اب بڑی پذیرائی مل رہی ہے. ری پبلکن پارٹی تو ہمیشہ ہی غیر ذمہ دار رہی ہے،ان حالات میں یہ انکشاف ہونا کہ امریکی حکام نے جنگ کے حوالے سے اپنے خدشات چھپائے،انہیں پتا تھا کہ جنگ میں امریکی حکمت عملی ناکام ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے پوری صورتحال ہی تبدیل ہو سکتی ہے۔ ویسے امریکی عہدیداروں نے عوام سے اتنا جھوٹ نہیں بولا جتنا انہیں گمراہ کیا ہے، خاص کر افغان جنگ کے بارے میں اپنے خدشات کو حکومتی رازداری میں رکھ کر۔ دستاویزات سے پتا چلتا ہے کہ حکومت جانتی تھی کہ افغان حکومت بدعنوان اور ناقابل اعتبار ہے، پاکستان طالبان کی مدد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے گا،ایسے میں امریکی حکمت عملی حالات سے بے خبر اور تضادات سے بھرپور تھی۔

ان حقائق سے امریکی عوام اور کانگریس کو آگاہ کرنے کے بجائے سول اور فوجی حکام عوامی حمایت اور کانگریس کی حمایت حاصل کرنے کیلئے جنگ کے بارے میں بار بار حوصلہ افزا رپورٹ پیش کرتے رہے۔ مثال کے طور پر دسمبر 2009ء میں افغانستان میں امریکا کے سب سے اعلیٰ کمانڈر جنرل میک کرسٹل نے کانگریس کی کمیٹی کو بتایا کہ ''اگلے 18/ماہ اس جنگ کے لیے فیصلہ کن ہیں اور بالآخر فتح ہماری ہو گی، ہم اپنے اس مشن کو مکمل کر سکیں گے''۔ ان کے جانشین جنرل ڈیوڈ پیٹریاس نے بھی ایک سال بعد ایسی ہی امید افزا گفتگو کی، حالانکہ اس وقت امریکی انٹیلی جنس رپورٹ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ 2010ء میں جنرل جیمز میٹیس جو بعد میں سیکرٹری دفاع بنے، نے کانگریس کو بتایا کہ ''ہم اس وقت صحیح راستے پر ہیں''اس طرح کی گواہی ایک مخصوص حکمت عملی کا حصہ تھی۔

سابق وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ کے عملے نے ایک رپورٹ 2006ء میں تیار کی، جو صرف خوش کن اطلاعات سے مزین تھی۔ جنرل ڈین کے میک نیل نے 2007ء میں زبردست پیش رفت کے بارے میں بتایا۔ اس وقت کے امریکی صدر باراک اوباما اور وزیر دفاع لیون پنیٹا نے دعویٰ کیا کہ امریکا نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے 2011ء اور 2012ء میں جنرل پیٹریاس نے بتایا کہ امریکی فوج مشکلات سے نکل آئی ہے۔ پانچ برس بعد جنرل جان نکسن نے ان خوشخبری بھرے بیانات کو ہی دہرایا، لیکن یہ سب لوگ غلط تھے، کیونکہ افغانستان کے حالات مسلسل بگڑتے جا رہے تھے۔ امریکی حکام کی جانب سے ایک ہی جیسی بیان بازی کی طویل تاریخ شرمناک ہے۔ اعلیٰ حکام سے لے کر نچلے درجے کے اہلکاروں کی جانب سے خوشخبریوں کے باوجود افغانستان میں امریکی کوششوں کے ناکام ہونے کے ثبوت موجود تھے۔

افغانستان کی تعمیر نو کے خصوصی انسپکٹر جان سوپکو کی بہت سی تنقیدی رپورٹس بظاہر واشنگٹن پوسٹ کی جانب سے جاری دستاویزات کی بنیاد پر ہی تیار کی گئیں۔ اگر آپ چند سفارشات پر غور کریں تو واضح ہو گا کہ اگر افغانستان سے طویل وابستگی کا عزم برقرار رہتا تو یہ جنگ مزید ایک دہائی جاری رہتی اور اس میں

مزید سیکڑوں ارب ڈالر لگ جاتے اور پھر بھی ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک بہت دور بیٹھی بڑی طاقت کبھی بھی ایسی جنگ نہیں جیت سکتی، جبکہ اس کے دشمنوں کا خود امریکی اور ان کے اتحادیوں کی موجودگی کے باوجود افغانستان کے 70 فیصد علاقوں میں محفوظ پناہ گاہیں حاصل ہوں اور اس کی اتحادی افغان حکومت ناامیدی کی حد تک بدعنوان اور ناکارہ ہے۔ یہ حقائق گزشتہ 13 برس سے زائد عرصے سے عیاں ہیں، بدقسمتی سے امریکا کی دونوں جماعتوں کے رہنماؤں نے کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں کیا ہے۔ یقینی طور پر دو دہائیوں کی کوششوں اور ایک ٹریلین ڈالر خرچ کرنے کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل نہ کئے جاسکے، افغان معیشت کی ترقی کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے، معیارِ تعلیم اور معیارِ زندگی بہتر نہ ہو سکا، خواتین کو زیادہ حقوق دینے کا خواب بھی پورا نہ ہو سکا تاہم افغانوں کو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے انتخابات کا جو تجربہ حاصل ہوا، اس کے نتیجے میں اب تک شمالی اتحاد کے عبداللہ عبداللہ نے آج تک اشرف غنی کو ملک کا صدر تسلیم نہیں کیا تاہم لیکن لاکھوں افغان شہید اور 2300/امریکی فوجیوں سے زائد ہلاک اور ہزاروں امریکی اور اس کے اتحادی زخمی ہو کر عمر بھر کیلئے معذور ہو گئے۔

امریکا افغانستان میں اپنے مستقبل کے عزائم میں فی الحال کامیاب تو نہیں ہو سکا لیکن انخلاء کے باوجود دعا معاہدہ کی خلاف ورزیوں کی بناء پر ملک میں خانہ جنگی کا ماحول پیدا کرنے سے وہ ہر گز باز نہیں آرہا تاہم یہ بات واضح ہو گئی کہ افغانستان کی تقدیر کا فیصلہ افغان عوام ہی کریں گے نہ کہ بیرونی طاقتیں۔ کوئی غلط فہمی میں نہ رہے، افغان جنگ عراق پر حملہ کرنے جیسی سنگین غلطی نہیں تھی لیکن عراق کے مقابلے میں افغانستان میں ناکامی کا سامنا ہے۔ تو اصل سوال یہ ہے کہ امریکا کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بھرپور مالی وسائل رکھنے والی اسٹیبلشمنٹ ایک کبھی نہ جیتی جانے والی جنگ کیوں جاری رکھی؟ کیوں امریکی اسٹیبلشمنٹ کے چند ممبران ہی حالات کا درست اندازہ لگا سکے اور اس حوالے سے لوگوں کو آگاہ بھی کیا، اندرونی حلقے کیا کچھ جانتے ہیں اور جنگ اتنا طویل عرصے کیوں چلتی رہی۔ جنگوں کی ایک وجہ تو امریکا کا سازگار اسٹریٹیجک مقام پر واقع ہونا ہے۔ ایک دنیا سے کٹا ہوا علاقہ جو دولت سے مالا مال بھی ہے، لیکن افغانستان جیسی مہنگی جنگ 19/ٹریلین ڈالر کی معیشت بھی ہل کر رہ گئی اور اب رہی سہی کسر کورونا نے نکال دی ہے۔

بروز جمعرات 21 ذوالقعد 1442ھ یکم جولائی 2021ء